

پلک جھپکنا: سوچے سمجھے بغیر سوچنے کی طاقت

مصنف: میکلم گلہبید ویں

زمرہ: آرٹ آف لیونگ دیگر

نام: ڈیاناسی ویب سائٹ:

<http://motsach.info>

تاریخ: 14- اکتوبر- 2012

تعارف۔ وہ مجسمہ جو صحیح نہیں لگ رہا تھا

ستمبر 1983 میں، گیانفرانکو بیکینا نامی ایک آرٹ ڈیلر نے کلیفورنیا میں جے پال گیٹھی میوزم سے رابطہ کیا۔ انہوں نے بتایا کہ ان کے پاس سنگ مرمر کا ایک مجسمہ تھا جو چھٹی صدی قبل مسح کا ہے۔ اسے کوروں کے نام سے جانا جاتا ہے۔ ایک برهنہ مرد نوجوان کا مجسمہ جو اپنی بائیں ٹانگ کو آگے اور اپنے بازوؤں کو اس کے اطراف میں کھڑا رکھتا ہے۔ یہاں صرف دوسو کوروئی موجود ہیں، اور ان میں سے زیادہ تر کو بری طرح سے تباہ شدہ یا قبروں یا آثار قدیمہ کی کھدائیوں سے ٹکڑوں میں بازیاب کیا گیا ہے۔ لیکن یہ تقریباً مکمل طور پر محفوظ تھا۔ یہ تقریباً سات فٹ لمبا تھا۔ اس میں ایک طرح کی ہلکے رنگ کی چمک تھی جو اسے دیگر قدیم کاموں سے الگ کرتی تھی۔ یہ ایک غیر معمولی دریافت تھی۔ بیکینا کی پوچھنے کی قیمت صرف 10 ملین ڈالر سے کم تھی۔

گیٹھی محتاط انداز میں آگے بڑھا۔ اس نے کوروں کو قرض پر لیا اور مکمل تحقیقات کا آغاز کیا۔ کیا یہ مجسمہ دوسرے معروف کوروئی سے مطابقت رکھتا تھا؟ اس کا جواب ہاں معلوم ہوتا ہے۔ مجسمہ کا انداز ایتھر کے قومی آثار قدیمہ کے عجائب گھر میں موجود انویسوں کوروں کی یاد دلاتا تھا، جس کا مطلب یہ تھا کہ یہ کسی خاص وقت اور جگہ کے ساتھ فٹ لگتا تھا۔ مجسمہ کہاں اور کب ملا تھا؟ کوئی بھی ٹھیک سے نہیں جانتا تھا، لیکن بیکینا نے گیٹھی کے قانونی مکھے کو اس کی حالیہ تاریخ سے متعلق دستاویزات کا ایک شیف دیا۔ ریکارڈ میں کہا گیا ہے کہ کوروں 1930 کی دہائی سے لو فن بر گر نامی سوئس طبیب کے نجی مجموعے میں تھا، اور اس نے اسے رو سوس نامی ایک مشہور یونانی آرٹ ڈیلر سے حاصل کیا تھا۔

یونیورسٹی آف کلیفورنیا سے تعلق رکھنے والے ماہر ارضیات اسٹینلے مار گولیس میوزم میں آئے اور دو دن تک ہائی

ریزو لوشن سٹیریوما نگرو اسکوپ سے مجسمے کی سطح کا جائزہ لیا۔ اس کے بعد انہوں نے دائیں گھٹنے کے بالکل نیچے سے ایک سینٹی میٹر قطر اور دو سینٹی میٹر لمبائی کے بنیادی نمونے کو نکالا اور الیکٹرون مائیکر و سکوپ، الیکٹرون مائیکر و پروب، ماس اسپیکٹر و میٹری، ایکس رے ڈیفرکشن اور ایکس رے فلور سنس کا استعمال کرتے ہوئے اس کا تجزیہ کیا۔ مار گولیس نے گیٹی کو بتایا کہ یہ مجسمہ تھاسوس کے جزیرے پر واقع قدیم کیپ واخی کان سے ڈولومائٹ سنگ مرمر سے بنایا گیا تھا اور مجسمے کی سطح کیلساٹ کی ایک پتلی پرت سے ڈھکی ہوئی تھی، جو اہم تھی، مار گولیس نے گیٹی کو بتایا، کیونکہ ڈولومائٹ ہزاروں نہیں تو سیکڑوں سالوں کے دوران ہی کیلساٹ میں تبدیل ہو سکتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں، مجسمہ پر انا تھا۔ یہ کوئی معاصر جعلی نہیں تھا۔

گیٹی مطمئن تھا۔ کوروس کے بارے میں ان کی تحقیقات شروع ہونے کے چودہ ماہ بعد، وہ مجسمہ خریدنے پر راضی ہو گئے۔ 1986 کے موسم خزاں میں، یہ پہلی بار نمائش کے لئے پیش کیا گیا تھا۔ نیویارک ٹائمز نے اس موقع پر پہلے صفحے پر ایک خبر شائع کی۔ چند ماہ بعد گیٹی کی نوادرات کی کیوریٹر ماریون ٹرونے آرٹ جرٹل دی برلنگٹن میگزین کے لیے میوزیم کے حصول کے بارے میں ایک طویل اور شاندار کہانی لکھی۔ "اب بیرونی سہارے کے بغیر کھڑے ہو کر، اس کے بندھاتھ مضبوطی سے اپنی رانوں سے جڑے ہوئے ہیں، کوروس اس پر اعتقاد زندگی کا اظہار کرتا ہے جو اس کے بہترین بھائیوں کی خصوصیت ہے۔ سچے نے فاتحانہ انداز میں نتیجہ اخذ کیا، "خدا ہو یا انسان، وہ مغربی آرٹ کی جوانی کی تمام تابناک تو انائی کا مظہر ہے۔"

تاہم، کوروس کو ایک مسئلہ تھا۔ یہ صحیح نہیں لگ رہا تھا۔ اس بات کی نشاندہی کرنے والے سب سے پہلے ایک اطالوی آرٹ مورخ فیڈریکوزیری تھے، جنہوں نے گیٹی کے بورڈ آف ٹرستیز میں خدمات انجام دیں۔ دسمبر 1983 میں جب زیری کو میوزیم کے بھائی اسٹوڈیو میں کوروس دیکھنے کے لیے لے جایا گیا، تو انہوں نے خود کو مجسمے کے ناخنوں کو گھورتے ہوئے پایا۔ ایک طرح سے وہ فوری طور پر بیان نہیں کر سکتا تھا، وہ اسے غلط لگ رہا تھا۔ ایو لین بیریسن اگلے نمبر پر تھیں۔ وہ دنیا کی صفات اول کی شخصیات میں سے ایک تھیں۔

یونانی مجسمے کے ماہرین، اور وہ لاس انجلس میں گیٹی کا دورہ کر رہی تھیں جب میوزیم نے بیکینا کے ساتھ معاہدے کو حتمی شکل دی۔ ہیریسن یاد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ 'آرتھر ہوٹن، جو اس وقت کیوریٹر تھے، ہمیں اسے دیکھنے کے لیے نیچے لے گئے۔' اس نے اس کے اوپر سے ایک کپڑا اتنا را اور کہا، 'ٹھیک ہے، یہ ابھی ہمارا نہیں ہے، لیکن یہ چند ہفتوں میں ہو جائے گا۔ میں نے کہا، 'مجھے یہ سن کر افسوس ہوا۔' ہیریسن نے کیا دیکھا؟ وہ نہیں جانتا تھا۔ اس پہلے ہی لمحے میں، جب ہوٹن نے کپڑا اتنا را، تو ہیریسن کے ذہن میں صرف ایک گمان تھا، ایک فطری احساس تھا کہ کچھ غلط ہو رہا ہے۔ چند ماہ بعد ہوٹن نیویارک میں میٹرو پولیٹن میوزیم آف آرٹ کے سابق ڈائریکٹر تھامس ہوونگ کو گیٹی کے کنزرویشن اسٹوڈیو میں لے گئے۔

مجسمہ بھی۔ ہوونگ ہمیشہ اس پہلے لفظ کو نوٹ کرتا ہے جو اس کے دماغ سے گزرتا ہے جب وہ کچھ نیادی کہتا ہے، اور وہ کبھی نہیں بھولے گا کہ وہ لفظ کیا تھا جب اس نے پہلی بار کوروس کو دیکھا تھا۔ ہوونگ یاد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ 'یہ "تازہ" تھا۔ اور دو ہزار سال پرانے مجسمے پر "تازہ" رد عمل درست نہیں تھا۔ بعد میں، اس لمحے کے بارے میں سوچتے ہوئے، ہوونگ کو احساس ہوا کہ یہ خیال اس کے ذہن میں کیوں آیا تھا: "میں نے سسلی میں کھدائی کی تھی، جہاں ہمیں ان چیزوں کے ٹکڑے اور ٹکڑے ملے تھے۔ وہ اس طرح نظر نہیں آتے ہیں۔ کوروس ایسا لگ رہا تھا جیسے اسے اسٹار بکس کے بہترین کیفی لائے میں ڈبوایا گیا ہو۔ کچھ نیا، اور وہ کبھی نہیں بھولے گا کہ جب اس نے کوروس کو پہلی بار دیکھا تھا تو وہ لفظ کیا تھا۔ ہوونگ یاد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ 'یہ "تازہ" تھا۔ اور دو ہزار سال پرانے مجسمے پر "تازہ" رد عمل درست نہیں تھا۔ بعد میں، اس لمحے کے بارے میں سوچتے ہوئے، ہوونگ کو احساس ہوا کہ یہ خیال اس کے ذہن میں کیوں آیا تھا: "میں نے سسلی میں کھدائی کی تھی، جہاں ہمیں ان چیزوں کے ٹکڑے اور ٹکڑے ملے تھے۔ وہ اس طرح نظر نہیں آتے ہیں۔ کوروس ایسا لگ رہا تھا جیسے اسے اسٹار بکس کے بہترین کیفی لائے میں ڈبوایا گیا ہو۔'

ہوونگ نے ہوٹن کی طرف رخ کیا۔ "کیا تم نے اس کی قیمت ادا

کی ہے؟" ہوونگ کو یاد ہے کہ ہوٹن حیران دکھائی دے رہا تھا۔

"اگر آپ کے پاس ہے، تو اپنے میسے واپس حاصل کرنے کی کوشش کریں،" ہوونگ نے کہا۔ "اگر نہیں تو نہ کرو۔"

گیٹھی پریشان ہو رہے تھے، لہذا انہوں نے یونان میں کوروس پر ایک خصوصی سپوزیم بلایا۔ انہوں نے مجسمے کو پیٹ کر ایتھر بھج دیا اور ملک کے سب سے سینئر مجسمہ ساز ماہرین کو مدعو کیا۔ اس بار مایوسی کا شور اور بھی بلند تھا۔

ہیریسن ایک موقع پر ایتھر میں ایک روپوس میوزیم کے سربراہ جارج ڈیسپنس نامی شخص کے ساتھ کھڑے تھے۔ اس نے ایک نظر کوروس پر ڈالی اور مسکرا کیا۔ "جس نے کبھی زمین سے مجسمہ نکلتے دیکھا ہو،" انہوں نے اس سے کہا، "وہ بتا سکتا ہے کہ وہ چیز کبھی زمین میں نہیں تھی۔ ایتھر میں آر کیا لو جیکل سوسائٹی کے سربراہ جارجیوس ڈونٹس نے اس مجسمے کو دیکھا اور فوری طور پر سردی محسوس کی۔" جب میں نے پہلی بار کوروس کو دیکھا،" انہوں نے کہا، "مجھے ایسا لگا جیسے میرے اور کام کے درمیان ایک گلاس ہے۔ اس سپوزیم میں ڈونٹس کے بعد ایتھر میں پیناکی میوزیم کے ڈائریکٹر اینجلوس ڈیلیوریاس بھی موجود تھے۔ انہوں نے مجسمے کے انداز اور اس حقیقت کے درمیان تضاد پر تفصیل سے بات کی کہ سنگ مرمر جس سے یہ تراشا گیا تھا وہ تھا سوس سے آیا تھا۔ پھر وہ اس نکلتے پر پہنچ گیا۔ اس نے اسے جعلی کیوں سمجھا؟ کیونکہ جب اس نے پہلی بار اس پر نظر ڈالی، تو اس نے کہا، اسے "بدیہی نفرت" کی ایک لہر محسوس ہوئی۔ سپوزیم کے ختم ہونے تک، بہت سے شرکاء کے درمیان اتفاق رائے یہ تھا کہ کوروس بالکل بھی وہ نہیں تھا جو اسے ہونا چاہئے تھا۔ گیٹھی اپنے وکلاء اور سائنس دانوں اور مہینوں کی محنت سے کی جانے والی تحقیق کے ساتھ ایک نتیجے پر پہنچی تھی اور یونانی مجسمے کے دنیا کے چند سرکردہ ماہرین نے مجسمے کو دیکھ کر اور اپنی 'بدیہی کشش' کو محسوس کرتے ہوئے ایک اور نتیجہ اخذ کیا تھا۔ کون صحیح تھا؟

ایک وقت کے لئے یہ واضح نہیں تھا۔ کوروس اس قسم کی چیز تھی جس کے بارے میں آرت کے ماہرین کا انفرنسوں میں بحث کرتے تھے۔ لیکن پھر، آہستہ آہستہ، گیٹی کامپیوٹر کا معاملہ ٹوٹنا شروع ہو گیا۔ مثال کے طور پر گیٹی کے وکلاء نے سوئزرلینڈ کے ڈاکٹر لافنبرگر کو کوروس کا بغور سراغ لگانے کے لیے جو خطوط استعمال کیے، وہ جعلی ثابت ہوئے۔

1952 کے ایک خط پر پوٹل کوڈ تھا جو بیس سال بعد تک موجود نہیں تھا۔ 1955 کے ایک اور خط میں ایک بینک اکاؤنٹ کا حوالہ دیا گیا جو 1963 تک نہیں کھولا گیا تھا۔ بنیادی طور پر طویل مہینوں کی تحقیق کا نتیجہ یہ تھا کہ گیٹی کوروس انویسوں کوروس کے انداز میں تھا۔ لیکن یہ بھی شک میں پڑ گیا: یونانی مجسمے کے ماہرین نے اسے جتنا قریب سے دیکھا، اتنا ہی وہ اسے مختلف مقامات اور زمانے کے مختلف اسٹائل کے ایک جiran کن پیسٹیچ کے طور پر دیکھنے لگے۔ اس نوجوان کا پتلا سائز میونخ کے ایک میوزیم میں موجود ٹینیا کوروس جیسا لگ رہا تھا اور اس کے اسٹائلائزڈ، موتیوں والے بال نیویارک کے میٹرو پولیٹن میوزیم میں موجود کوروس کی طرح تھے۔ دریں اثنا، اس کے پاؤں، اگر کچھ بھی ہو، جدید تھے۔ معلوم ہوا کہ کوروس ایک چھوٹا سا مجسمہ تھا جسے 1990 میں سوئزرلینڈ میں ایک برطانوی آرت مورخ نے دریافت کیا تھا۔ دونوں مجسمے ایک جیسے سنگ مرمر سے کائے گئے تھے اور بالکل ایک جیسے طریقوں سے مجسمہ بنائے گئے تھے۔ لیکن سوئس کوروس قدیم یونان سے نہیں آئے تھے۔ یہ 1980 کی دہائی کے اوائل میں روم میں ایک جعل ساز و رکشاپ سے آیا تھا۔ اور اس سائنسی تجزیے کے بارے میں کیا جس میں کہا گیا تھا کہ گیٹی کوروس کی سطح صرف سینکڑوں یا ہزاروں سال سے زیادہ پرانی ہو سکتی ہے؟ ٹھیک ہے، یہ پتہ چلا ہے کہ چیزیں اتنی کٹی اور خشک نہیں تھیں۔ مزید تجزیے کے بعد، ایک اور ماہر ارضیات نے نتیجہ اخذ کیا کہ آلو کے سانچے کا استعمال کرتے ہوئے ڈولومائٹ سنگ مرمر کے مجسمے کی سطح کو چند مہینوں میں "عمر" دینا ممکن ہو سکتا ہے۔ گیٹی کی فہرست میں، کوروس کی ایک تصویر موجود ہے، جس پر "تقریباً 530 قبل مسیح، یا جدید جعل سازی" لکھا ہوا ہے۔

جب فیڈریکوزیری اور ایولین ہیریسن اور تھامس ہوونگ اور جارجیوس ڈوناس اور دیگر سبھی نے کوروس کو دیکھا اور ایک "بدیہی نفرت" محسوس کی تو وہ بالکل درست تھے۔ ایک نظر میں دیکھنے کے پہلے دو سینٹ میں وہ مجسمے کے جوہر کے بارے میں اس سے کہیں زیادہ سمجھنے میں کامیاب ہو گئے تھے جتنا گلیٹی کی ٹیم چودہ ماہ بعد سمجھنے میں کامیاب رہی تھی۔

پلک ان ابتدائی دو سینٹوں کے بارے میں ایک کتاب ہے۔

۱. تیز اور کفایت شعار

تصور کریں کہ میں آپ کو ایک بہت ہی آسان جواہیل کھینے کے لئے کہنا تھا۔ آپ کے سامنے کارڈز کے چار ڈیک ہیں۔ ان میں سے دو سرخ اور دو سرے دونیلے۔ ان چار ڈیک میں ہر کارڈ یا تو آپ کو رقم دیتا ہے یا آپ کو کچھ رقم خرچ کرتا ہے، اور آپ کا کام کسی بھی ڈیک سے کارڈ کو ایک وقت میں اس طرح تبدیل کرنا ہے جو آپ کی جیت کو زیادہ سے زیادہ کرے۔ تاہم، جو آپ شروع میں نہیں جانتے ہیں وہ یہ ہے کہ سرخ ڈیک ایک بارودی سرنگ ہیں۔ انعامات زیادہ ہیں، لیکن جب آپ سرخ کارڈ پر کھو دیتے ہیں تو، آپ بہت کچھ کھو دیتے ہیں۔ دراصل، آپ صرف نیلے ڈیک سے کارڈ لے کر جیت سکتے ہیں، جو \$50 ادا یگی اور معمولی جرمانے کی اچھی مستحکم غذا پیش کرتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ آپ کو اس کا پتہ لگانے میں کتنا وقت لگے گا؟ ان میں سے دو سرخ اور دیگر دونیلے ہیں۔ ان چار ڈیک میں ہر کارڈ یا تو آپ کو رقم دیتا ہے یا آپ کو کچھ رقم خرچ کرتا ہے، اور آپ کا کام کسی بھی ڈیک سے کارڈ کو ایک وقت میں اس طرح تبدیل کرنا ہے جو آپ کی جیت کو زیادہ سے زیادہ کرے۔ تاہم، جو آپ شروع میں نہیں جانتے ہیں وہ یہ ہے کہ سرخ ڈیک ایک بارودی سرنگ ہیں۔ انعامات زیادہ ہیں، لیکن جب آپ سرخ کارڈ پر کھو دیتے ہیں تو، آپ بہت کچھ کھو دیتے ہیں۔ دراصل، آپ صرف نیلے ڈیک سے کارڈ لے کر جیت سکتے ہیں، جو \$50

ادائیگی اور معمولی جرمانے کی اچھی مستحکم غذا پیش کرتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ آپ کو اس کا پتہ لگانے میں کتنا وقت لگے گا؟

یونیورسٹی آف آئیووا کے سامنے انوں کے ایک گروپ نے چند سال قبل یہ تجربہ کیا تھا اور انہوں نے جو پایا وہ یہ ہے کہ جب ہم تقریباً پچاس کارڈز کو پیٹ دیتے ہیں تو ہم میں سے زیادہ تر میں ایک جھنخلاہٹ پیدا ہو نا شروع ہو جاتی ہے۔

کیا ہو رہا ہے اس کے بارے میں۔ ہم نہیں جانتے کہ ہم نیلے ڈیک کو کیوں ترجیح دیتے ہیں، لیکن ہمیں اس وقت پورا یقین ہے کہ وہ ایک بہتر شرط ہیں۔ تقریباً 80 کارڈوں کو پیٹنے کے بعد، ہم میں سے زیادہ تر نے کھیل کا پتہ لگالیا ہے اور وضاحت کر سکتے ہیں کہ پہلے دو ڈیک اتنے برے خیال کیوں ہیں۔ یہ بہت سیدھا ہے۔ ہمارے پاس کچھ تجربات ہیں۔ ہم ان کے بارے میں سوچتے ہیں۔ ہم ایک نظریہ تیار کرتے ہیں۔ اور پھر آخر کار ہم نے دو اور دو کو ایک ساتھ رکھا۔ اس طرح سیکھنا کام کرتا ہے۔

لیکن آئیوا کے سائنس دانوں نے کچھ اور کیا اور یہیں سے تجربے کا عجیب و غریب حصہ شروع ہوتا ہے۔ انہوں نے ہر جواری کو ایک مشین سے جوڑ دیا جوان کے ہاتھوں کی ہتھیلیوں میں جلد کے نیچے پسینے کے غددوں کی سرگرمی کی پیمائش کرتی تھی۔ ہمارے زیادہ تر پسینے کے غددوں کی طرح، ہماری ہتھیلیوں میں موجود غددوں تناوٰ کے ساتھ ساتھ درجہ حرارت کا بھی جواب دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب ہم گھبرا تے ہیں تو ہمیں ٹھنڈے ہاتھ ملتے ہیں۔ آئیوا کے سائنس دانوں نے جو پایا وہ یہ ہے کہ جواریوں نے دسویں کارڈ کے ذریعہ سرخ ڈیک پر تناوٰ کے رد عمل پیدا کرنا شروع کر دیے، اس سے پہلے کہ وہ یہ کہنے کے قابل ہو سکیں کہ انہیں ان دو ڈیکوں کے ساتھ کیا خرابی ہے اس کے بارے میں گمان تھا۔ اس سے بھی زیادہ ہم بات یہ ہے کہ جس وقت ان کی ہتھیلیوں میں پسینہ آنا شروع ہوا، ان کا رویہ بھی تبدیل ہونا شروع ہوا۔ انہوں نے نیلے کارڈوں کی حمایت کرنا شروع کر دی اور سرخ ڈیک سے کم سے کم کارڈ لینے لگے۔ دوسرے لفظوں میں، جواریوں نے کھیل کا اندازہ لگانے سے پہلے ہی کھیل کا اندازہ لگالیا تھا: انہوں نے شعوری طور پر آگاہ ہونے سے بہت پہلے ضروری ایڈ جسمیٹ کرنا شروع کر دی تھیں کہ انہیں کیا ایڈ جسمیٹ کرنا چاہئے۔

آئیوا کا تجربہ بالکل ایک سادہ کارڈ گیم ہے جس میں مٹھی بھر مضمایں اور اسٹریس ڈیلیکٹر شامل ہیں۔ لیکن یہ ہمارے دماغ کے کام کرنے کے طریقے کی ایک بہت طاقتور مثال ہے۔ یہاں ایک ایسی صورت حال ہے جہاں داؤ

زیادہ تھے، جہاں چیزیں تیزی سے آگے بڑھ رہی تھیں، اور جہاں شرکاء کو، بہت کم وقت میں بہت ساری نئی اور الجھن والی معلومات کو سمجھنا پڑتا۔ آئیووا کا تجربہ ہمیں کیا بتاتا ہے؟ کہ ان لمحات میں، ہمارا دماغ صور تحال کو سمجھنے کے لئے دو بہت مختلف حکمت عملی استعمال کرتا ہے۔ پہلا وہ ہے جس سے ہم سب سے زیادہ واقف ہیں۔ یہ شعوری حکمت عملی ہے۔ ہم سوچتے ہیں کہ ہم نے کیا سیکھا ہے، اور آخر کار ہم ایک جواب کے ساتھ آتے ہیں۔ یہ حکمت عملی منطقی اور حقیقی ہے۔ لیکن وہاں تک پہنچنے میں ہمیں اسی کارڈ لگتے ہیں۔ یہ سست ہے، اور اسے بہت ساری معلومات کی ضرورت ہے۔ تاہم، ایک دوسری حکمت عملی ہے۔ یہ بہت تیزی سے کام کرتا ہے۔ یہ دس کارڈوں کے بعد شروع ہوتا ہے، اور یہ واقعی ہوشیار ہے، کیونکہ یہ تقریباً فوری طور پر سرخ ڈیک کے ساتھ مسئلہ اٹھاتا ہے۔ تاہم، اس میں خرابی یہ ہے کہ یہ کم از کم پہلی بار شعور کی سطح سے کامل طور پر نیچے کام کرتا ہے۔ یہ اپنے پیغامات عجیب و غریب بالواسطہ چینیز کے ذریعے بھیجتا ہے، جیسے ہمارے ہاتھوں کی ہتھیلیوں میں پسینے کے غدوں۔ یہ ایک ایسا نظام ہے جس میں ہمارا دماغ ہمیں فوری طور پر یہ بتائے بغیر نتائج تک پہنچتا ہے کہ وہ نتائج تک پہنچ رہا ہے۔

دوسری حکمت عملی ایولین ہیریسِن اور تھامس ہوونگ اور یونانی اسکالرز کی طرف سے اختیار کردہ راستہ تھا۔ انہوں نے ہر قابل تصور ثبوت کا وزن نہیں کیا۔ انہوں نے صرف وہی سوچا جو ایک نظر میں جمع کیا جاسکتا ہے۔ ان کی سوچ وہ تھی جسے علمی ماہر نفسیات گروگیگر نزد "تیز اور کفایت شعار" کہنا پسند کرتے ہیں۔ انہوں نے بس اس مجسمے پر ایک نظر ڈالی اور ان کے دماغ کے کسی حصے نے فوری حساب کتاب کا ایک سلسلہ شروع کیا، اور اس سے پہلے کہ کوئی شعوری سوچ پیدا ہو، انہوں نے کچھ محسوس کیا، بالکل اسی طرح جیسے جواریوں کی ہتھیلیوں پر اچانک پسینے کی چھن۔ تھامس ہوونگ کے لیے یہ بالکل نامناسب لفظ 'اتازہ' تھا جو اچانک ان کے ذہن میں آیا۔ اینجلوس ڈیلیوریاس کے معاملے میں، یہ "بدیہی نفرت" کی ایک لہر تھی۔ جارجیوس ڈونٹس کے لئے، یہ احساس تھا کہ اس کے اور کام کے درمیان ایک گلاس تھا۔ کیا وہ جانتے ہیں کہ وہ کیوں جانتے ہیں؟ بلکل بھی نہیں۔ لیکن وہ جانتے تھے۔

2. انٹرنل کمپیوٹر ہمارے دماغ کا وہ حصہ جو اس طرح کے نتائج تک پہنچتا ہے اسے موافق لاشعور کہا جاتا ہے، اور

اس قسم کی فیصلہ سازی کا مطالعہ سب سے اہم ہے۔

نفسیات میں نئے شعبے۔ موافق لاشور کو سگمنڈ فرینڈ کے بیان کردہ لاشور کے ساتھ الجھنا نہیں چاہئے، جو خواہشات اور یادوں اور تصورات سے بھرا ہوا ایک تاریک اور دھندا مقام تھا جس کے بارے میں ہم شوری طور پر سوچنے کے لئے بہت پریشان کن تھے۔ یہ نیا ہے

اس کے بجائے، موافق لاشور کے تصور کو ایک قسم کے دیو ہیکل کپیوٹر کے طور پر سمجھا جاتا ہے جو انسانوں کے طور پر کام کرتے رہنے کے لئے ہمیں درکار بہت سارے اعداد و شمار کو تیزی سے اور خاموشی سے پروسیس کرتا ہے۔ جب آپ سڑک پر نکلتے ہیں اور اچانک محسوس کرتے ہیں کہ ایک ٹرک آپ پر اثر انداز ہو رہا ہے، تو کیا آپ کے پاس اپنے تمام اختیارات کے بارے میں سوچنے کا وقت ہے؟ بالکل نہیں۔ جب تک ہمارے پاس ہے انسان ایک نسل کے طور پر زندہ رہنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ ہم نے ایک اور قسم کا فیصلہ سازی کا آلہ تیار کیا ہے جو بہت کم معلومات کی بنیاد پر بہت تیزی سے فیصلے کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ جیسا کہ ماہر نفسیات ٹمو تھی ڈی ولسن اپنی کتاب 'اجنبیوں سے خود تک' میں لکھتے ہیں: 'دماغ سب سے زیادہ موثر طریقے سے کام کرتا ہے جس طرح ایک جدید جیٹ لائنزر خود کار پائلٹ پر پرواز کرنے کے قابل ہوتا ہے جس میں انسانی، باشور پائلٹ کی طرف سے بہت کم یا کوئی ان پٹ نہیں ہوتا ہے۔ موافق لاشور دنیا کو بہتر بنانے، لوگوں کو خطرے سے خبردار کرنے، اهداف کا تعین کرنے اور جدید اور موثر انداز میں کارروائی شروع کرنے کا ایک عمدہ کام کرتا ہے۔ جب آپ سڑک پر نکلتے ہیں اور اچانک محسوس کرتے ہیں کہ ایک ٹرک آپ پر اثر انداز ہو رہا ہے، تو کیا آپ کے پاس اپنے تمام اختیارات کے بارے میں سوچنے کا وقت ہے؟ بالکل نہیں۔ جب تک ہمارے پاس ہے انسان ایک نسل کے طور پر زندہ رہنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ ہم نے ایک اور قسم کا فیصلہ سازی کا آلہ تیار کیا ہے جو بہت کم معلومات کی بنیاد پر بہت تیزی سے فیصلے کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ جیسا کہ ماہر نفسیات ٹمو تھی ڈی ولسن اپنی کتاب 'اجنبیوں سے خود تک' میں لکھتے ہیں: 'دماغ سب سے زیادہ موثر طریقے سے کام کرتا ہے جس طرح ایک جدید جیٹ لائنزر خود کار پائلٹ پر

پرواز کرنے کے قابل ہوتا ہے جس میں انسانی، باشمور اپنکٹ کی طرف سے بہت کم یا کوئی ان پٹ نہیں ہوتا ہے۔ موافق لاشعور دنیا کو بہتر بنانے، لوگوں کو خطرے سے خبردار کرنے، اهداف کا تعین کرنے اور جدید اور موثر انداز میں کارروائی شروع کرنے کا ایک عمدہ کام کرتا ہے۔

ولسن کا کہنا ہے کہ ہم حالات پر منحصر ہو کر اپنے شعوری اور لاشعوری طرز فکر کے درمیان آگے پیچھے گھومتے رہتے ہیں۔ کسی ساتھی کارکن کورات کے کھانے پر مدعو کرنے کا فیصلہ شعوری ہے۔ آپ اسے ختم کریں۔ آپ فیصلہ کریں کہ یہ مزہ آئے گا۔ آپ اس سے پوچھیں یا اس سے۔ اسی ساتھی کارکن کے ساتھ بحث کرنے کا بے ساختہ فیصلہ لاشعوری طور پر دماغ کے ایک مختلف حصے کی طرف سے کیا جاتا ہے اور آپ کی شخصیت کے ایک مختلف حصے سے متاثر ہوتا ہے۔

جب بھی ہم کسی سے پہلی بار ملتے ہیں، جب بھی ہم کسی نوکری کے لیے کسی کا انٹرویو کرتے ہیں، جب بھی ہم کسی نئے خیال پر رد عمل ظاہر کرتے ہیں، جب بھی ہمیں جلدی اور تناؤ میں کوئی فیصلہ کرنے کا سامنا کرنا پڑتا ہے، تو ہم اپنے دماغ کے اس دوسرے حصے کو استعمال کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر، جب آپ کالج میں تھے تو آپ کو یہ فیصلہ کرنے میں کتنا وقت لگا کہ آپ کے پروفیسر کتنے اچھے استاد ہیں؟ ایک کلاس؟ دو کلاسیں؟ ایک سمسٹر؟ ماہر نفیات نلنی امباڈی نے ایک بار طالب علموں کو ایک استاد کی تین دس سینکنڈ کی ویڈیو ٹیپ دیں۔ جس کی آواز بند تھی۔ اور پایا کہ انہیں استاد کی تاثیر کی درجہ بندی کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہے۔ اس کے بعد امباڈی نے کلپس کو پانچ سینکنڈ تک کم کر دیا، اور درجہ بندی ایک جیسی تھی۔ جب انہوں نے طالب علموں کو صرف دو سینکنڈ کی ویڈیو ٹیپ دکھائی تو بھی وہ قابل ذکر طور پر مستقل تھے۔ اس کے بعد امباڈی نے اساتذہ کی تاثیر کے ان فوری فیصلوں کا موازنہ انہی پروفیسروں کی تشخیص سے کیا جوان کے طالب علموں نے کلاسوں کے پورے سمسٹر کے بعد کیے تھے، اور انہوں نے پایا کہ وہ بھی بنیادی طور پر ایک جیسے تھے۔ ایک شخص کسی ایسے استاد کی دو سینکنڈ کی خاموش ویڈیو کلپ دیکھ کر

اس نتیجے پر پہنچے گا کہ وہ استاد کتنا اچھا ہے جو ایک ایسے طالب علم سے بہت ملتا جلتا ہے جو پورے سمسٹر تک ٹھپر کی کلاس میں پہنچا ہے۔ یہ ہمارے موافق لاشعور کی طاقت ہے۔

ہو سکتا ہے کہ آپ نے بھی یہی کام کیا ہو، چاہے آپ کو اس کا احساس ہو یا نہ ہو، جب آپ نے پہلی بار یہ کتاب اٹھائی تھی۔ آپ نے اسے پہلے کتنی دیر تک اپنے ہاتھوں میں رکھا؟ دو سینٹ؟ اور پھر بھی اس مختصر وقت میں، سرورق کا ڈیزائن، میرے نام کے ساتھ آپ کا جو بھی تعلق ہو، اور کوروس کے بارے میں پہلے چند جملوں نے ایک تاثر پیدا کیا۔ خیالات اور تصاویر اور پیشگوئیوں کی بھرمار۔ جس نے بنیادی طور پر آپ کے اب تک اس تعارف کو پڑھنے کے انداز کو تشكیل دیا ہے۔ کیا آپ اس بارے میں مجسس نہیں ہیں کہ ان دو سینٹ میں کیا ہوا؟

مجھے لگتا ہے کہ ہم اس قسم کے تیز رفتار ادراک کے بارے میں فطری طور پر مشکوک ہیں۔ ہم ایک ایسی دنیا میں رہتے ہیں جو یہ فرض کرتی ہے کہ کسی فیصلے کا معیار براہ راست اس وقت اور کوشش سے متعلق ہے جو اسے بنانے میں گیا تھا۔ جب ڈاکٹروں کو کسی مشکل تشخیص کا سامنا کرنا پڑتا ہے، تو وہ مزید ٹیسٹ کا حکم دیتے ہیں، اور جب ہم جو سنتے ہیں اس کے بارے میں غیر یقینی ہوتے ہیں، تو ہم دوسری رائے طلب کرتے ہیں۔ ہم اپنے بچوں کو کیا بتائیں؟ جلد بازی ضائع کر دیتی ہے۔ چھلانگ لگانے سے پہلے دیکھو۔ رکو اور سوچو۔ کسی کتاب کو اس کے سرورق سے نہ جانچیں۔ ہمیں یقین ہے کہ ہم ہمیشہ زیادہ سے زیادہ معلومات جمع کرنے اور غور و خوض میں زیادہ سے زیادہ وقت خرچ کرنے سے بہتر ہیں۔ ہم واقعی صرف شعوری فیصلہ سازی پر اعتماد کرتے ہیں۔ لیکن ایسے لمحات آتے ہیں، خاص طور پر تنازع کے وقت، جب جلد بازی رائیگاں نہیں جاتی، جب ہمارے فوری فیصلے اور پہلے تاثرات دنیا کو سمجھنے کا ایک بہتر ذریعہ پیش کر سکتے ہیں۔ پلک کا پہلا کام آپ کو ایک سادہ حقیقت پر قائل کرنا ہے: بہت جلدی کیے گئے فیصلے اتنے ہی اچھے ہو سکتے ہیں جتنے محتاط اور جان بو جھ کر کیے گئے فیصلے۔

تاہم، پلک جھپکنا صرف نظر کی طاقت کا جشن نہیں ہے۔ مجھے ان لمحات میں بھی دلچسپی ہے جب ہماری جبلت ہمیں دھوکہ دیتی ہے۔ مثال کے طور پر، اگر گیٹی کا کوروس اتنا واضح طور پر جعلی تھا۔ یا، کم از کم، پریشانی کا باعث تھا۔ تو میوزیم نے اسے پہلی جگہ پر کیوں خریدا؟ گیٹی کے ماہرین کو بھی چودہ مہینوں کے دوران بدیہی نفرت کا احساس

کیوں نہیں ہوا جب وہ اس ٹکڑے کا مطالعہ کر رہے تھے؟ گیٹی میں جو کچھ ہوا اس کی یہ سب سے بڑی پہلی ہے، اور اس کا جواب یہ ہے کہ ان احساسات کو، کسی نہ کسی وجہ سے ناکام بنادیا گیا تھا۔ اس کی جزوی وجہ یہ ہے کہ سائنسی اعداد و شمار بہت متاثر کن لگ رہے تھے۔ (ماہر ارضیات اسٹینلے مار گولس اپنے تجزیے سے اس قدر قائل تھے کہ انہوں نے سائنسی امریکن میں اپنے طریقہ کار کا ایک طویل بیان شائع کیا۔ لیکن زیادہ تر اس کی وجہ یہ ہے کہ گیٹی اس مجسمے کو حقیقی بنانا چاہتا تھا۔ یہ ایک نوجوان عجائب گھر تھا، جو ایک عالمی معیار کا مجموعہ بنانے کا خواہاں تھا، اور کوروس ایک ایسی غیر معمولی دریافت تھی کہ اس کے ماہرین اپنی جبلت سے اندھے ہو گئے تھے۔ آرت مورخ جارج آرٹیز سے ایک بار ارنست لینگلوبڑنے پوچھا تھا کہ کیا وہ کانسی کا مجسمہ خریدنا چاہتے ہیں۔ آرٹیز اس ٹکڑے کو دیکھنے گیا اور حیران رہ گیا۔ ان کے خیال میں یہ واضح طور پر ایک جعلی، متضاد عناصر سے بھرا ہوا تھا۔ تو پھر لینگلوبڑنے، جو یونانی مجسموں کے بارے میں دنیا کے کسی بھی فرد کی طرح جانتا تھا، کو بیو قوف کیوں بنایا گیا؟ آرٹیز کی وضاحت یہ ہے کہ لینگلوبڑنے یہ خریدا تھا

مجسمہ سازی ایک بہت ہی نوجوان شخص کی حیثیت سے، اس سے پہلے کہ اس نے اپنی بہت زیادہ مہارت حاصل کی۔ "مجھے لگتا ہے،" آرٹیز نے کہا، "لینگلوبڑس کو اس ٹکڑے سے محبت ہو گئی۔ جب آپ ایک نوجوان آدمی ہوتے ہیں تو، آپ کو اپنی پہلی خریداری سے محبت ہوتی ہے، اور شاید یہ اس کی پہلی محبت تھی۔ اپنے ناقابل یقین علم کے باوجود وہ واضح طور پر اپنے پہلے جائزے پر سوال اٹھانے سے قاصر تھا۔ آرٹیز نے کہا، "لینگلوبڑس کو اس ٹکڑے سے محبت ہو گئی۔ جب آپ ایک نوجوان آدمی ہوتے ہیں تو، آپ کو اپنی پہلی خریداری سے محبت ہوتی ہے، اور شاید یہ اس کی پہلی محبت تھی۔ اپنے ناقابل یقین علم کے باوجود وہ واضح طور پر اپنے پہلے جائزے پر سوال اٹھانے سے قاصر تھا۔

یہ ایک خیالی وضاحت نہیں ہے۔ یہ ہمارے سوچنے کے انداز کے بارے میں کچھ بنیادی بات ہے۔ ہمارا لاشمور ایک طاقتور قوت ہے۔ لیکن یہ ناقابل فہم ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ ہمارا اندرونی کمپیوٹر ہمیشہ چمکتا ہے، فوری طور پر کسی

صورتحال کی "سچائی" کو ڈی کو ڈکرتا ہے۔ اسے پھینکا جاسکتا ہے، بھٹکایا جاسکتا ہے، اور غیر فعال کیا جاسکتا ہے۔
ہمارے جلی ردعمل کو اکثر ہر قسم کے دوسرے لوگوں کے ساتھ مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔

مفادات اور جذبات اور جذبات۔ تو، ہمیں کب اپنی جیلتوں پر بھروسہ کرنا چاہئے، اور کب ہمیں ان سے محتاط رہنا چاہئے؟ اس سوال کا جواب دینا پلک کا دوسرا کام ہے۔ جب ہماری تیز رفتار ادراک کی طاقتیں خراب ہو جاتی ہیں، تو وہ بہت ہی مخصوص اور مستقل وجوہات کی بناء پر خراب ہو جاتی ہیں، اور ان وجوہات کی شناخت اور سمجھا جاسکتا ہے۔ یہ سیکھنا ممکن ہے کہ اس طاقتوں آن بورڈ کمپیوٹر کو کب سننا ہے اور کب اس سے محتاط رہنا ہے۔

اس کتاب کا تیسرا اور سب سے اہم کام آپ کو اس بات پر قائل کرنا ہے کہ ہمارے فوری فیصلوں اور پہلے تاثرات کو تعلیم یافہ اور کنٹرول کیا جاسکتا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ اس پر یقین کرنا مشکل ہے۔ ہیریسن اور ہونگ اور دیگر آرٹ مہرین جنہوں نے گیٹی کوروس کو دیکھا تھا، نے اس مجسمے پر طاقتوں اور نفسیں رد عمل کا اظہار کیا تھا، لیکن کیا وہ اپنے لاشور سے باہر نہیں نکلے تھے؟ کیا اس طرح کے پراسرار رد عمل کو کنٹرول کیا جاسکتا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ کر سکتا ہے۔ جس طرح ہم اپنے آپ کو منطقی اور جان بوجھ کر سوچنا سکھا سکتے ہیں، اسی طرح ہم اپنے آپ کو بہتر فیصلے کرنا بھی سکھا سکتے ہیں۔ بلکہ میں آپ ڈاکٹروں اور جرنیلوں اور کوچز اور فرنچر ڈیزائنسرز اور موسیقاروں اور اداکاروں اور کار سیلز میں اور ان گنت دیگر لوگوں سے ملیں گے، جو سبھی اپنے کام میں بہت اچھے ہیں اور ان سب کی کامیابی کا سہرا کم از کم ان اقدامات کی وجہ سے ہے جو انہوں نے اپنے لاشوری رد عمل کو تشکیل دینے اور منظم کرنے اور تعلیم دینے کے لئے اٹھائے ہیں۔ جاننے کی طاقت، پہلے دو سینئڈ میں، چند خوش قسمت لوگوں کو جادوئی طور پر دیا گیا تھفہ نہیں ہے۔ یہ ایک ایسی صلاحیت ہے جسے ہم سب اپنے لئے پیدا کر سکتے ہیں۔

3۔ ایک مختلف اور بہتر دنیا ایسی بہت ساری کتابیں ہیں جو وسیع موضوعات سے نمٹتی ہیں، جو دنیا کا تجزیہ کرتی ہیں۔ یہ ان میں سے ایک نہیں ہے۔ بلکہ کا تعلق ہماری روزمرہ زندگی کے سب سے چھوٹے اجزاء سے ہے یعنی ان فوری تاثرات اور نتائج کا مواد اور مأخذ جو جب بھی ہم کسی نئے شخص سے ملتے ہیں یا کسی پیچیدہ صورتحال کا سامنا کرتے ہیں یا تناؤ کے حالات میں فیصلہ کرنا پڑتا ہے تو خود بخود پیدا ہوتے ہیں۔ جب اپنے آپ کو اور ہماری دنیا کو

سمجھنے کے کام کی بات آتی ہے، تو مجھے لگتا ہے کہ ہم ان عظیم موضوعات پر بہت زیادہ توجہ دیتے ہیں اور ان عارضی لمحات کی تفصیلات پر بہت کم توجہ دیتے ہیں۔ لیکن اگر ہم اپنی جبلت کو سنجیدگی سے لیں تو کیا ہو گا؟ کیا ہو گا اگر ہم اپنی دور بین سے افق کو اسکین کرنا بند کر دیں اور اس کے بجائے سب سے طاقتور مائیکرو اسکوپ کے ذریعے اپنی فیصلہ سازی اور طرز عمل کی جانچ پڑتاں شروع کر دیں؟ مجھے لگتا ہے کہ اس سے جنگیں لڑنے کا طریقہ بدل جائے گا، الماریوں پر ہم کس طرح کی مصنوعات دیکھتے ہیں، کس طرح کی فلمیں بنائی جاتی ہیں، پولیس افسران کو کس طرح تربیت دی جاتی ہے، جوڑوں کو جس طرح سے مشورہ دیا جاتا ہے، جس طرح سے ملازمت کے انٹرویو کیے جاتے ہیں، وغیرہ۔ اور اگر ہم ان تمام چھوٹی چھوٹی تبدیلیوں کو یکجا کر دیں تو ہم ایک مختلف اور بہتر دنیا کے ساتھ اختتام پذیر ہوں گے۔ مجھے یقین ہے اور مجھے امید ہے کہ اس کتاب کے آخر تک آپ بھی اس بات پر یقین کر لیں گے کہ اپنے آپ کو اور اپنے طرز عمل کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم پلک جھپکتے ہی اس بات کو تسلیم کریں کہ پلک جھپکنے میں اتنی ہی اہمیت ہو سکتی ہے جتنی کہ مہینوں کے عقلی تجزیے میں ہوتی ہے۔ گیٹٹی کے نوادرات کے کیوریٹر ماریون ٹرونے نے کہا کہ "میں نے ہمیشہ سائنسی رائے کو ایستھیٹک فیصلوں سے زیادہ معروضی سمجھا ہے۔"

"اب مجھے احساس ہوا کہ میں غلط تھا۔"

باب اول

پلی ٹکڑوں کا نظریہ: علم کا تھوڑا سا حصہ کس طرح ایک طویل سفر طے کرتا ہے

چند سال قبل ایک نوجوان جوڑا جان گوٹ میں نامی ماہر نفسیات کی لیبارٹری کا دورہ کرنے کے لیے واشنگٹن یونیورسٹی آیا تھا۔ وہ بیس سال کی عمر میں تھے، سنہری اور نیلی آنکھوں کے ساتھ اسٹائلش طور پر بال کٹوانے اور مضکلہ خیز عینک کے ساتھ۔ بعد میں، لیبارٹری میں کام کرنے والے کچھ لوگوں کا کہنا تھا کہ وہ ایک ایسے جوڑے ہیں جنہیں پسند کرنا آسان ہے۔ ذہین، پرکشش اور مضکلہ خیز انداز میں۔ اور یہ بات ان کے دورے کے بارے میں بنائی گئی ویڈیو ٹیپ گوٹ میں سے فوری طور پر واضح ہوتی ہے۔ شوہر، جسے میں بل کھوں گا، ایک پیارا کھیل کو دکا انداز رکھتا تھا۔ ان کی بیوی سوزان ایک تیز اور مردہ ذہانت کی مالک تھیں۔

انہیں دو منزلہ عمارت کی دوسری منزل پر ایک چھوٹے سے کمرے میں لے جایا گیا جس میں گوٹمین کے آپریشنز رکھے گئے تھے، اور وہ بلند پلیٹ فارم پر نصب دفتر کی دو کرسیوں پر تقریباً پانچ فٹ کے فاصلے پر بیٹھ گئے۔ ان دونوں کی انگلیوں اور کانوں میں الیکٹروڈ اور سینسر لگے ہوئے تھے، جو ان کے دل کی دھڑکن، کتنا پسینہ بہہ رہے تھے، اور ان کی جلد کا درجہ حرارت جیسی چیزوں کی پیمائش کرتے تھے۔ ان کی کرسیوں کے نیچے، پلیٹ فارم پر ایک "جگل او میٹر" نے پیمائش کی کہ ان میں سے ہر ایک کتنا گھومتا ہے۔ دو ویڈیو کیمرے، جن میں سے ایک ہر شخص کو نشانہ بناتا تھا، نے ان کی ہربات اور کیے کوریکارڈ کیا۔ پندرہ منٹ تک، انہیں کیمروں کے ساتھ اکیلا چھوڑ دیا گیا، ان کی شادی کے کسی بھی موضوع پر بات کرنے کی ہدایات دی گئیں جو تازعہ کا موضوع بن گیا تھا۔ بل اور سو کے لئے یہ ان کا کتنا تھا۔ وہ ایک چھوٹے سے اپارٹمنٹ میں رہتے تھے اور انہیں ابھی ایک بہت بڑا کتما ملا تھا۔ بل کو

کتنا پسند نہیں تھا۔ سونے کیا۔ پندرہ منٹ تک، انہوں نے بحث کی کہ انہیں اس کے بارے میں کیا کرنا چاہئے۔

بل اور سو کی گفتگو کی ویڈیو ٹیپ، کم از کم سب سے پہلے، ایک بہت ہی عام قسم کی گفتگو کا ایک بے ترتیب نمونہ لگتا ہے جو جوڑے ہر وقت کرتے ہیں۔ کسی کو غصہ نہیں آتا۔ کوئی منظر نہیں ہے، کوئی ٹوٹ پھوٹ نہیں ہے، کوئی اسپیفیز نہیں ہیں۔ "میں صرف کتنا نہیں ہوں" بل بالکل معقول لمحے میں چیزوں کا آغاز کرتا ہے۔ وہ تھوڑا سا شکایت کرتا ہے۔ لیکن کتنے کے بارے میں، سونے کے بارے میں نہیں۔ وہ شکایت بھی کرتی ہیں، لیکن ایسے لمحات بھی آتے ہیں جب وہ صرف یہ بھول جاتے ہیں کہ انہیں بحث کرنی چاہیے۔ مثال کے طور پر جب یہ موضوع آتا ہے کہ کتنے کو بدبو آتی ہے یا نہیں، تو بل اور سو خوشی سے آگے پیچھے مذاق کرتے ہیں، دونوں اپنے ہونٹوں پر آدھی مسکراہٹ کے ساتھ۔

جواب: بیٹی! وہ بدبو دار نہیں ہے... بل: کیا تم نے آج اس کی بو محسوس کی ہے؟ سوال: میں نے اس کی بو محسوس کی۔ اسے اچھی بو آرہی تھی۔ میں نے اسے پال لیا، اور میرے ہاتھوں سے بدبو یا تیل محسوس نہیں ہوا۔ آپ کے ہاتھ ہیں

کبھی تیل کی بو نہیں آتی تھی۔ بل: جی ہاں جناب۔ سوال: میں نے اپنے کتنے کو کبھی تیل دار نہیں ہونے دیا۔ بل: جی ہاں جناب۔ وہ ایک کتا ہے۔ سوال: میرا کتا کبھی تیل دار نہیں ہوا۔ بہتر ہے کہ آپ محتاط رہیں۔ بل: نہیں، بہتر ہے کہ آپ محتاط رہیں۔ سوال: نہیں، بہتر ہے کہ آپ محتاط رہیں۔ میرے کتنے کو تیل دار مت کہو بیٹا۔

۱. لو لیب آپ کے خیال میں سو اور بل کی شادی کے بارے میں پندرہ منٹ کی ویڈیو ٹیپ دیکھ کر کتنا سیکھا جا سکتا ہے؟ کیا ہم بتاسکتے ہیں کہ ان کا رشتہ صحت مند ہے یا غیر صحت مند؟ مجھے شبہ ہے کہ ہم میں سے زیادہ تر لوگ کہیں گے کہ بل اور سو کی کتنے کی بات ہمیں زیادہ نہیں بتاتی ہے۔ یہ بہت مختصر ہے۔ شادیاں زیادہ اہم چیزوں جیسے پیسے اور جنسی تعلقات اور بچوں اور ملازمتوں اور سسرال والوں کی طرف سے مسلسل بدلتے ہوئے امتزاج سے متاثر

ہوتی ہیں۔ کبھی کبھی جوڑے ایک ساتھ بہت خوش ہوتے ہیں۔ کچھ دن وہ لڑتے ہیں۔ کبھی کبھی انہیں لگتا ہے کہ وہ تقریباً ایک کو مار سکتے ہیں

دوسرے، لیکن پھر وہ چھپیوں پر چلے جاتے ہیں اور نوبیا ہتا جوڑے کی طرح والپس آتے ہیں۔ ایک جوڑے کو "جاننے" کے لئے، ہمیں ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ہمیں کئی ہفتوں اور مہینوں تک ان کا مشاہدہ کرنا پڑتا ہے اور انہیں ہر حالت میں دیکھنا پڑتا ہے۔ خوش، تھکا ہوا، غصہ، چڑچڑا پن، اعصابی ٹوٹ پھوٹ، وغیرہ۔ نہ صرف اس آرام دہ اور بات چیت کے موڑ میں جس میں بل اور سو نظر آتے تھے۔ شادی کے مستقبل جیسی سنجیدہ چیز کے بارے میں درست پیش گوئی کرنے کے لئے۔ در حقیقت، کسی بھی قسم کی پیشگوئی کرنے کے لئے۔ ایسا لگتا ہے کہ ہمیں بہت ساری معلومات اور زیادہ سے زیادہ مختلف سیاق و سباق میں جمع کرنا ہو گا۔

لیکن جان گوٹ مین نے ثابت کیا ہے کہ ہمیں ایسا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ 1980 کی دہائی سے اب تک گوٹ مین نے تین ہزار سے زائد شادی شدہ جوڑوں کو یونیورسٹی آف واشنگٹن کیمپس کے قریب اپنی "لویب" کے اس چھوٹے سے کمرے میں لا یا ہے۔ ہر جوڑے کی ویڈیو ٹیپ کی گئی ہے، اور نتائج کا تجزیہ کچھ اس چیز کے مطابق کیا گیا ہے جسے گوٹمین نے ایس پی اے ایف ایف (خصوص اثر کے لئے) کا نام دیا ہے، ایک کوڈنگ سسٹم جس میں ہر قابل تصور جذبات سے مطابقت رکھنے والے بیس الگ الگ زمرے ہیں جو ایک شادی شدہ جوڑا گفتگو کے دوران اظہار کر سکتا ہے۔ مثال کے طور پر نفرت 1 ہے، ھمارت 2 ہے، غصہ 7 ہے، دفاع 10 ہے، رونا 11 ہے، ادا ۱۲ ہے، پھر اور 13 ہے، غیر جاندار 14 ہے، وغیرہ۔ گوٹمین نے اپنے عملے کو سکھایا ہے کہ لوگوں کے چہرے کے تاثرات میں موجود ہر جذباتی بار کی کیسے پڑھا جائے اور مکالمے کے ظاہر مبہم حصوں کی تشریح کیسے کی جائے۔ جب وہ شادی کی ویڈیو ٹیپ دیکھتے ہیں، تو وہ جوڑے کی بات چیت کے ہر سینکڑ کے لئے ایک ایس پی اے ایف ایف کوڈ تفویض کرتے ہیں، تاکہ پندرہ منٹ کی تنازعہ کی بحث اٹھارہ سو نمبروں کی قطار میں ترجمہ ہو جائے۔ شوہر کے لئے نوسا اور بیوی کے لئے نوسا۔ مثال کے طور پر "7، 7، 10، 14، 11، 11، 11" کا مطلب یہ ہے کہ چھ سینکڑ کے ایک حصے میں، جوڑے کا ایک رکن تھوڑی دیر کے لئے غصے میں تھا، پھر غیر جاندار تھا، ایک لمحے کا دفاع تھا، اور

پھر چینا شروع کر دیا۔ پھر الیکٹر وڈز اور سینسرز کے اعداد و شمار کو فیکٹر کیا جاتا ہے، تاکہ کوڈر ز کو معلوم ہو سکے، مثال کے طور پر، جب شوہر یابوی کا دل دھڑک رہا تھا یا اس کا درجہ حرارت کب بڑھ رہا تھا یا جب ان میں سے کوئی ایک اپنی نشست پر بیٹھ رہا تھا، اور یہ تمام معلومات ایک پیچیدہ مساوات میں فیڈ کی جاتی ہیں۔

ان حسابات کی بنیاد پر، گوٹمین نے کچھ قابل ذکر ثابت کیا ہے۔ اگر وہ میاں بیوی کی بات چیت کے ایک گھنٹے کا تجزیہ کریں تو وہ 95 فیصد درستگی کے ساتھ پیش گوئی کر سکتے ہیں کہ آیا وہ جوڑا پندرہ سال بعد بھی شادی کرے گایا نہیں۔ اگر وہ ایک جوڑے کو پندرہ منٹ تک دیکھتا ہے تو اس کی کامیابی کی شرح تقریباً 90 فیصد ہے۔ حال ہی میں گوٹ مین کے ساتھ کام کرنے والے سائبیل کیریئر نامی ایک پروفیسر، جو ایک نئی تحقیق ڈیزائن کرنے کی کوشش کر رہے تھے، نے دریافت کیا کہ اگر وہ جوڑے کی بات چیت کے صرف تین منٹ کو دیکھیں تو وہ اب بھی کافی موثر درستگی کے ساتھ پیش گوئی کر سکتے ہیں کہ کون طلاق لینے والا ہے اور کون کرنے والا ہے۔ شادی کی حقیقت کو کسی نے تصور سے کہیں کم وقت میں سمجھا جا سکتا ہے۔

جان گوٹمین ایک ادھیر عمر کا آدمی ہے جس کی آنکھیں الوجیسی ہیں، چاندی کے بال ہیں، اور اچھی داڑھی ہے۔ وہ چھوٹا اور بہت دلکش ہے، اور جب وہ کسی ایسی چیز کے بارے میں بات کرتا ہے جو اسے پر جوش کرتی ہے۔ جو تقریباً ہر وقت ہوتی ہے۔ اس کی آنکھیں روشن اور اور بھی وسیع ہو جاتی ہیں۔ ویٹ نام کی جنگ کے دوران، وہ ایک باشور اعتراض کرنے والے تھے، اور ان کے بارے میں اب بھی 60 کی دہائی کی ٹوپی کی طرح کچھ ہے، جیسے ماڈ ٹوپی جو وہ کبھی کبھار اپنے چوٹی والے یار ملے پر پہنتے ہیں۔ وہ تربیت کے لحاظ سے ماہر نفسیات ہیں، لیکن انہوں نے ایم آئی ٹی میں ریاضی کی تعلیم بھی حاصل کی، اور ریاضی کی سختی اور درستگی واضح طور پر انہیں کسی اور چیز کی طرح متاثر کرتی ہے۔ جب میں گوٹ مین سے ملا تو انہوں نے حال ہی میں اپنی سب سے پر جوش کتاب شائع کی تھی، جس کا نام طلاق کی ریاضی تھا، اور انہوں نے مجھے اپنی دلیل کا احساس دلانے کی کوشش کی، ایک کاغذی نیپکن پر مساوات اور اچانک گراف لکھنے کی کوشش کی جب تک کہ میرا سر تیرنا شروع نہ ہو گیا۔

گوٹمین ہمارے لاشور سے ابھرنے والے خیالات اور فیصلوں کے بارے میں ایک کتاب میں ایک عجیب مثال لگ سکتی ہے۔ اس کے نقطہ نظر کے بارے میں کچھ بھی فطری نہیں ہے۔ وہ فوری فیصلے نہیں کر رہا ہے۔ وہ اپنے کمپیوٹر کے ساتھ بیٹھے ہیں اور سینکنڈ بے سینکنڈ ویڈیو ٹیپ کا تجزیہ کر رہے ہیں۔ ان کا کام شعوری اور دانستہ سوچ کی ایک بہترین مثال ہے۔ لیکن گوٹمین، یہ پتہ چلتا ہے، ہمیں تیز رفتار ادراک کے ایک اہم حصے کے بارے میں بہت کچھ سمجھا سکتا ہے جسے پتلی کاٹنے کے نام سے جانا جاتا ہے۔ "پتلی کاٹنے" سے مراد ہمارے لاشور کی صلاحیت ہے۔

تجربے کے بہت تنگ ٹکڑوں کی بنیاد پر حالات اور طرز عمل میں نمونے تلاش کریں۔ جب ایولین ہیریسون نے کوروس کی طرف دیکھا اور جھنجھلا کر کہا، "مجھے یہ سن کر افسوس ہوا،" وہ پتلی ہو رہی تھی۔ اسی طرح آئیووا کے جواری بھی تھے جب انہیں صرف دس کارڈز کے بعد سرخ ڈیک پر تناو کارڈ عمل تھا۔ کوروس کی طرف دیکھا اور جھنجھلا کر بولا، "مجھے یہ سن کر افسوس ہوا،" وہ پتلی ہو رہی تھی۔ اسی طرح آئیووا کے جواری بھی تھے جب انہیں صرف دس کارڈز کے بعد سرخ ڈیک پر تناو کارڈ عمل تھا۔

پتلی ٹکڑا اس چیز کا حصہ ہے جو لاشور کو اتنا چمکدار بنادیتا ہے۔ لیکن یہ وہ چیز ہے جو ہمیں تیزی سے ادراک کے بارے میں سب سے زیادہ پریشانی محسوس ہوتی ہے۔ اتنے کم وقت میں نفس فیصلے کے لئے ضروری معلومات جمع کرنا کیسے ممکن ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب ہمارا لاشور باریک ٹکڑوں میں مشغول ہوتا ہے، تو ہم جو کچھ کر رہے ہوتے ہیں وہ ایک خودکار، تیز رفتار لاشوری ورثن ہوتا ہے جو گوٹمین اپنی ویڈیو ٹیپ اور مساوات کے ساتھ کرتا ہے۔ کیا واقعی شادی کو ایک ہی نشست میں سمجھا جاسکتا ہے؟ جی ہاں، یہ ہو سکتا ہے، اور اسی طرح بہت سے دیگر بظاہر پیچیدہ حالات بھی ہو سکتے ہیں۔ گوٹمین نے جو کیا ہے وہ ہمیں دکھانا ہے کہ کس طرح۔

2. شادی اور مورس کوڈ میں نے بل اور سوکی ویڈیو ٹیپ دیکھی، جو گوٹمین کی لیب میں گریجویٹ طالبہ امبر ٹیپر لیس کے ساتھ ہے جو ایک تربیت یافتہ ایس پی اے ایف ایف کوڈ رہے۔ ہم اسی کرے میں بیٹھے تھے جو بل اور

سو استعمال کرتے تھے اور مانیسٹر پر ان کی بات چیت دیکھ رہے تھے۔ بات چیت بل سے شروع ہوئی۔ وہ اپنے پرانے کتنے کو پسند کرتا تھا، اس نے کہا۔ وہ اپنے نئے کتنے کو پسند نہیں کرتا تھا۔ انہوں نے غصے یا کسی دشمنی کے ساتھ بات نہیں کی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ وہ واقعی صرف اپنے احساسات کی وضاحت کرنا چاہتا تھا۔

طبریس نے نشاندہی کی کہ اگر ہم غور سے سنیں تو یہ واضح تھا کہ بل بہت دفاعی روایہ اختیار کر رہا تھا۔ ایسی پی اے ایف ایف کی زبان میں، وہ کراس شکایت کر رہے تھے اور "ہاں لیکن" کے ہتھنڈوں میں مشغول تھے۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ راضی ہو جاتے ہیں لیکن پھر اسے واپس لے جاتے ہیں۔ بل کو ان کی گفتگو کے پہلے چھیاسٹھ سینکڑ میں سے چالیس سینکڑ کے لئے دفاعی کے طور پر کوڈ کیا گیا تھا۔ جہاں تک سو کا تعلق ہے، جب بل بات کر رہا تھا، ایک سے زیادہ موقع پر اس نے بہت تیزی سے اپنی آنکھیں گھما لیں، جو حقارت کی کلاسیکی علامت ہے۔ اس کے بعد بل نے اس قلم پر اپنے اعتراض کے بارے میں بات کرنا شروع کی جہاں کتابرہتا ہے۔ سونے اپنی آنکھیں بند کر کے اور پھر سر پر ستانہ لکھر دینے والی آواز اختیار کرتے ہوئے جواب دیا۔ بل نے مزید کہا کہ وہ لیونگ روم میں باڑ نہیں لگانا چاہتا تھا۔ سونے کہا، "میں اس بارے میں بحث نہیں کرنا چاہتی،" اور اس نے اپنی آنکھیں جھکا لیں جو حقارت کا ایک اور اشارہ تھا۔ "اسے دیکھو،" تبریز نے کہا۔ "زیادہ حقارت۔ ہم نے مشکل سے شروعات کی ہے اور ہم نے اسے تقریباً پورے وقت تک دفاعی روایہ اختیار کرتے دیکھا ہے، اور اس نے کئی بار اپنی آنکھیں پھیری ہیں۔

جب بات چیت جاری رہی تو کسی بھی وقت ان میں سے کسی نے بھی دشمنی کی کوئی علامت ظاہر نہیں کی۔ ایک یادو سینکڑ کے لئے صرف باریک چیزیں سامنے آئیں، جس کی وجہ سے تبریز نے ٹیپ کو روکنے اور ان کی نشاندہی کرنے پر مجبور کیا۔ کچھ جوڑے، جب وہ لڑتے ہیں، لڑتے ہیں۔ لیکن یہ دونوں بہت کم واضح تھے۔ بل نے شکایت کی کہ کتنے نے ان کی معاشرتی زندگی میں کٹوتی کی، کیونکہ انہیں ہمیشہ اس خوف سے جلدی گھر آنا پڑتا تھا کہ کتنا ان کے اپارٹمنٹ کے ساتھ کیا کر سکتا ہے۔ سونے جواب دیا کہ یہ سچ نہیں ہے، دلیل دیتے ہوئے، "اگر وہ کچھ چبانے جا رہی ہے، تو وہ پہلے پندرہ منٹ میں ایسا کرنے جا رہی ہے جب ہم چلے جائیں گے۔" ایسا لگتا ہے کہ بل اس سے متفق

ہے۔ اس نے ہلکے سے سر ہلا�ا اور کہا، "ہاں، میں جانتا ہوں،" اور پھر مزید کہا، "میں یہ نہیں کہہ رہا ہوں کہ یہ عقلی ہے۔ میں صرف ایک کتاب نہیں رکھنا چاہتا۔"

تبیریز نے ویڈیو ٹیپ کی طرف اشارہ کیا۔ "اس نے 'ہاں، میں جانتا ہوں' کے ساتھ شروع کیا۔ لیکن یہ ایک ہاں ہے۔ لیکن۔ بھی

اگرچہ اس نے اس کی تصدیق کرنا شروع کر دی، لیکن اس نے مزید کہا کہ اسے کتاب پسند نہیں ہے۔ وہ واقعی دفاعی روایہ اختیار کر رہا ہے۔ میں سوچتا رہا، وہ بہت اچھا ہے۔ وہ یہ سب توثیق کر رہا ہے۔ لیکن پھر مجھے احساس ہوا کہ وہ ہاں کر رہا تھا۔ لیکن ان کے ذریعے بیو قوف بننا آسان ہے۔

بل نے مزید کہا: "میں بہت بہتر ہو رہا ہوں۔ آپ کو یہ تسلیم کرنا پڑے گا۔ میں پچھلے ہفتے کے مقابلے میں اس ہفتے بہتر ہوں، اور ایک ہفتہ پہلے اور اس سے ایک ہفتہ پہلے۔"

تبریز نے دوبارہ چھلانگ لگادی۔ ایک مطالعے میں، ہم نویا ہتا جوڑے کو دیکھ رہے تھے، اور اکثر طلاق لینے والے جوڑوں کے ساتھ جو کچھ ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ جب ایک پارٹنر کریڈٹ مانگتا ہے، تو دوسرا شریک حیات اسے نہیں دیتا ہے۔ اور خوش حال جوڑوں کے ساتھ، شریک حیات اسے سنتا اور کہتا، آپ صحیح کہہ رہے ہیں۔ یہ بات سامنے آئی۔ جب آپ سر ہلاتے ہیں اور 'ہاں' یا 'ہاں' کہتے ہیں، تو آپ اسے حمایت کی علامت کے طور پر کر رہے ہوتے ہیں، اور یہاں وہ ایسا کبھی نہیں کرتی ہیں، پورے سیشن میں ایک بار بھی نہیں، جس کا ہم میں سے کسی کو بھی احساس نہیں تھا جب تک کہ ہم نے کوڈنگ نہیں کی۔

"یہ عجیب بات ہے۔" اس نے آگے کہا۔ "جب وہ اندر آتے ہیں تو آپ کو یہ احساس نہیں ہوتا کہ وہ ناخوش جوڑے ہیں۔ اور جب وہ ختم ہو گئے، تو انہیں اپنی گفتگو خود دیکھنے کی ہدایت کی گئی، اور انہوں نے سوچا کہ یہ ساری بات مضحكہ خیز ہے۔ وہ ایک طرح سے ٹھیک لگ رہے ہیں۔ لیکن میں نہیں جانتا۔ انہوں نے اتنے عرصے تک شادی نہیں کی ہے۔ وہ اب بھی چمکدار مرحلے میں ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ مکمل طور پر غیر لچکدار ہے۔ وہ کتوں کے بارے میں بحث کر رہے ہیں، لیکن یہ واقعی اس بارے میں ہے کہ جب بھی ان کے درمیان اختلاف ہوتا ہے، تو وہ مکمل طور پر غیر لچکدار ہوتی ہے۔ یہ ان چیزوں میں سے ایک ہے جو طویل مدتی نقصان کا سبب بن سکتی ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ کیا وہ سات سال کی دیوار سے ٹکر ا جائیں گے۔ کیا وہاں کافی ثبت جذبات موجود ہیں؟ کیونکہ جو ثبت

لگتا ہے وہ اصل میں بالکل بھی ثبت نہیں ہے۔

تبریز اس جوڑے میں کیا تلاش کر رہا تھا؟ تکنیکی سطح پر، وہ ثبت کی مقدار کی پیمائش کر رہی تھی

اور منفی جذبات، کیونکہ گوٹمین کے نتائج میں سے ایک یہ ہے کہ شادی کو زندہ رکھنے کے لئے، کسی بھی ملاقات میں ثبت اور منفی جذبات کا تناسب کم از کم پانچ سے ایک ہونا ضروری ہے۔ تاہم، سادہ سی سطح پر، اس مختصر بحث میں تبریز جس چیز کی تلاش کر رہے تھے وہ بل اور سوکی شادی کا نمونہ تھا، کیونکہ گوٹمین کے کام میں ایک مرکزی دلیل یہ ہے کہ تمام شادیوں کا ایک منفرد نمونہ ہوتا ہے، ایک قسم کا ازدواجی ڈی این اے ہوتا ہے، جو کسی بھی قسم کے با معنی تعامل میں ظاہر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گوٹ میں جوڑوں سے کہتا ہے کہ وہ کیسے ملے اس کی کہانی بتائیں، کیونکہ انہوں نے پایا ہے کہ جب شوہر اور بیوی اپنے تعلقات کا سب سے اہم واقعہ بیان کرتے ہیں تو یہ نمونہ فوری طور پر ظاہر ہوتا ہے۔ نتائج یہ ہیں کہ شادی کو زندہ رکھنے کے لئے، کسی بھی ملاقات میں ثبت اور منفی جذبات کا تناسب کم از کم پانچ سے ایک ہونا ضروری ہے۔ تاہم، سادہ سی سطح پر، اس مختصر بحث میں تبریز جس چیز کی تلاش کر رہے تھے وہ بل اور سوکی شادی کا نمونہ تھا، کیونکہ گوٹمین کے کام میں ایک مرکزی دلیل یہ ہے کہ تمام شادیوں کا ایک منفرد نمونہ ہوتا ہے، ایک قسم کا ازدواجی ڈی این اے ہوتا ہے، جو کسی بھی قسم کے با معنی تعامل میں ظاہر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گوٹ میں جوڑوں سے کہتا ہے کہ وہ کیسے ملے اس کی کہانی بتائیں، کیونکہ انہوں نے پایا ہے کہ جب شوہر اور بیوی اپنے تعلقات کا سب سے اہم واقعہ بیان کرتے ہیں تو یہ نمونہ فوری طور پر ظاہر ہوتا ہے۔

"یہ بتانا بہت آسان ہے،" گوٹمین کہتے ہیں۔ "میں نے کل ہی اس ٹیپ کو دیکھا تھا۔ خاتون کا کہنا ہے کہ 'اہم اسکی ویک اینڈ پر ملے تھے اور وہ اپنے دوستوں کے ایک گروپ کے ساتھ وہاں موجود تھے اور میں انہیں پسند کرتی تھی اور ہم نے ایک ساتھ رہنے کے لیے ڈیٹ کی تھی۔ لیکن پھر اس نے بہت زیادہ شراب پی، اور وہ گھر جا کر سو گیا، اور میں تین گھنٹے تک اس کا انتظار کر رہا تھا۔ میں نے اسے جگایا، اور میں نے کہا کہ میں اس طرح کے سلوک کی تعریف نہیں کرتا۔ آپ واقعی ایک اچھے شخص نہیں ہیں۔ اور اس نے کہا، جی ہاں، ارے، میرے پاس واقعی پینے

کے لئے بہت کچھ تھا۔ "ان کی پہلی بات چیت میں ایک پریشان کن نمونہ تھا، اور افسوسناک حقیقت یہ تھی کہ یہ نمونہ ان کے تعلقات میں برقرار رہا۔" یہ اتنا مشکل نہیں ہے، "گوٹمن نے آگے کہا۔" جب میں

سب سے پہلے یہ انٹرویو کرنا شروع کیے، میں نے سوچا کہ شاید ہم ان لوگوں کو ایک خراب دن پر مل رہے ہیں۔ لیکن پیش گوئی کی سطح اتنی زیادہ ہے، اور اگر آپ اسے دوبارہ کرتے ہیں، تو آپ کو بار بار ایک ہی نمونہ ملتا ہے۔

گوٹمین شادیوں کے بارے میں کیا کہہ رہا ہے اسے سمجھنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ مورس کوڈ کی دنیا میں لوگ جس چیز کو مٹھی کہتے ہیں اس کی تشبیہ استعمال کریں۔ مورس کوڈ نقطوں اور دھبیوں پر مشتمل ہوتا ہے، جن میں سے ہر ایک کی اپنی مقررہ لمبائی ہوتی ہے۔ لیکن کوئی بھی ان مقررہ لمبائی کو مکمل طور پر نقل نہیں کرتا ہے۔ جب آپ ریڑر کوئی پیغام بھیجتے ہیں۔ خاص طور پر پرانی دستی میشینوں کا استعمال کرتے ہوئے جسے سیدھی کلید یا گک کے نام سے جانا جاتا ہے۔ تو وہ وقفے کو تبدیل کرتے ہیں یا نقطوں اور ڈیشنر کو پھیلاتے ہیں یا نقطوں اور ڈیشنر اور خالی جگہوں کو ایک خاص تال میں جوڑتے ہیں۔ مورس کوڈ تقریر کی طرح ہے۔ ہر ایک کی آواز مختلف ہوتی ہے۔

دوسری جنگ عظیم میں انگریزوں نے ہزاروں نام نہاد انٹر سیپٹر ز جمع کیے جن میں زیادہ تر خواتین تھیں، جن کا کام جر من فوج کے مختلف ڈویژنوں کی ریڈ یو نشریات کو ہر دن اور رات ٹیون کرنا تھا۔ یقیناً جر من کوڈ میں نشریات کر رہے تھے، لہذا کم از کم جنگ کے ابتدائی حصے میں۔ برطانویوں کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کہا جا رہا ہے۔ لیکن ضروری نہیں تھا کہ اس سے کوئی فرق نہ پڑے، کیونکہ کچھ ہی دیر میں، ٹرانسمیشن کی آواز سن کر، انٹر سیپٹر ز نے جر من آپریٹر کی انفرادی مٹھیوں کو پکڑنا شروع کر دیا، اور ایسا کرنے سے، وہ تقریباً اتنی ہی اہم چیز جانتے تھے، جو یہ تھا کہ کون بھیج رہا تھا۔ برطانوی فوجی مورخ ناجل ولیسٹ کا کہنا ہے کہ 'اگر آپ ایک مخصوص مدت کے دوران ایک ہی کال سائنس بورڈ سنیں گے تو آپ کو یہ احساس ہونے لگے گا کہ اس یونٹ میں تین یا چار مختلف آپریٹر م موجود تھے، جو شفت سسٹم پر کام کر رہے تھے، جن میں سے ہر ایک کی اپنی خصوصیات تھیں۔' اور ہمیشہ، متن کے علاوہ، دیباچہ اور غیر قانونی تبادلے بھی ہوتے تھے۔ کیسے ہیں آپ آج؟ گرل فرینڈ کیسی ہے؟ میونچ کا موسم کیسا ہے؟ لہذا آپ ایک چھوٹا سا کارڈ بھرتے ہیں، جس پر آپ اس طرح کی تمام معلومات لکھتے ہیں، اور بہت جلد

آپ کا اس شخص کے ساتھ ایک قسم کا رشتہ ہوتا ہے۔

انٹر سیپٹر ز نے ان آپریٹرز کی مٹھیوں اور اسٹائل کی تفصیل پیش کی جن کی وہ پیروی کر رہے تھے۔ انہوں نے انہیں نام تفویض کیے اور ان کی شخصیت کے تفصیل پروفائل جمع کیے۔ میج بھینے والے شخص کی شناخت کرنے کے بعد انٹر سیپٹر ز ان کے سکنل کا پتہ لگاتے تھے۔ اب وہ کچھ اور جانتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ کون کہاں ہے۔ ولیست مزید کہتے ہیں: "انٹر سیپٹر ز کا جر من ریڈ یو آپریٹر ز کی ٹرانسیشن کی خصوصیات پر اتنا اچھا پینڈل تھا کہ وہ یورپ بھر میں ان کی پیروی کر سکتے تھے۔ چاہے وہ کہیں بھی ہوں۔ یہ جنگ کے ایک ترتیب کی تعمیر میں غیر معمولی طور پر قابل قدر تھا، جو میدان میں انفرادی فوجی یونٹوں کے کام کا ایک خاکہ ہے اور ان کا مقام کیا ہے۔ اگر کوئی خاص ریڈ یو آپریٹر فلورنس سے کسی خاص یونٹ کے ساتھ تھا اور ٹرانسیشن کر رہا تھا، اور پھر تین ہفتے بعد آپ نے اسی آپریٹر کو پہچان لیا، صرف اس بارہ لنز میں تھا، تو آپ فرض کر سکتے ہیں کہ وہ خاص یونٹ شمالی اٹلی سے مشرقی محاذ پر منتقل ہو گیا تھا۔ یا آپ کو معلوم ہو گا کہ ایک خاص آپریٹر ٹینک کی مرمت کے یونٹ کے ساتھ تھا اور وہ ہر روز بارہ بجے ہوا میں آتا تھا۔ لیکن اب، ایک بڑی لڑائی کے بعد، وہ بارہ، سہ پہر چار، اور شام سات بجے آ رہا ہے، لہذا آپ فرض کر سکتے ہیں کہ اس یونٹ میں بہت کام چل رہا ہے۔ اور بھر ان کے اس لمحے میں، جب کوئی بہت اوپنجا شخص پوچھتا ہے، "کیا آپ واقعی اس بات کا یقین کر سکتے ہیں کہ یہ خاص لفت وافی فلیگر کو رپس [جر من ایز فورس اسکو اڈرن] تو برک سے باہر ہے اور اٹلی میں نہیں ہے؟ آپ جواب دے سکتے ہیں، ہاں، یہ آسکر تھا، ہمیں پورا یقین ہے۔"

مٹھیوں کے بارے میں اہم بات یہ ہے کہ وہ قدرتی طور پر ابھرتے ہیں۔ ریڈ یو آپریٹر ز جان بوجھ کر منفرد ہونے کی کوشش نہیں کرتے ہیں۔ وہ صرف منفرد لگتے ہیں، کیونکہ ان کا کچھ حصہ

شخصیت خود بخود اور لاشعوری طور پر مورس کو ڈکلیدوں پر کام کرنے کے طریقے سے خود کو ظاہر کرتی ہے۔ ممٹھی کے بارے میں دوسری بات یہ ہے کہ یہ مورس کو ڈکلیدوں کے سب سے چھوٹے نمونے میں بھی خود کو ظاہر کرتا ہے۔ ہمیں کسی فرد کے نمونے کو منتخب کرنے کے لئے صرف چند کرداروں کو سننا پڑتا ہے۔ یہ تو سعیج کے لئے تبدیل یا غائب نہیں ہوتا ہے یا صرف مخصوص الفاظ یا جملے میں ظاہر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ برطانوی انٹرسپیکٹرز صرف چند دھماکوں کو سن سکتے تھے اور پورے یقین کے ساتھ کہہ سکتے تھے،

"یہ آسکر ہے، جس کا مطلب ہے کہ جی ہاں، ان کا یونٹ اب یقینی طور پر ٹوبر ک سے باہر ہے۔" ایک آپریٹر کی ممٹھی مستخدم ہے۔

گوٹمین جو کہہ رہے ہیں وہ یہ ہے کہ دلوگوں کے درمیان تعلق میں ایک ممٹھی بھی ہوتی ہے: ایک منفرد سختن جو قدرتی طور پر اور خود بخود پیدا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شادی کو اتنی آسانی سے پڑھا اور ڈی کوڈ کیا جاسکتا ہے، کیونکہ انسانی سرگرمی کا کچھ اہم حصہ - چاہے وہ مورس کو ڈپیغام کی طرح آسان ہو یا کسی سے شادی کرنے کی طرح پیچیدہ ہو۔ ایک قابل شاخت اور مستخدم نمونہ رکھتا ہے۔ مورس کو ڈآپریٹرز کو ٹریک کرنے کی طرح طلاق کی پیش گوئی کرنا پیترن کی شاخت ہے۔

گوٹمین نے مزید کہا، "لوگ تعلقات میں دوریاستوں میں سے ایک میں ہیں۔ ان کا کہنا تھا کہ اپہلی چیز جسے میں ثبت جذبات کا نام دیتا ہوں، جہاں ثبت جذبات چڑھا پن پر غالب آجائے ہیں۔ یہ ایک بفر کی طرح ہے۔ ان کا شریک حیات کچھ برآکرے گا، اور وہ کہیں گے، اور وہ صرف ایک غصے کے موڈ میں ہے۔ یا وہ منفی جذبات میں مبتلا ہو سکتے ہیں، تاکہ نسبتاً غیر جانبدار چیز جس کے بارے میں کوئی ساتھی کہتا ہے اسے منفی سمجھا جائے۔ منفی جذبات کی حالت میں لوگ ایک دوسرے کے بارے میں دیرپا نتائج اخذ کرتے ہیں۔ اگر ان کا شریک حیات کچھ ثبت کرتا ہے، تو یہ ایک خود غرض شخص ہے جو ثبت کام کر رہا ہے۔ ان ریاستوں کو تبدیل کرنا واقعی مشکل ہے، اور وہ

ریاستیں اس بات کا تعین کرتی ہیں کہ جب ایک فریق چیزوں کو ٹھیک کرنے کی کوشش کرتا ہے تو دوسرا یہ پارٹی اسے مرمت یاد شمنانہ جوڑ توڑ کے طور پر دیکھتی ہے۔ مثال کے طور پر، میں اپنی بیوی سے بات کر رہا ہوں، اور وہ کہتی ہے، 'کیا آپ خاموش رہیں گے اور مجھے ختم کرنے دیں گے؟' ثابت جذبات کے ساتھ، میں کہتا ہوں، 'معذر، آگے بڑھو۔' میں بہت خوش نہیں ہوں، لیکن میں مرمت کو پہچانتا ہوں۔ منفی جذبات میں، میں کہتا ہوں، 'آپ کے ساتھ جہنم میں، مجھے بھی ختم کرنے کا موقع نہیں مل رہا ہے۔ تم اتنی کتیا ہو، تم مجھے اپنی ماں کی یاد دلاتی ہو۔'

جب وہ بات کر رہے تھے تو گوٹمین نے کاغذ کے ایک ٹکڑے پر ایک گراف کھینچا جو ایک عام دن کے دوران اسٹاک مارکیٹ کے نشیب و فراز کے چارٹ کی طرح لگ رہا تھا۔ وہ بتاتے ہیں کہ وہ جوڑے کے ثابت اور منفی جذبات کی سطح کے نشیب و فراز پر نظر رکھتے ہیں، اور انہوں نے پایا ہے کہ یہ معلوم کرنے میں زیادہ وقت نہیں لگتا کہ گراف پر لائن کس طرف جا رہی ہے۔ "کچھ اوپر جاتے ہیں، کچھ نیچے چلے جاتے ہیں،" وہ کہتے ہیں۔ لیکن ایک بار جب وہ منفی جذبات کی طرف بڑھنا شروع ہو جائیں گے تو 94 فیصد کم ہوتے رہیں گے۔ وہ ایک برے راستے پر شروع کرتے ہیں اور وہ اسے درست نہیں کر سکتے ہیں۔ میں اسے صرف وقت کا ایک ٹکڑا نہیں سمجھتا۔ یہ اس بات کا اشارہ ہے کہ وہ اپنے پورے تعلقات کو کس طرح دیکھتے ہیں۔

3۔ خوارت کی اہمیت آئیے گوٹمین کی کامیابی کی شرح کے راز میں تھوڑی گہرائی میں کھدائی کرتے ہیں۔ گوٹمین نے دریافت کیا ہے کہ شادیوں میں مخصوص دستخط ہوتے ہیں، اور ہم جوڑے کے تعامل سے بہت تفصیلی جذباتی معلومات جمع کر کے اس دستخط کو تلاش کر سکتے ہیں۔ لیکن کچھ اور ہے جو گوٹمین کے نظام کے بارے میں بہت دلچسپ ہے، اور یہ وہ طریقہ ہے جس میں وہ پیشگوئی کے کام کو آسان بنانے کا انتظام کرتا ہے۔ مجھے اس وقت تک احساس نہیں ہوا تھا کہ یہ کتنا بڑا مسئلہ ہے جب تک کہ میں نے خود جوڑوں کو پتلائیا ہے کی کوشش نہیں کی۔ مجھے گوٹ مین کی ایک ٹیپ ملی، جس پر تین منٹ کے دس کلپس تھے جن میں مختلف جوڑوں کی باتیں ہوتی نظر آ

رہی تھیں۔ مجھے بتایا گیا کہ آدھے جوڑے ان کی بات چیت کی فلم بندی کے بعد پندرہ سالوں میں کسی نہ کسی موقع پر الگ ہو گئے تھے۔ آدھے اب بھی ایک ساتھ تھے۔ کیا میں اندازہ لگا سکتا ہوں کہ کون سا تھا؟ مجھے پورا لقین تھا کہ میں کر سکتا ہوں۔ لیکن میں غلط تھا۔ میں اس میں خوفناک تھا۔ میں نے پانچ کا صحیح جواب دیا، جس کا مطلب یہ ہے کہ میں نے ایک سکھ پلٹ کر بھی ایسا ہی کیا ہو گا۔

میری مشکل اس حقیقت سے پیدا ہوئی کہ کلپس مکمل طور پر زبردست تھے۔ شوہر کچھ محتاط ہو کر کہتا تھا۔ بیوی خاموشی سے جواب دے گی۔ اس کے چہرے پر کچھ جذباتی جذبات چمک اٹھیں گے۔ وہ کچھ کہنا شروع کر دیتا اور پھر رک جاتا۔ وہ بوکھلاہٹ کا شکار ہو جائے گی۔ وہ ہنستا تھا۔ کوئی کچھ کہے گا۔ کوئی ناخوش ہو جائے گا۔ میں ٹیپ کوری وائنڈ کروں گا اور اسے دوبارہ دیکھوں گا، اور مجھے مزید معلومات ملیں گی۔ مجھے مسکراہٹ کا تھوڑا سانشان نظر آئے گا، یا میں لبھے میں تھوڑی سی تبدیلی لے لوں گا۔ یہ سب بہت زیادہ تھا۔ میرے ذہن میں، میں ثابت جذبات اور منفی جذبات کے تناسب کا تعین کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن کس چیز کو ثابت سمجھا جاتا ہے اور کس کو منفی شمار کیا جاتا ہے؟ میں سوزن اور بل سے جانتا تھا کہ جو کچھ ثابت لگ رہا تھا وہ اصل میں منفی تھا۔ اور میں یہ بھی جانتا تھا کہ ایس پی اے ایف ایف چارٹ پر کم از کم بیس الگ الگ جذباتی حالتیں نہیں تھیں۔ کیا آپ نے کبھی بیک وقت بیس مختلف جذبات پر نظر رکھنے کی کوشش کی ہے؟ اب، ہاں، میں شادی کا مشیر نہیں ہوں۔ لیکن یہی ٹیپ تقریباً سو ازدواجی معاخذین، ازدواجی محققین، چرداہوں کے مشیروں اور کلینیکل نفسیات کے گریجویٹ طالب علموں کے ساتھ ساتھ نوپایا ہتا جوڑے، وہ لوگ جو حال ہی میں طلاق یافتے تھے، اور وہ لوگ جو طویل عرصے سے خوشی خوشی شادی کر چکے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں، تقریباً دسو لوگ جو شادی کے بارے میں مجھ سے زیادہ جانتے ہیں۔ اور ان میں سے کوئی بھی مجھ سے بہتر نہیں تھا۔ مجموعی طور پر گروپ نے 53.8 فیصد وقت کا اندازہ لگایا، جو اماں سے کہیں زیادہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک نمونہ تھا اس سے زیادہ فرق نہیں پڑا۔ ان تینوں میں اتنی تیزی سے اور بھی بہت سی چیزیں چل رہی تھیں۔

منٹ کہ ہمیں نمونہ نہیں مل سکا۔

تاہم، گوٹمین کو یہ مسئلہ نہیں ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ وہ ایک ریسٹوراں میں رہ سکتے ہیں اور جوڑے کو ایک میز پر بٹھا

سکتے ہیں اور اس بات کا اچھی طرح اندازہ لگا سکتے ہیں کہ آیا انہیں وکیلوں کی خدمات حاصل کرنے اور پچوں کی تحویل کو تقسیم کرنے کے بارے میں سوچنا شروع کرنے کی ضرورت ہے یا نہیں۔ وہ یہ کیسے کرتا ہے؟ اسے پہتے چلا ہے کہ اسے جو کچھ بھی ہوتا ہے اس پر توجہ دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں منفیت گننے کے کام سے مغلوب تھا، کیونکہ جہاں بھی میں نے دیکھا، مجھے منفی جذبات نظر آئے۔ گوٹمین کہیں زیادہ منتخب ہے۔ اس نے پایا ہے کہ وہ صرف چار گھنٹے سواروں پر توجہ مرکوز کر کے بہت کچھ جان سکتا ہے جسے وہ جاننے کی ضرورت ہے: دفاع، پتھراو، تنقید اور حقارت۔ یہاں تک کہ چار گھنٹے سواروں کے اندر بھی، درحقیقت، ایک جذبہ ہے جسے وہ سب سے اہم سمجھتا ہے: حقارت۔ اگر گوٹمین شادی میں ایک یادوں پار ٹنز کو دوسرے کے تیس حقارت کا مظاہرہ کرتے ہوئے دیکھتا ہے، تو وہ اسے اس بات کی واحد سب سے اہم علامت سمجھتا ہے کہ شادی مشکل میں ہے۔

گوٹمین کہتے ہیں کہ 'آپ سوچیں گے کہ تنقید بدترین ہو گی کیونکہ تنقید کسی شخص کے کردار کی عالمی مذمت ہے۔ اس کے باوجود توہین تنقید سے معیار کے لحاظ سے مختلف ہے۔ تنقید کے ساتھ میں اپنی بیوی سے کہہ سکتا ہوں، آپ کبھی نہیں سنتے، آپ واقعی خود غرض اور بے حس ہیں۔ ٹھیک ہے، وہ اس کا دفاعی جواب دینے جا رہا ہے۔ یہ ہمارے مسئلے کو حل کرنے اور بات چیت کے لئے بہت اچھا نہیں ہے۔ لیکن اگر میں اعلیٰ سطح سے بات کروں تو یہ کہیں زیادہ نقصان دہ ہے اور اعلیٰ سطح سے دیا جانے والا کوئی بھی بیان توہین آمیز ہے۔ اکثر اوقات یہ ایک توہین ہے: 'تم ایک کلتیا ہو۔ تم گندے ہو۔' یہ اس شخص کو آپ سے کم سطح پر رکھنے کی کوشش کر رہا ہے۔ یہ درجہ بندی ہے۔"

گوٹ مین نے پایا ہے کہ شادی میں حقارت کی موجودگی ایسی چیزوں کی پیش گوئی بھی کر سکتی ہے جیسے شوہر یا بیوی کو کتنی سردی لگ جاتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں، کسی ایسے شخص کو آپ کے بارے میں نفرت کا اظہار کرنا اتنا دباؤ ہے کہ یہ آپ کے مدافعتی نظام کے کام کو متاثر کرنا شروع کر دیتا ہے۔ "توہین کا نفرت سے گہرا تعلق ہے، اور نفرت اور حقارت کے بارے میں کسی کو مکمل طور پر مسترد کرنا اور معاشرے سے خارج کرنا ہے۔ منفی جذبات کے

ساتھ سب سے بڑا صنفی فرق یہ ہے کہ خواتین زیادہ تنقیدی ہوتی ہیں، اور مردزیادہ امکان رکھتے ہیں۔

پتھر کی دیوار، ہم دیکھتے ہیں کہ عورتیں کسی مسئلے کے بارے میں بات کرنا شروع کر دیتی ہیں، مرد پریشان ہو جاتے ہیں اور منہ موڑ لیتے ہیں، اور عورتیں زیادہ نازک ہو جاتی ہیں، اور یہ ایک دائرة بن جاتا ہے۔ لیکن جب حقارت کی بات آتی ہے تو اس میں کوئی صنفی فرق نہیں ہوتا ہے۔ بالکل بھی نہیں۔ "تو ہین خاص ہے۔ اگر آپ حقارت کی پیمائش کر سکتے ہیں تو اچانک آپ کو جوڑے کے تعلقات کی تفصیل جاننے کی ضرورت نہیں ہے۔

مجھے لگتا ہے کہ یہی وہ طریقہ ہے جس سے ہمارا لاشور کام کرتا ہے۔ جب ہم کسی فیصلے پر چھلانگ لگاتے ہیں یا سوچتے ہیں، تو ہمارا لاشور وہی کر رہا ہوتا ہے جو جان گو ٹمین کرتا ہے۔ یہ ہمارے سامنے کی صورت حال کا جائزہ لے رہا ہے، ان تمام چیزوں کو خارج کر رہا ہے جو غیر متعلقہ ہیں جبکہ ہم اس بات پر غور نہیں کرتے کہ اصل میں کیا اہم ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ہمارا لاشور اس میں واقعی اچھا ہے، اس حد تک کہ باریک کاٹنے سے اکثر سوچنے کے زیادہ دانستہ اور جامع طریقوں سے بہتر جواب ملتا ہے۔

4. بیڈروم کے راز تصور کریں کہ آپ مجھے نوکری کے لئے غور کر رہے ہیں۔ آپ نے میرا زد دیکھا ہے اور سوچتے ہیں کہ میرے پاس ضروری اسناد ہیں۔ لیکن آپ جانا چاہتے ہیں کہ کیا میں آپ کی تنظیم کے لئے صحیح ہوں۔ کیا میں محنتی ہوں؟ کیا میں ایماندار ہوں؟ کیا میں نئے خیالات کے لئے کھلا ہوں؟ میری شخصیت کے بارے میں ان سوالات کا جواب دینے کے لئے، آپ کا باس آپ کو دو اختیارات دیتا ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ ہفتے میں دوبار مجھ سے ایک سال کے لیے ملاقات کروں، دوپھر کا کھانا یا رات کا کھانا کھاؤں یا میرے ساتھ کسی فلم میں جاؤں، یہاں تک کہ آپ میرے قربی دوستوں میں سے ایک بن جائیں۔ (آپ کا باس کافی مطالبہ کر رہا ہے)۔ دوسرا آپشن یہ ہے کہ جب میں وہاں نہیں ہوں تو اپنے گھر کے پاس جاؤں اور آدھا گھنٹہ اردو گرد دیکھنے میں گزاروں۔ آپ کس کا انتخاب کریں گے؟

بظاہر واضح جواب یہ ہے کہ آپ کو پہلا آپشن لینا چاہئے: موٹا ٹکڑا۔ آپ میرے ساتھ جتنا زیادہ وقت گزارتے ہیں

اور جتنی زیادہ معلومات جمع کرتے ہیں، آپ کی حالت اتنی ہی بہتر ہوتی ہے۔ دائیں؟ مجھے امید ہے کہ اب تک آپ کم از کم اس نقطہ نظر کے بارے میں تھوڑا سا شکوک و شبہات کا شکار ہوں گے۔ یقینی طور پر، جیسا کہ ماہر نفسیات سیموئل گوسلنگ نے دکھایا ہے، لوگوں کی شخصیت کا اندازہ لگانا واقعی ایک اچھی مثال ہے کہ تپلی کاٹنا حیرت انگیز طور پر کتنا موثر ہو سکتا ہے۔

گوسلنگ نے اپنے تجربے کا آغاز کانج کے 80 طالب علموں پر پر سنبلی درک اپ کر کے کیا۔ اس کے لیے انہوں نے بگ فائیو انوینٹری نامی ایک انہتائی قابل احترام، کثیر آئندہ سوالنامہ استعمال کیا جو لوگوں کو پانچ جہتوں میں پیمائش کرتا ہے:

1. ماورائے عدالت۔ کیا آپ ملنسار ہیں یا ریٹائر ہو رہے ہیں؟ تفریح سے محبت کرنے والا یا محفوظ؟

2. رضامندی۔ کیا آپ قابل اعتماد ہیں یا مشکوک ہیں؟ مددگار یا غیر تعاوون؟ 3. ایمانداری۔ کیا آپ منظم یا غیر منظم ہیں؟ خود نظم و ضبط یا کمزور ارادے کے حامل؟ 4. جذباتی استحکام۔ کیا آپ پریشان ہیں یا پرسکون ہیں؟ غیر محفوظ یا محفوظ؟ 5. نئے تجربات کے لئے کھلا پن۔ کیا آپ تصوراتی ہیں یا زمین سے نیچے؟ آزاد یا مطابقت رکھتے ہیں؟ اس کے بعد گوسلنگ نے ان 80 طالب علموں کے قریبی دوستوں کو ایک ہی سوالنامہ پر کیا۔

جب ہمارے دوست ہمیں بگ فائیو میں شامل کرتے ہیں، تو گوسلنگ جاننا چاہتے تھے کہ وہ سچائی تک کتنے قریب پہنچتے ہیں؟ جواب، حیرت کی بات نہیں ہے، کہ ہمارے دوست ہمیں کافی درست طریقے سے بیان کر سکتے ہیں۔ ان کے پاس ہمارے ساتھ تجربے کا ایک موٹا ٹکڑا ہے، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم کون ہیں۔ پھر گوسلنگ نے اس عمل کو دھرا یا، لیکن اس بار اس نے قریبی دوستوں کو فون نہیں کیا۔ انہوں نے مکمل طور پر اجنبیوں کا استعمال کیا جو کبھی ان طالب علموں سے بھی نہیں ملے تھے جن کا وہ فیصلہ کر رہے تھے۔ انہوں نے صرف ان کے کمرے دیکھے۔ انہوں نے اپنے ریٹریٹ کو کلب بورڈ دیے اور انہیں بتایا کہ ان کے پاس کمرے میں رہنے والے کے بارے

میں بہت ہی بنیادی سوالات کے جوابات دینے کے لئے پندرہ منٹ ہیں: 1 سے 5 کے پیانے پر، کیا اس کمرے کا رہائشی اس قسم کا شخص لگتا ہے جو بات چیت کرتا ہے؟ دوسروں کی غلطی تلاش کرنا چاہتے ہیں؟ کیا ایک مکمل کام ہے؟ اصل ہے؟ محفوظ ہے؟ کیا آپ دوسروں کے ساتھ مددگار اور بے غرض ہیں؟ اور اسی طرح۔ گو سنگ کا کہنا ہے کہ "میں روزمرہ کے تاثرات کا مطالعہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔" تو میں کافی تھا

محتاط رہیں کہ میں اپنی رعایا کو یہ نہ بتاؤں کہ کیا کرنا ہے۔ میں نے صرف اتنا کہا، 'یہ آپ کا سوالنامہ ہے۔ کمرے میں جاؤ اور اسے اندر پیو۔' میں صرف بدیہی فیصلے کے عمل کو دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

انہوں نے کیا کیا؟ ہائل روم کے مبصرین غیر جانبداری کی پیمائش کرنے میں دوستوں کی طرح اچھے نہیں تھے۔ اگر آپ جاننا چاہتے ہیں کہ کوئی شخص کتنا متھر ک اور بات چیت کرنے والا ہے تو، واضح طور پر، آپ کو اس سے ذاتی طور پر ملنا ہو گا۔ دوستوں نے رضامندی کا درست اندازہ لگانے میں کمرے کے مہمانوں کے مقابلے میں تھوڑا سا بہتر کام کیا۔ کسی کو کتنا مدد گار اور بھروسہ ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ یہ بھی سمجھ میں آتا ہے۔ لیکن بگ فائیو کی بقیہ تین خصوصیات پر کلپ بورڈ کے ساتھ اجنبی سب سے اوپر آگئے۔ وہ ایمانداری کی پیمائش کرنے میں زیادہ درست تھے، اور وہ طلباء کے جذباتی استحکام اور نئے تجربات کے لئے ان کے کھلے پن دونوں کی پیش گوئی کرنے میں زیادہ درست تھے۔ توازن پر، پھر، اجنبیوں نے بہت بہتر کام کیا۔ اس سے پہلے چلتا ہے کہ جو لوگ ہم سے کبھی نہیں ملے ہیں اور جنہوں نے ہمارے بارے میں سوچنے میں صرف بیس منٹ گزارے ہیں ان کے لئے یہ ممکن ہے کہ وہ ان لوگوں کے مقابلے میں بہتر تفہیم حاصل کریں جو ہمیں سالوں سے جانتے ہیں۔ پھر لامتناہی "جاننے" والی ملاقاتوں اور دوپھر کے کھانے کو بھول جاؤ۔ اگر آپ ایک اچھا خیال حاصل کرنا چاہتے ہیں کہ آیا میں ایک اچھا ملازم بنوں گا، تو ایک دن میرے گھر کے پاس جائیں اور ارد گرد ایک نظر ڈالیں۔

اگر آپ زیادہ تر لوگوں کی طرح ہیں تو، میں تصور کرتا ہوں کہ آپ کو گوسلنگ کے نتائج کافی ناقابل یقین لگتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ نہیں ہونا چاہئے، جان گوٹمین کے سبق کے بعد نہیں۔ یہ پتلی کاٹنے کی صرف ایک اور مثال ہے۔ مبصرین طالب علموں کے سب سے زیادہ ذاتی سامان کو دیکھ رہے تھے، اور ہمارے ذاتی سامان میں بہت ساری معلومات موجود تھیں۔ مثال کے طور پر گوسلنگ کا کہنا ہے کہ کسی شخص کا بیڈ روم اس کی شخصیت کے بارے میں تین طرح کے اشارے دیتا ہے۔ سب سے پہلے، شناخت کے دعوے ہیں، جو اس بارے میں جان بوجھ

کراطہار ہیں کہ ہم دنیا کو کس طرح دیکھنا چاہتے ہیں: مثال کے طور پر ہارورڈ سے میگنا کم لاوڈ ڈگری کی ایک فریم شدہ کاپی۔ اس کے بعد طرز عمل کی باتیات ہیں، جس کی تعریف ان نادانستہ اشارے کے طور پر کی جاتی ہے جو ہم پچھے چھوڑ جاتے ہیں: مثال کے طور پر فرش پر گند اکپٹرے دھونا، یا حروف تہجی کے مطابق سی ڈی مجموعہ۔ آخر میں، خیالات اور احساسات کے ریگولیٹر موجود ہیں، جو ہم اپنی سب سے زیادہ ذاتی جگہوں میں تبدیلیاں کرتے ہیں تاکہ جب ہم ان میں رہتے ہیں تو ہم کس طرح محسوس کرتے ہیں: مثال کے طور پر کونے میں ایک خوشبودار موم ہتی، یا بستر پر آرٹ سے رکھے گئے آرائشی تکیے کا ڈھیر۔ اگر آپ دیوار پر حروف تہجی والی سی ڈیز، ہارورڈ ڈپلومہ، سائیڈ ٹیبل پر دھوپ اور کپٹرے دھونے کو اچھی طرح سے ہیمپر میں رکھے ہوئے دیکھتے ہیں، تو آپ اس شخص کی شخصیت کے بارے میں کچھ پہلوؤں کو فوری طور پر جانتے ہیں، اس طرح سے کہ آپ اس کے ساتھ براہ راست وقت گزارنے کے قابل نہیں ہو سکتے ہیں۔ کوئی بھی جس نے کبھی کسی نئی گرل فرینڈ یا بوابے فرینڈ کی کتابوں کی الماریوں کو اسکین کیا ہو یا اس کی میڈیسین کیبنٹ کے اندر جھانکا ہو، وہ اس بات کو بخوبی سمجھتا ہے: آپ بخوبی جگہ پر ایک نظر سے زیادہ یا زیادہ سے زیادہ سیکھ سکتے ہیں۔

تاہم، اتنا ہی اہم وہ معلومات ہے جو آپ کے پاس نہیں ہے جب آپ کسی کے سامان کو دیکھتے ہیں۔ جب آپ کسی سے آمنے سامنے نہیں ملتے ہیں تو آپ جس چیز سے بچتے ہیں وہ تمام الجھن اور پچیدہ اور بالآخر غیر متعلقہ معلومات ہیں جو آپ کے فیصلے کو خراب کرنے کا کام کر سکتے ہیں۔ ہم میں سے زیادہ تر کو یہ یقین کرنے میں دشواری ہوتی ہے کہ 275 پاؤنڈ کا فٹ بال لائے میں ایک جاندار اور سمجھدار ذہانت کا حامل ہو سکتا ہے۔ ہم گونگے جو کے دقیانوں سی تصور سے باہر نہیں نکل سکتے۔ لیکن اگر ہم نے اس شخص کے بارے میں صرف اس کی کتاب کی شیف یا اس کی دیواروں پر آرٹ دیکھا، تو ہمیں یہ مسئلہ نہیں ہو گا۔

لوگ اپنے بارے میں جو کچھ کہتے ہیں وہ بھی بہت الجھن کا شکار ہو سکتا ہے، اس کی سادہ سی وجہ یہ ہے کہ ہم میں سے زیادہ تر اپنے بارے میں بہت زیادہ معروضی نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب ہم شخصیت کی پیمائش کرتے ہیں تو ہم

لوگوں سے صرف یہ نہیں پوچھتے کہ وہ کس طرح کے ہیں۔ ہم انہیں ایک سوالنامہ دیتے ہیں، جیسے

بگ فائیو انوینٹری، احتیاط سے بیان کردہ جوابات حاصل کرنے کے لئے ڈیزائن کیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گوٹمین شوہروں اور بیویوں سے بات پوچھنے میں کوئی وقت ضائع نہیں کرتا۔

ان کی شادی کی حالت کے بارے میں خالی سوالات۔ وہ جھوٹ بول سکتے ہیں یا عجیب محسوس کر سکتے ہیں یا، زیادہ اہم بات یہ ہے کہ وہ سچ نہیں جانتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے رشتے میں اتنی گھری یا اتنی خوشی سے پہنسے ہوں کہ ان کے پاس اس بارے میں کوئی نقطہ نظر نہ ہو کہ یہ کیسے کام کرتا ہے۔ سیبل کیریز کا کہنا ہے کہ 'جوڑے اس بات سے واقف نہیں ہوتے کہ وہ کیسے آواز دیتے ہیں۔' ان کے پاس یہ بحث ہوتی ہے، جسے ہم ویڈیو بناتے ہیں اور پھر ان کی طرف پلٹتے ہیں۔ حال ہی میں کیے گئے ایک مطالعے میں، ہم نے جوڑوں کا انٹرویو کیا کہ انہوں نے مطالعہ سے کیا سیکھا، اور ان میں سے ایک قابل ذکر تعداد۔ میں کہوں گا۔ ان میں سے اکثریت نے کہا کہ وہ یہ جان کر جیران تھے کہ وہ تنازعہ کی بحث کے دوران کس طرح نظر آتے ہیں یا تنازعہ کی بحث کے دوران انہوں نے کیا بات چیت کی۔ ہمارے پاس ایک خاتون تھی جسے ہم انتہائی جذباتی سمجھتے تھے، لیکن اس نے کہا کہ اسے اندازہ نہیں تھا کہ وہ اتنی جذباتی ہے۔ اس نے کہا کہ اس نے سوچا کہ وہ خاموش ہے اور اس نے کچھ بھی نہیں دیا۔ بہت سے لوگ ایسے ہیں۔ وہ سوچتے ہیں کہ وہ اصل میں ان سے کہیں زیادہ آنے والے ہیں، یا اصل میں ان سے کہیں زیادہ منفی ہیں۔ جب وہ ٹیپ دیکھ رہے تھے تو انہیں احساس ہوا کہ وہ جوابات کر رہے تھے اس کے بارے میں وہ غلط تھے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے رشتے میں اتنی گھری یا اتنی خوشی سے پہنسے ہوں کہ ان کے پاس اس بارے میں کوئی نقطہ نظر نہ ہو کہ یہ کیسے کام کرتا ہے۔ سیبل کیریز کا کہنا ہے کہ 'جوڑے اس بات سے واقف نہیں ہوتے کہ وہ کیسے آواز دیتے ہیں۔' ان کے پاس یہ بحث ہوتی ہے، جسے ہم ویڈیو بناتے ہیں اور پھر ان کی طرف پلٹتے ہیں۔ حال ہی میں کیے گئے ایک مطالعے میں، ہم نے جوڑوں کا انٹرویو کیا کہ انہوں نے مطالعہ سے کیا سیکھا، اور ان میں سے ایک قابل ذکر تعداد۔ میں کہوں گا۔ ان میں سے اکثریت نے کہا کہ وہ یہ جان کر جیران تھے کہ وہ تنازعہ کی بحث کے دوران

کس طرح نظر آتے ہیں یا تنازع کی بحث کے دوران انہوں نے کیا بات چیت کی۔ ہمارے پاس ایک خاتون تھی جسے ہم انتہائی جذباتی سمجھتے تھے، لیکن اس نے کہا کہ اسے اندازہ نہیں تھا کہ وہ اتنی جذباتی ہے۔ اس نے کہا کہ اس نے سوچا کہ وہ خاموش ہے اور اس نے کچھ بھی نہیں دیا۔ بہت سے لوگ ایسے ہیں۔ وہ سوچتے ہیں کہ وہ اصل میں ان سے کہیں زیادہ آنے والے ہیں، یا اصل میں ان سے کہیں زیادہ منفی ہیں۔ جب وہ ٹیپ دیکھ رہے تھے تو انہیں احساس ہوا کہ وہ جوبات چیت کر رہے تھے اس کے بارے میں وہ غلط تھے۔

اگر جوڑے اس بات سے واقف نہیں ہیں کہ وہ کیسے بولتے ہیں، تو ان سے براہ راست سوالات پوچھنے میں کتنی اہمیت ہو سکتی ہے؟ زیادہ نہیں، اور یہی وجہ ہے کہ گوٹمین نے جوڑوں کو اپنی شادی کے بارے میں بات کی ہے۔ جیسے ان کے پالتو جانور۔ ان کی شادی کے بارے میں ہونے کے بغیر۔ وہ جوڑے کے کام کرنے کے باالواسطہ اقدامات کو قریب سے دیکھتے ہیں: جذبات کے وہ نشانات جو ایک شخص کے چہرے پر گھومتے ہیں۔ ہتھیلی کے پسینے کے غدوں میں تناو کا اشارہ اٹھتا ہے۔ دل کی دھڑکن میں اچانک اضافہ۔ ایک لطیف لہجہ جو تبادلے میں بدل جاتا ہے۔ گوٹمین اس مسئلے پر بات کرتے ہیں، جو، انہوں نے پایا ہے، سچائی تک پہنچنے کے مقابلے میں کہیں زیادہ تیز اور زیادہ موثر راستہ ہو سکتا ہے۔

کمروں کے وہ مبصرین جو کچھ کر رہے تھے وہ جان گوٹمین کے تجزیے کا ایک عام آدمی کا ورثن تھا۔ وہ کالج کے ان طالب علموں کی "مٹھی" کی تلاش میں تھے۔ انہوں نے اپنے آپ کو چیزیں پینے اور اس شخص کے بارے میں گمان حاصل کرنے کے لئے پندرہ منٹ کا وقت دیا۔ وہ طالب علموں کے کمروں کے بالواسطہ شواہد کا استعمال کرتے ہوئے سوالات کی طرف آئے، اور ان کے فیصلہ سازی کے عمل کو آسان بنادیا گیا: وہ اس طرح کی الجھن، غیر متعلقہ معلومات سے بالکل بھی پریشان نہیں تھے جو آمنے سامنے ہونے والی ملاقات سے آتی ہیں۔ وہ پہلے کئے ہوئے ہیں۔ اور کیا ہوا؟ گوٹ مین کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا: کلب بورڈ والے لوگ پیشگوئی کرنے میں واقعی اچھے

تھے۔

5۔ ڈاکٹروں کی بات سنتے ہوئے آئیے پتلے کاٹنے کے تصور کو ایک قدم آگے بڑھاتے ہیں۔ تصور کریں کہ آپ ایک ان سورنس کمپنی کے لئے کام کرتے ہیں جو ڈاکٹروں کو طبی بدنظری سے تحفظ فراہم کرتی ہے۔ آپ کا باس آپ سے پوچھتا ہے

اکاؤنٹنگ وجہات کی بناء پر یہ معلوم کرنا کہ کمپنی کے زیر انتظام تمام ڈاکٹروں میں سے کس کے خلاف مقدمہ دائر کیے جانے کا زیادہ امکان ہے۔ ایک بار پھر، آپ کو دو اختیارات دیئے جاتے ہیں۔ سب سے پہلے ڈاکٹروں کی تربیت اور اسناد کی جانچ پڑتاں کی جائے اور پھر ان کے ریکارڈ کا تجزیہ کیا جائے کہ انہوں نے گزشتہ چند سالوں میں کتنی غلطیاں کی ہیں۔ دوسرا آپشن یہ ہے کہ ہر ڈاکٹر اور اس کے مريضوں کے درمیان بات چیت کے بہت مختصر ٹکڑوں کو سنایا جائے۔

اب تک آپ مجھ سے توقع کر رہے ہیں کہ دوسرا آپشن بہترین ہے۔ آپ صحیح کہہ رہے ہیں، اور یہاں کیوں ہے۔ مانیں یا نہ مانیں، بدانتظامی کے لئے مقدمہ دائر کیے جانے کے خطرے کا اس بات سے بہت کم تعلق ہے کہ ایک ڈاکٹر کتنی غلطیاں کرتا ہے۔ بدانتظامی کے مقدمات کے تجزیے سے پتہ چلتا ہے کہ ایسے انتہائی ہنرمند ڈاکٹر ہیں جن پر بہت زیادہ مقدمہ چلا یا جاتا ہے اور ایسے ڈاکٹر ہیں جو بہت ساری غلطیاں کرتے ہیں اور کبھی مقدمہ نہیں چلاتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ڈاکٹر کی لاپرواہی کی وجہ سے زخمی ہونے والے لوگوں کی بڑی تعداد کبھی بھی بدانتظامی کا مقدمہ دائر نہیں کرتی۔ دوسرے لفظوں میں، مريض مقدمہ دائر نہیں کرتے ہیں کیونکہ انہیں ناقص طبی دیکھ بھال سے نقصان پہنچا ہے۔ مريض مقدمہ دائر کرتے ہیں کیونکہ انہیں ناقص طبی دیکھ بھال سے نقصان پہنچا ہے اور ان کے ساتھ کچھ اور ہوتا ہے۔

یہ کچھ اور کیا ہے؟ ان کے ڈاکٹر نے ذاتی سطح پر ان کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا۔ بدانتظامی کے معاملات میں بار بار جوبات سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ مريضوں کا کہنا ہے کہ انہیں جلدی میں یا نظر انداز کیا گیا تھا یا خراب علاج کیا گیا تھا۔ طبی شعبے سے متعلق معروف و کیل ایس برکن کا کہنا ہے کہ "لوگ اپنی پسند کے ڈاکٹروں پر مقدمہ نہیں کرتے۔" میں نے اس کاروبار میں جتنے سالوں تک کام کیا ہے، میں نے کبھی بھی کسی ممکنہ کلائنٹ کو یہ کہتے ہوئے نہیں دیکھا، میں واقعی اس ڈاکٹر کو پسند کرتا ہوں، اور مجھے ایسا کرنے کے بارے میں خوفناک محسوس ہوتا ہے،

لیکن میں اس پر مقدمہ کرنا چاہتا ہوں۔ ہمارے پاس لوگ یہ کہتے ہوئے آئے ہیں کہ وہ کسی ماہر پر مقدمہ کرنا چاہتے ہیں، اور ہم کہیں گے، ہمیں نہیں لگتا کہ اس ڈاکٹر نے لاپرواہی کی تھی۔ ہمیں لگتا ہے کہ یہ آپ کا پر انحری کیسر ڈاکٹر ہے جس کی غلطی تھی۔ اور کلاسٹ کہے گا، مجھے پرواہ نہیں ہے کہ اس نے کیا کیا۔ میں اس سے محبت کرتا ہوں، اور میں اس پر مقدمہ نہیں کر رہا ہوں۔"

برکن کے پاس ایک بار ایک کلاسٹ تھا جس کو چھاتی کا ٹیو مر تھا جسے اس وقت تک نہیں دیکھا گیا تھا جب تک کہ اس کا میٹاٹا نہیں ہو گیا تھا، اور وہ تاخیر سے تشخیص کے لئے اپنے انٹرنست پر مقدمہ کرنا چاہتی تھی۔ درحقیقت، یہ اس کا ریڈیوجسٹ تھا جو ممکنہ طور پر قصور وار تھا۔ لیکن کلاسٹ بصدق تھا۔ وہ انٹرنست پر مقدمہ کرنا چاہتی تھی۔ "ہماری پہلی ملاقات میں، اس نے مجھے بتایا کہ وہ اس سے نفرت کرتی ہے۔

ڈاکٹر کیونکہ اس نے کبھی اس سے بات کرنے کا وقت نہیں لیا اور نہ ہی اس کی دیگر علامات کے بارے میں پوچھا۔ مریض نے ہمیں بتایا کہ "اس نے مجھے کبھی بھی ایک مکمل شخص کے طور پر نہیں دیکھا۔

جب کسی مریض کا طبی نتیجہ خراب ہوتا ہے، تو ڈاکٹر کو وقت نکالنا پڑتا ہے کہ کیا ہوا، اور مریض کے سوالات کا جواب دینے کے لئے۔ اس کے ساتھ ایک انسان کی طرح سلوک کرنا۔ جو ڈاکٹر ایسا نہیں کرتے وہ وہی ہیں جن پر مقدمہ چلا یا جاتا ہے۔ لہذا، یہ جاننے کی ضرورت نہیں ہے کہ ایک سر جن کس طرح کام کرتا ہے تاکہ اس کے مقدمے کے امکانات کو جان سکے۔ آپ کو اس ڈاکٹر اور اس کے مریضوں کے درمیان تعلق کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ برکن نے کہا۔ مریض نے ہمیں بتایا کہ "اس نے کبھی بھی مجھے ایک مکمل شخص کے طور پر نہیں دیکھا۔ جب کسی مریض کا طبی نتیجہ خراب ہوتا ہے، تو ڈاکٹر

جو کچھ ہوا اس کی وضاحت کرنے کے لئے وقت نکالنا، اور مریض کے سوالات کا جواب دینا۔ اس کے ساتھ ایک انسان کی طرح سلوک کرنا۔ جو ڈاکٹر ایسا نہیں کرتے وہ وہی ہیں جن پر مقدمہ چلا یا جاتا ہے۔ لہذا، یہ جاننے کی ضرورت نہیں ہے کہ ایک سر جن کس طرح کام کرتا ہے تاکہ اس کے مقدمے کے امکانات کو جان سکے۔ آپ کو

اس ڈاکٹر اور اس کے مريضوں کے درمیان تعلق کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔

حال ہی میں طبی محقق وینڈی لیونسن نے ڈاکٹروں کے ایک گروپ اور ان کے مريضوں کے درمیان سینکڑوں گفتگو ریکارڈ کی۔ تقریباً آدھے ڈاکٹروں پر کبھی مقدمہ نہیں چلا�ا گیا تھا۔ دوسرے آدھے پر کم از کم دوبار مقدمہ دائر کیا گیا تھا، اور لیونسن نے پایا کہ صرف ان بات چیت کی بنیاد پر، وہ دونوں گروہوں کے مابین واضح اختلافات تلاش کر سکتی ہے۔ جن سرجنوں پر کبھی مقدمہ نہیں چلا�ا گیا تھا انہوں نے ہر مريض کے ساتھ تین منٹ سے زیادہ وقت گزارا جن پر مقدمہ دائر کیا گیا تھا (18.3 منٹ بمقابلہ 15 منٹ)۔ وہ "اورینٹنگ" بنانے کا زیادہ امکان رکھتے تھے۔

تبصرے، جیسے "پہلے میں آپ کا معاشرہ کروں گا، اور پھر ہم مسئلے پر بات کریں گے" یا "میں آپ کے سوالات کے لئے وقت چھوڑ دوں گا"۔ جو مریضوں کو یہ سمجھنے میں مدد کرتے ہیں کہ دورہ کیا حاصل کرنا چاہئے اور انہیں کب سوال پوچھنا چاہئے۔ وہ فعال طور پر سننے میں مشغول ہونے کا زیادہ امکان رکھتے تھے، اس طرح کی باتیں کہتے تھے جیسے "چلو، مجھے اس کے بارے میں مزید بتائیں" اور وہ دورے کے دوران ہنسنے اور مضجعہ خیز ہونے کا زیادہ امکان رکھتے تھے۔ ولچسپ بات یہ ہے کہ انہوں نے اپنے مریضوں کو دی گئی معلومات کی مقدار یا معیار میں کوئی فرق نہیں تھا۔ انہوں نےدوا یا مریض کی حالت کے بارے میں مزید تفصیلات فراہم نہیں کیں۔ فرق مکمل طور پر اس بات میں تھا کہ وہ اپنے مریضوں سے کس طرح بات کرتے تھے۔

درحقیقت اس تجزیے کو مزید آگے لے جانا ممکن ہے۔ ماہر نفسیات نلنی امباڈی نے یونسن کی ٹیپس کو سنا اور صرف سرجنوں اور ان کے مریضوں کے درمیان ریکارڈ کی جانے والی بات چیت کا جائزہ لیا۔ ہر سرجن کے لئے، اس نے دو مریضوں کی بات چیت کا انتخاب کیا۔ پھر، ہر گفتگو سے، اس نے ڈاکٹر کی بات چیت کے دو دس سینڈ کے ٹیپس کا انتخاب کیا، لہذا اس کا ٹکڑا کل چالیس سینڈ کا تھا۔ آخر میں، اس نے ٹکڑوں کو "مطمئن" کیا، جس کا مطلب ہے کہ اس نے تقریر سے ہائی فریکوئنسی آوازوں کو ہٹا دیا جو ہمیں انفرادی الفاظ کو پہچاننے کے قابل بنا تا ہے۔ مواد کو فلٹر کرنے کے بعد جو باقی رہ جاتا ہے وہ ایک قسم کا گاربل ہے جو انٹو نیشن، پچ اور تال کو محفوظ رکھتا ہے لیکن مواد کو مٹا دیتا ہے۔ اس ٹکڑے اور اس ٹکڑے کو اکیلے استعمال کرتے ہوئے امباڈی نے گوٹ میں طرز کا تجزیہ کیا۔ ان کے پاس جھوں کی جانب سے گرم جوشی، عداوت، غلبہ اور بے چینی جیسی خصوصیات کی درجہ بندی کی گئی تھی اور انہوں نے پایا کہ صرف ان درجہ بندیوں کا استعمال کرتے ہوئے، وہ پیش گوئی کر سکتی ہیں کہ کن سرجنوں پر مقدمہ چلا یا گیا اور کون سے نہیں۔

امباڈی کہتی ہیں کہ وہ اور ان کے ساتھی "نتائج سے مکمل طور پر دنگ رہ گئے" اور یہ سمجھنا مشکل نہیں ہے کہ ایسا

کیوں ہوا۔ جھوٹ کو سرجنوں کی مہارت کی سطح کے بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ وہ کتنے تجربہ کار ہیں، ان کے پاس کس طرح کی تربیت ہے، یا وہ کس طرح کے طریقہ کار کرتے ہیں۔ وہ یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ ڈاکٹران کے مریضوں سے کیا کہہ رہے ہیں۔ وہ اپنی پیشگوئی کے لیے صرف سرجن کی آواز کے لمحے کا تجزیہ کر رہے تھے۔ درحقیقت، یہ اس سے بھی زیادہ بنیادی تھا: اگر سرجن کی آواز کو غالب سمجھا جاتا ہے، تو سرجن مقدمہ کرنے والے گروپ میں ہوتا ہے۔ اگر آواز کم غالب اور زیادہ فکر مند لگتی ہے، تو سرجن غیر قانونی گروپ میں ہوتا ہے۔ کیا کوئی پتلا ٹکڑا ہو سکتا ہے؟ بدانتظامی ان لا محدود پیچیدہ اور کثیر الجھتی مسائل میں سے ایک کی طرح لگتا ہے۔ لیکن آخر میں یہ احترام کا معاملہ بن جاتا ہے، اور احترام کے اظہار کا سب سے آسان طریقہ آواز کے لمحے کے ذریعے ہوتا ہے، اور آواز کا سب سے نقصان دہ لمحہ جسے ایک ڈاکٹر سمجھ سکتا ہے وہ غالب لمحہ ہے۔ کیا امباڈی کو اس لمحے کو لینے کے لئے کسی مریض اور ڈاکٹر کی پوری تاریخ کا نمونہ لینے کی ضرورت تھی؟ نہیں، کیونکہ طبی مشاورت گوٹمین کے تنازعات کی بحث یا طالب علم کے کمرے کی طرح ہے۔ یہ ان حالات میں سے ایک ہے جہاں دستخط اوپنجی آواز اور واضح طور پر آتے ہیں۔

اگلی بار جب آپ کسی ڈاکٹر سے ملتے ہیں، اور آپ اس کے دفتر میں بیٹھ جاتے ہیں اور وہ بات کرنا شروع کر دیتا ہے، اگر آپ کو احساس ہے کہ وہ آپ کی بات نہیں سن رہا ہے، وہ آپ سے بات کر رہا ہے، اور یہ کہ وہ آپ کے ساتھ احترام کے ساتھ سلوک نہیں کر رہا ہے، تو اس احساس کو سنیں۔ تم نے اسے پتلا کر دیا ہے اور اسے چاہنے والا پایا ہے۔

6. نظر کی طاقت پتلی کاٹنا کوئی غیر معمولی تھفہ نہیں ہے۔ یہ انسان ہونے کے معنی کا ایک مرکزی حصہ ہے۔ جب بھی ہم کسی نئے شخص سے ملتے ہیں یا کسی چیز کو تیزی سے سمجھنا پڑتا ہے یا کسی نئی صورت حال کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو ہم اس کا باریک بنی سے جائزہ لیتے ہیں۔ ہم اس صلاحیت پر انحصار کرتے ہیں کیونکہ وہاں بہت سی پوشیدہ مٹھیاں موجود ہیں، بہت سے ایسے حالات ہیں جہاں ایک یادو سینٹر سے زیادہ کے لئے بھی بہت باریک ٹکڑے کی تفصیلات

پر محتاط توجہ ہمیں بہت کچھ بتا سکتی ہے۔

مثال کے طور پر، یہ حرمت انگریز ہے کہ کتنے مختلف پیشیوں اور مضامین میں ایک لفظ ہے۔

تجربے کے تنگ ترین پہلوؤں میں گھرائی سے پڑھنے کے خاص تخفے کی وضاحت کریں۔ باسکٹ بال میں، وہ کھلاڑی جو اپنے ارد گرد ہونے والے تمام واقعات کو سمجھ سکتا ہے اور اسے سمجھ سکتا ہے، کہا جاتا ہے کہ وہ "کورٹ سینس" رکھتا ہے۔ فوج میں، ذہین جرنیلوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ "بغافت" کے مالک ہیں۔ جس کا فرانسیسی سے ترجمہ کیا گیا ہے، جس کا مطلب ہے "نظر کی طاقت": میدان جنگ کو فوری طور پر دیکھنے اور سمجھنے کی صلاحیت۔ نپولین نے بغاوت کی تھی۔ پیئن نے بھی ایسا ہی کیا۔ آرنیتھو لو جست ڈیوڈ سبلی کا کہنا ہے کہ کیپ میں، نیو جرسی میں انہوں نے ایک بار دوسو گز دور سے پرواز میں ایک پرندے کو دیکھا اور فوری طور پر معلوم ہو گیا کہ یہ ایک نایاب سینڈ پاپر ہے۔ اس سے پہلے اس نے پرواز میں کبھی خخبر نہیں دیکھا تھا۔ اور نہ ہی یہ لمحہ اتنا مبارکہ کہ وہ محتاط شناخت کر سکے۔ لیکن وہ پرندوں پر نظر رکھنے والے پرندوں کے "گس" یعنی اس کے جوہر کو پکڑنے میں کامیاب رہے اور یہی کافی تھا۔ تجربے کے تنگ ترین پہلوؤں میں گھرائی سے پڑھنے کا خاص تخفے۔ باسکٹ بال میں، وہ کھلاڑی جو اپنے ارد گرد ہونے والے تمام واقعات کو سمجھ سکتا ہے اور اسے سمجھ سکتا ہے، کہا جاتا ہے کہ وہ "کورٹ سینس" رکھتا ہے۔ فوج میں، ذہین جرنیلوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ "بغافت" کے مالک ہیں۔ جس کا فرانسیسی سے ترجمہ کیا گیا ہے، جس کا مطلب ہے "نظر کی طاقت": میدان جنگ کو فوری طور پر دیکھنے اور سمجھنے کی صلاحیت۔ نپولین نے بغاوت کی تھی۔ پیئن نے بھی ایسا ہی کیا۔ آرنیتھو لو جست ڈیوڈ سبلی کا کہنا ہے کہ کیپ میں، نیو جرسی میں انہوں نے ایک بار دوسو گز دور سے پرواز میں ایک پرندے کو دیکھا اور فوری طور پر معلوم ہو گیا کہ یہ ایک نایاب سینڈ پاپر ہے۔ اس سے پہلے اس نے پرواز میں کبھی خخبر نہیں دیکھا تھا۔ اور نہ ہی یہ لمحہ اتنا مبارکہ کہ وہ محتاط شناخت کر سکے۔ لیکن وہ پرندوں پر نظر رکھنے والے پرندوں کے "گس" یعنی اس کے جوہر کو پکڑنے میں کامیاب رہے اور یہی کافی تھا۔

سبلی کا کہنا ہے کہ 'پرندوں کی زیادہ تر شناخت ایک طرح کے شخصی تاثر پر مبنی ہوتی ہے، جس طرح ایک پرندہ

حرکت کرتا ہے اور مختلف زاویوں اور مختلف ظاہری شکلوں کے سلسلے میں تھوڑا سافوری ظاہر ہوتا ہے، اور جیسے ہی وہ اپنا سر موڑتا ہے اور اڑتا ہے اور جیسے ہی گھومتا ہے، آپ کو مختلف شکلوں اور زاویوں کے سلسلے نظر آتے ہیں۔ "یہ سب مل کر ایک پرندے کا ایک انوکھا تاثر پیدا کرتا ہے جسے واقعی الگ نہیں کیا جاسکتا ہے اور الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا ہے۔ جب میدان میں ہونے اور کسی پرندے کو دیکھنے کی بات آتی ہے تو، آپ اس کا تجزیہ کرنے اور یہ کہنے کے لئے وقت نہیں نکالتے ہیں کہ یہ یہ، یہ، اور یہ ظاہر کرتا ہے۔ لہذا یہ اس قسم کا ہونا چاہئے۔ یہ زیادہ فطری اور فطری ہے۔ بہت مشق کے بعد، آپ پرندے کو دیکھتے ہیں، اور یہ آپ کے دماغ میں چھوٹے سوچوں کو متھر کرتا ہے۔ یہ صحیح لگ رہا ہے۔ آپ ایک نظر میں جانتے ہیں کہ یہ کیا ہے۔"

ہالی ووڈ کے پروڈیوسر برائن گریزر، جنہوں نے گزشتہ بیس سالوں کی کئی سب سے بڑی ہٹ فلمیں پروڈیوسر کی ہیں، اداکار ٹام مینکس سے پہلی بار ملنے کے بارے میں بیان کرنے کے لیے تقریباً اسی زبان کا استعمال کرتے ہیں۔ یہ 1983 کی بات ہے۔ مینکس اس وقت مجازی طور پر نامعلوم تھا۔ انہوں نے جو کچھ بھی کیا تھا وہ اب (منصفانہ طور پر) بھولا ہواً وی شو تھا جسے بو سم بدیز کہا جاتا تھا۔ گریجر کا کہنا ہے کہ وہ اندر آئے اور فلم اسپلیش کے لیے پڑھ رہے تھے اور اس وقت میں آپ کو بتا سکتا ہوں کہ میں نے کیا دیکھا۔ اس پہلے لمحے میں، وہ جانتا تھا کہ مینکس خاص تھا۔ "ہم نے اس حصے کے لئے سیکڑوں لوگوں کو پڑھا، اور دوسرے لوگ اس سے زیادہ مضبوطہ خیز تھے۔ لیکن وہ اس کی طرح پسندیدہ نہیں تھے۔ مجھے لگا جیسے میں اس کے اندر رہ سکتا ہوں۔ میں نے محسوس کیا کہ اس کے مسائل وہ مسائل ہیں جن سے میں تعلق رکھ سکتا ہوں۔ آپ جانتے ہیں، کسی کو ہنسانے کے لئے، آپ کو دلچسپ ہونا ضروری ہے، اور دلچسپ ہونے کے لئے، آپ کو ایسی چیزیں کرنا ہوں گی جو معنی خیز ہیں۔ مزاج غصے سے نکلتا ہے، اور دلچسپ غصے سے نکلتا ہے۔ بصورت دیگر کوئی تنازعہ نہیں ہے۔ لیکن وہ گھٹیا ہونے کے قابل تھا اور آپ نے اسے معاف کر دیا، اور آپ کو کسی کو معاف کرنے کے قابل ہونا چاہئے، کیونکہ دن کے آخر میں، آپ کو اب بھی اس کے ساتھ رہنا پڑتا ہے، یہاں تک کہ اس کے لڑکی کو جھوڑنے یا کچھ انتخاب کرنے کے بعد بھی جس سے آپ متفق

نہیں ہیں۔ یہ سب اس وقت الفاظ میں نہیں سوچا گیا تھا۔ یہ ایک بدیہی نتیجہ تھا جسے بعد میں ہی میں دوبارہ تشکیل دے سکتا تھا۔

میرا اندازہ ہے کہ آپ میں سے بہت سے لوگ ٹام مینکس کے بارے میں ایک ہی تاثر رکھتے ہیں۔ اگر میں تم سے پوچھوں کہ وہ کیا ہے

آپ کہیں گے کہ وہ مہذب اور قابلِ اعتماد اور زمین سے نیچے اور مضجعہ خیز ہے۔ لیکن تم اسے نہیں جانتے۔ تم اس کے دوست نہیں ہو۔ آپ نے انہیں صرف فلموں میں دیکھا ہے، مختلف کرداروں کی ایک وسیع رتبخدا کرتے ہوئے۔ بہر حال، آپ تجربے کے ان باریک ٹکڑوں سے اس کے بارے میں کچھ بہت معنی خیز نکالنے میں کامیاب رہے ہیں، اور اس تاثر کا اس بات پر زبردست اثر پڑتا ہے کہ آپ ٹائم مینکس کی فلموں کا تجربہ کیسے کرتے ہیں۔ فلم اپولو 13 میں مینکس کو کاست کرنے کے فیصلے کے بارے میں گریزر کا کہنا ہے کہ 'ہر کسی نے کہا کہ وہ ٹائم مینکس کو خلاباز کے طور پر نہیں دیکھ سکتے۔' ٹھیک ہے، میں نہیں جانتا تھا کہ ٹائم مینکس ایک خلاباز تھا یا نہیں۔ لیکن میں نے اسے ایک خلائی جہاز کے بارے میں ایک فلم کے طور پر دیکھا جو خطرے میں ہے۔ اور دنیا کس کو سب سے زیادہ واپس لانا چاہتی ہے؟ امریکہ کس کو بچانا چاہتا ہے؟ ٹائم مینکس۔ ہم اسے مرتے ہوئے نہیں دیکھنا چاہتے۔ ہم اسے بہت پسند کرتے ہیں۔"

اگر ہم کسی کو اس کی حقیقی زندگی تک پہنچانے کے لیے مہینوں اور مہینوں تک کسی کو جانا چاہتے ہیں تو اپولو 13 کو اس کے ڈرامے سے محروم کر دیا جائے گا اور اسپلیش مضجعہ خیز نہیں ہو گا۔ اور اگر ہم پیچیدہ حالات کو ایک جھٹکے میں نہ سمجھ سکے تو باسکٹ بال افرا تفری کا شکار ہو جائے گا اور پرندوں پر نظر رکھنے والے بے بس ہو جائیں گے۔ کچھ عرصہ پہلے، ماہرین نفسیات کے ایک گروپ نے طلاق کی پیشگوئی کے ٹیسٹ پر دوبارہ کام کیا جو مجھے بہت زبردست لگا۔ انہوں نے گوٹمین کے جوڑوں کی متعدد دو یڈیوز لیں اور انہیں غیر ماہرین کو دکھایا۔ صرف اس بار، انہوں نے ریٹریٹ کو تھوڑی مدد فراہم کی۔ انہوں نے انہیں تلاش کرنے کے لئے جذبات کی ایک فہرست دی۔ انہوں نے ٹیپ کو تمیں سیکنڈ کے حصوں میں تقسیم کیا اور ہر ایک کو ہر حصے کو دوبار دیکھنے کی اجازت دی، ایک بار مرد پر توجہ مرکوز کرنے کے لئے اور ایک بار عورت پر توجہ مرکوز کرنے کے لئے۔ اور کیا ہوا؟ اس بار مبصرین کی درجہ بندی نے 80 فیصد سے زیادہ درستگی کے ساتھ پیش گوئی کی کہ کون سی شادیاں ہونے والی ہیں۔ یہ گوٹمین کی طرح اچھا

نہیں ہے۔ لیکن یہ بہت متاثر کرنے ہے۔ اور یہ حیرت کی بات نہیں ہونی چاہئے۔ ہم پتلے کاٹنے میں پرانے ہاتھ ہیں۔

باب دوم

بند دروازہ: اسنیپ فیصلوں کی خفیہ زندگی

کچھ عرصہ قبل دنیا کے ٹاپ ٹینس کو چڑیں سے ایک ویک بریڈن نامی شخص کو جب بھی کوئی ٹینس میچ دیکھنے کا موقع ملتا تھا تو اسے کچھ عجیب نظر آنے لگتا تھا۔ ٹینس میں کھلاڑیوں کو کامیابی کے ساتھ گول کرنے کے دو موقع دیے جاتے ہیں اور اگر وہ اپنا دوسرا موقع گنوادیتے ہیں تو ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ ڈبل فالٹ کرتے ہیں اور بریڈن کو جو احساس ہوا وہ یہ تھا کہ وہ ہمیشہ جانتے تھے کہ کوئی کھلاڑی کب ڈبل فالٹ کرنے والا ہوتا ہے۔ ایک کھلاڑی گیند کو ہوا میں ٹاس کرتا اور اپنے ریکٹ کو واپس کھینچتا، اور جیسے ہی وہ رابطہ کرنے والا ہوتا، بریڈن جھنجھلا کر کہتا، "اوہ، نہیں، ڈبل فالٹ"، اور یقینی طور پر، گیند چوڑی یا لمبی ہو جائے گی یا یہ نیٹ سے ٹکرایا ٹیلی ویژن پر، یا وہ کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کہ کون کھیل رہا ہے، مرد یا عورت، چاہے وہ میچ برداہ راست دیکھ رہا تھا یا ٹیلی ویژن پر، یا وہ خدمت کرنے والے شخص کو کتنی اچھی طرح جانتا تھا۔ بریڈن کا کہنا ہے کہ امیں روس کی لڑکیوں پر دوسری غلطیاں کر رہا تھا جو میں نے اپنی زندگی میں پہلے کبھی نہیں دیکھی تھیں۔ اور نہ ہی بریڈن صرف خوش قسمت تھا۔ خوش قسمتی اس وقت ہوتی ہے جب آپ کسی سکے کو صحیح طریقے سے ٹاس کہتے ہیں۔ لیکن ڈبل فالٹ نگ شاذ و نادر ہی ہوتی ہے۔ ایک پورے میچ میں، ایک پیشہ ور ٹینس کھلاڑی تین یا چار بار سے زیادہ سیکڑوں خدمات اور ڈبل فالٹ کر سکتا ہے۔ ایک سال جنوبی کیلیفورنیا میں بریڈن کے گھر کے قریب انڈین ولیز میں بڑے پرو فیشنل ٹینس ٹورنامنٹ میں انہوں نے ٹریک رکھنے کا فیصلہ کیا اور پایا کہ انہوں نے جو میچ دیکھے ان میں سترہ میں سے سولہ ڈبل فالٹ کی درست پیش گوئی کی تھی۔ بریڈن کہتے ہیں کہ 'کچھ عرصے کے لیے حالات اتنے خراب ہو گئے کہ میں ڈر گیا۔' اس

نے واقعی مجھے ڈرایا۔ میں بیس میں سے بیس کو صحیح طریقے سے حاصل کر رہا تھا، اور ہم ان لوگوں کے بارے میں بات کر رہے ہیں جو تقریباً کبھی بھی ڈبل غلطی نہیں کرتے ہیں۔"

بریڈن اب ستر کی دہائی میں ہے۔ جب وہ جوان تھے، تو وہ ایک عالمی معیار کے ٹینس کھلاڑی تھے، اور گز شستہ پچاس سالوں میں، انہوں نے کھیل کی تاریخ کے بہت سے عظیم ترین ٹینس کھلاڑیوں کی کوچنگ اور مشاورت کی ہے اور جانا ہے۔ وہ ایک چھوٹا اور ناقابل برداشت شخص ہے جس کی توانائی اس سے آدھی عمر کے کسی شخص کی ہے، اور اگر آپ ٹینس کی دنیا کے لوگوں سے بات کریں تو، وہ آپ کو بتائیں گے کہ ویک بریڈن کھیل کی باریکیوں اور باریکیوں کے بارے میں اتنا ہی جانتا ہے جتنا کوئی زندہ شخص۔ لہذا، یہ حرمت کی بات نہیں ہے کہ ویک بریڈن کو پلک جھپکتے ہی خدمت پڑھنے میں واقعی اچھا ہونا چاہئے۔ یہ واقعی ایک آرٹ ماهر کی صلاحیت سے مختلف نہیں ہے کہ وہ گلیٹی کوروس کو دیکھتا ہے اور فوری طور پر جانتا ہے کہ یہ جعلی ہے۔ ٹینس کھلاڑی جس طرح خود کو پکڑتے ہیں، یا جس طرح وہ گیند کو ٹاس کرتے ہیں، یا ان کی حرکت کی سیالیت اس کے لاشعور میں کچھ پیدا کرتی ہے۔ وہ فطری طور پر دوہری غلطی کا "گس" اٹھاتا ہے۔ وہ سروں موشن کے کچھ حصے کو پتلا کرتا ہے اور پلک جھپکتا ہے!۔ وہ صرف جانتا ہے۔ لیکن یہاں کچھ ہے: بریڈن کی ماپوی کے لئے، وہ صرف یہ نہیں سمجھ سکتا کہ وہ کیسے جانتا ہے۔

"میں نے کیا دیکھا؟" وہ کہتے ہیں۔ "میں بستر پر لیٹ کر سوچتا تھا کہ میں نے یہ کیسے کیا؟ مجھے نہیں معلوم۔ اس نے مجھے پاگل کر دیا۔ اس نے مجھے تشد د کا نشانہ بنایا۔ میں واپس جاؤں گا اور میں اپنے ذہن میں موجود خدمت پر غور کروں گا اور میں اسے سمجھنے کی کوشش کروں گا۔ کیا وہ ٹھوکر کھا گئے؟ کیا انہوں نے ایک اور قدم اٹھایا؟ کیا انہوں نے گیند میں ایک باؤنس کا اضافہ کیا۔ کچھ ایسا جس نے ان کے موڑ پر و گرام کو تبدیل کر دیا؟" وہ اپنے تناخ اخذ کرنے کے لیے جو ثبوت استعمال کرتے تھے وہ ان کے لاشعور میں کہیں دفن ہو گئے تھے، اور وہ اسے ڈھانپ نہیں سکتے تھے۔

یہ ان خیالات اور فیصلوں کے بارے میں دوسری اہم حقیقت ہے جو ہمارے لاشعور سے ابھرتے ہیں۔ سب سے

پہلے، فوری فیصلے بہت تیز ہوتے ہیں: وہ تجربے کے باریک ترین ٹکڑوں پر انحصار کرتے ہیں۔ لیکن وہ بھی بے ہوش ہیں۔ آئیووا جو اکے تجربے میں، جواری

خطرناک سرخ ڈیک سے بہت پہلے ہی بچنا شروع کر دیا تھا اس سے پہلے کہ انہیں معلوم ہو کہ وہ ان سے گریز کر رہے ہیں۔ شعوری دماغ کو آخر کار یہ معلوم کرنے میں مزید ستر کارڈ لگے کہ کیا ہو رہا ہے۔ جب ہیر لیسن اور ہوونگ اور یونانی ماہرین نے پہلی بار کوروس کا سامنا کیا، تو ان کے ذہنوں میں نفرت کی لہریں اٹھیں اور الفاظ ابھرے، اور ہیر لیسن نے کہا، "مجھے یہ سن کر افسوس ہوا۔ لیکن پہلے شک کے اس لمحے میں، وہ یہ بتانے کے قابل ہونے سے بہت دور تھے کہ انہوں نے ایسا کیوں محسوس کیا۔ ہوونگ نے آرٹ کے بہت سے ماہرین سے بات کی ہے جنہیں وہ جعلی بستر کہتے ہیں، اور

وہ سب آرٹ کے کام کی سچائی تک پہنچنے کے عمل کو ایک غیر معمولی طور پر غیر واضح عمل کے طور پر بیان کرتے ہیں۔ ہوونگ کا کہنا ہے کہ جب وہ کسی فن پارے کو دیکھتے ہیں تو ان کے ذہنوں میں ایک طرح کی ذہنی رش محسوس ہوتی ہے۔ ایک جعلی بستر نے اس تجربے کو اس طرح بیان کیا جیسے اس کی آنکھیں اور حواس ہمنگ پرندوں کا ایک جھنڈ ہو جو درجنوں راستوں کے اسٹیشنوں کے اندر اور باہر گھوم رہا ہو۔ منٹوں، کبھی کبھی سینکڑوں کے اندر، اس جعلی بستر نے چیزوں کے میزبانوں کو رجسٹر کیا جو اسے پکارتے تھے، 'دیکھو!' ہوونگ کا کہنا ہے کہ جب وہ کسی فن پارے کو دیکھتے ہیں تو ان کے ذہنوں میں ایک طرح کی ذہنی رش محسوس ہوتی ہے۔ ایک جعلی بستر نے اس تجربے کو اس طرح بیان کیا جیسے اس کی آنکھیں اور حواس ہمنگ پرندوں کا ایک جھنڈ ہو جو درجنوں راستوں کے اسٹیشنوں کے اندر اور باہر گھوم رہا ہو۔ منٹوں، کبھی کبھی سینکڑوں کے اندر، اس جعلی بستر نے چیزوں کے میزبانوں کو رجسٹر کیا جو اسے پکارتے تھے، 'دیکھو!'

یہاں آرٹ مورخ بر نارڈ بیرنسن کے بارے میں ہوونگ ہے۔ "[وہ] کبھی کبھار اپنے ساتھیوں کو یہ بتانے سے قاصر رہتے تھے کہ وہ کسی خاص کام میں چھوٹی چھوٹی خامیوں اور تضادات کو اتنی واضح طور پر کیسے دیکھ سکتے ہیں جو اسے یا تو غیر دانشمندانہ ری ورکنگ یا جعلی قرار دیتے ہیں۔ ایک عدالتی کیس میں، در حقیقت، بیرنسن صرف یہ

کہنے کے قابل تھا کہ اس کا پیٹ غلط محسوس ہوا۔ اس کے کانوں میں ایک تجسس کی گھنٹی نج رہی تھی۔ وہ ایک عارضی ڈپریشن کا شکار تھا۔ یا پھر وہ خود کو بے حس اور غیر متوازن محسوس کرتا تھا۔ شاید ہی کوئی سائنسی تفصیل ہو کہ وہ کس طرح جانتا تھا کہ وہ پکی ہوئی یا جعلی چیز کی موجودگی میں ہے۔ لیکن یہ وہاں تک ہے جہاں تک وہ جانے کے قابل تھا۔

ایک بند دروازے کے پیچھے فوری فیصلے اور تیزی سے ادراک ہوتا ہے۔ ویک بریڈن نے اس کمرے کے اندر جھانکنے کی کوشش کی۔ وہ رات کو جاگتے رہے اور یہ جاننے کی کوشش کرتے رہے کہ ٹینس سروس کی فراہمی میں کیا ہے جوان کے فیصلے کو بہتر بناتا ہے۔ لیکن وہ نہیں کر سکا۔

مجھے نہیں لگتا کہ ہم اس بند دروازے کی حقیقت سے نہیں میں بہت اچھے ہیں۔ فوری فیصلوں اور باریک ٹکڑوں کی بے پناہ طاقت کو تسلیم کرنا ایک بات ہے لیکن کسی ایسی پراسرار چیز پر اعتماد کرنا بالکل دوسری بات ہے۔ ارب پتی سرمایہ کار جارج سوروس کے بیٹے نے کہا ہے کہ 'میرے والد بیٹھ کر آپ کو یہ بتانے کے لیے نظریات دیں گے کہ وہ ایسا کیوں کرتے ہیں۔' لیکن مجھے یاد ہے کہ میں نے اسے ایک بچے کے طور پر دیکھا تھا اور سوچا تھا، اس میں سے کم از کم آدھا بیل ہے۔ میرا مطلب ہے، آپ جانتے ہیں کہ وہ مارکیٹ میں اپنی پوزیشن تبدیل کرتا ہے یا جو بھی ہے کیونکہ اس کی پیٹھ اسے مارنا شروع کر دیتی ہے۔ وہ لفظی طور پر اکٹن کا شکار ہو جاتا ہے، اور یہ یہ ابتدائی انتباہ کی علامت ہے۔

واضح طور پر یہ اس وجہ کا ایک حصہ ہے کہ جارج سوروس جو کچھ کرتا ہے اس میں اتنا اچھا ہے: وہ ایک ایسا شخص ہے جو اپنے لاشعوری استدلال کی مصنوعات کی قیمت سے آگاہ ہے۔ لیکن اگر آپ یا میں سوروس کے ساتھ اپنا پیسہ لگاتے ہیں، تو ہمیں گھبراہٹ محسوس ہو گی اگر وہ فیصلہ کرنے کی واحد وجہ یہ دے سکتا ہے کہ اس کی پیٹھ میں درد ہے۔ جیک و لیچ جیسے ایک انتہائی کامیاب سی ای اور اپنی یادداشت 'جیک: ڈائریکٹ فرام دی گٹ' کے حقدار ہو سکتے ہیں، لیکن اس کے بعد وہ یہ واضح کرتے ہیں کہ جس چیز نے انہیں الگ کیا وہ صرف ان کی آنت نہیں تھی بلکہ

میخنست، سسٹم اور اصولوں کے بارے میں احتیاط سے تیار کردہ نظریات بھی تھے۔ ہماری دنیا کا تقاضا ہے کہ فصلے کیے جائیں، اور اگر ہم کہتے ہیں کہ ہم کیسا محسوس کرتے ہیں، تو ہمیں اس بات کی وضاحت کرنے کے لئے بھی تیار رہنا چاہئے کہ ہم ایسا کیوں محسوس کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ گلیٹی کے لئے، کم از کم شروع میں، ہو ونگ اور ہیریں اور زیری جیسے لوگوں کی رائے کو قبول کرنا اتنا مشکل تھا: یہ بہت کچھ تھا۔

سامنس دانوں اور وکلاء کی بات سننا آسان ہے، کیونکہ سامنہ دان اور وکیل اپنے نتائج کی حمایت میں دستاویزات کے صفحات اور صفحات فراہم کر سکتے ہیں۔ میرے خیال میں یہ نقطہ نظر ایک غلطی ہے، اور اگر ہم اپنے فیصلوں کے معیار کو بہتر بنانا سیکھنا چاہتے ہیں، تو ہمیں اپنے فوری فیصلوں کی پراسرار نوعیت کو قبول کرنے کی ضرورت ہے۔ ہمیں اس حقیقت کا احترام کرنے کی ضرورت ہے کہ یہ جاننے کے بغیر کہ ہم کیوں جانتے ہیں اور قبول کرتے ہیں۔ بعض اوقات۔ ہم اس راستے سے بہتر ہوتے ہیں۔

۱۔ تصور کریں کہ میں ایک پروفیسر ہوں، اور میں نے آپ سے کہا ہے کہ آپ میرے دفتر میں آئیں اور مجھ سے ملیں۔ آپ ایک لمبی راہداری سے گزرتے ہیں، دروازے سے آتے ہیں، اور ایک میز پر بیٹھ جاتے ہیں۔ آپ کے سامنے کاغذ کی ایک شیٹ ہے جس میں پانچ الفاظ کے سیٹوں کی فہرست ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ ہر سیٹ سے جتنی جلدی ممکن ہو چار لفظوں کا ایک جملہ بنائیں۔ اسے اسکریمبلڈ جملے کا ٹیکسٹ کہا جاتا ہے۔ تیار؟

01 وہ ہمیشہ پریشان رہتا تھا

02 فلوریڈ انارنگی کا درجہ حرارت 03 گیند سے

خاموشی سے تھر و ٹاس

04 جو تے پرانے کی جگہ دیتے ہیں

05 انہوں نے مشاہدہ کیا کہ کبھی کبھار لوگ دیکھتے ہیں

کے 60 لوگ تہائی میں پسینہ بھاتے ہیں

70 آسمان ہموار سرمنی ہے

70 اب ہمیں بھول جانا چاہئے کہ ہم 09، ہم

بنگو گاتے ہیں۔

10 سورج کی روشنی درجہ حرارت جھریوں والی کشمش بناتی ہے

یہ سیدھا لگ رہا تھا، ٹھیک ہے؟ اصل میں یہ نہیں تھا۔ اس امتحان کو مکمل کرنے کے بعد، یقین کریں یا نہ کریں، آپ میرے دفتر سے باہر نکلتے اور ہال میں داخل ہونے سے کہیں زیادہ آہستہ ہال کی طرف واپس چلے جاتے۔ اس ٹیسٹ کے ساتھ، میں نے آپ کے طرز عمل کو متاثر کیا۔ کیسے؟ ٹھیک ہے، فہرست پر نظر ڈالیں۔ اس میں کچھ الفاظ بکھرے ہوئے ہیں، جیسے "پریشان"، "فلوریڈا"، "بوڑھا"، "تہائی"، "سرمنی"، "بنگو" اور "جھریاں"۔ آپ نے سوچا کہ میں آپ کو صرف زبان کا امتحان دے رہا ہوں۔ لیکن، درحقیقت، میں یہ بھی کر رہا تھا کہ آپ کے دماغ میں موجود بڑے کمپیوٹر یعنی آپ کے مطابقت پذیر لاشعور کو بوڑھے ہونے کی حالت کے بارے میں سوچنے پر مجبور کر رہا تھا۔ اس نے آپ کے دماغ کے باقی حصوں کو اس کے اچانک جنون کے بارے میں مطلع نہیں کیا۔ لیکن بڑھاپے کی اس ساری بات کو اس قدر سنجیدگی سے لیا گیا کہ جب تک آپ نے کام ختم کیا اور کوریڈور سے گزرے، آپ بوڑھا ہو چکے تھے۔ آپ آہستہ ہال کی طرف چلتے رہے۔ آپ میرے دفتر سے باہر نکلتے اور ہال میں داخل ہونے سے کہیں زیادہ آہستہ ہال کی طرف چلتے جاتے۔ اس ٹیسٹ کے ساتھ، میں نے آپ کے طرز عمل کو متاثر کیا۔ کیسے؟ ٹھیک ہے، فہرست پر نظر ڈالیں۔ اس میں کچھ الفاظ بکھرے ہوئے ہیں، جیسے "پریشان"،

"فلوریڈا"، "بوڑھا"، "تہائی"، "سرمئی"، "بنگو" اور "جھریاں"۔ آپ نے سوچا کہ میں آپ کو صرف زبان کا امتحان دے رہا ہوں۔ لیکن، درحقیقت، میں یہ بھی کر رہا تھا کہ آپ کے دماغ میں موجود بڑے کمپیوٹر کو بوڑھا ہونے کی حالت کے بارے میں سوچنے پر مجبور کر رہا تھا۔ اس نے آپ کے دماغ کے باقی حصوں کو اس کے اچانک جنون کے بارے میں مطلع نہیں کیا۔ لیکن بڑھاپ کی اس ساری بات کو اس قدر سنجیدگی سے لیا گیا کہ جب تک آپ نے کام ختم کیا اور کوریڈور سے گزرے، آپ بوڑھا ہو چکے تھے۔ آپ آہستہ آہستہ چلتے رہے۔

یہ ٹیسٹ جان بارگ نامی ایک انہتائی ہو شیار ماہر نفسیات نے تیار کیا تھا۔ یہ ایک مثال ہے جسے پرائینگ تجربہ کہا جاتا ہے، اور بارگ اور دیگر نے اس کی متعدد اور بھی دلچسپ تبدیلیاں کی ہیں، جن میں سے سمجھی سے پتہ چلتا ہے کہ ہمارے لاشعور کے اس بند دروازے کے پچھے کتنا کچھ چل رہا ہے۔ مثال کے طور پر، ایک موقع پر بارگ اور نیو یارک یونیورسٹی کے دوسرا تھیوں، مارک چین اور لارا بروز نے بارگ کے دفتر سے بالکل نیچے دالاں میں ایک تجربہ کیا۔ انہوں نے اندر گر بجویٹ طالب علموں کے ایک گروپ کو مضماین کے طور پر استعمال کیا اور گروپ میں شامل ہر ایک کو دو جملے کے ٹیسٹ میں سے ایک دیا۔ پہلے میں "جارحانہ طور پر"، "جرات مندانہ"، "بد تمیزی"، "پریشان"، "پریشان"، "دراندازی" اور "خلاف ورزی" جیسے الفاظ چھڑ کے گئے تھے۔ دوسرے میں "احترام"، "غور و فکر"، "تعاریف"، "صبر سے"، "عاجزی"، "شائستہ" اور "شائستہ" جیسے الفاظ چھڑ کے گئے۔ کسی بھی صورت میں اتنے ملتے جلتے الفاظ نہیں تھے کہ طالب علموں نے اٹھایا کہ کیا ہو رہا ہے۔ (ایک بار جب آپ کو پرائم ہونے کا احساس ہو جاتا ہے تو، یقیناً، پرائینگ کام نہیں کرتی ہے۔ ٹیسٹ کرنے کے بعد، جس میں صرف پانچ منٹ لگتے ہیں۔ طلباء کو ہدایت کی گئی تھی کہ وہ ہال میں چلیں اور تجربہ کرنے والے شخص سے بات کریں تاکہ ان کی اگلی اسائنسمنٹ حاصل کی جاسکے۔

تاہم، جب بھی کوئی طالب علم دفتر پہنچتا، بارگ اس بات کو یقینی بناتا تھا کہ تجربہ کار مصروف ہو، کسی اور کے ساتھ بات چیت میں بند ہو۔ ایک کنفیڈریٹ جو دالاں میں کھڑا تھا، تجربہ کار کے دفتر کا دروازہ بند کر رہا تھا۔ بارگ یہ جاننا چاہتا تھا کہ جن لوگوں کو شائستہ الفاظ کا استعمال کیا جاتا ہے، کیا وہ تجربہ کار اور کنفیڈریٹ کے درمیان بات چیت میں خلل ڈالنے میں ان لوگوں کے مقابلے میں زیادہ وقت لیں گے جو نازیبا الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ وہ لاشعوری اثر و رسوخ کی عجیب و غریب طاقت کے بارے میں اتنا جانتا تھا کہ یہ محسوس کرے گا کہ اس سے فرق پڑے گا، لیکن اس نے سوچا کہ اثر معمولی ہو گا۔ اس سے پہلے، جب برگ این واٹیو میں انسانی تجربات کی منظوری دینے والی

کمیٹی کے پاس گئے تھے، تو انہوں نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ وہ دس منٹ میں ہال میں ہونے والی بات چیت بند کر دیں گے۔ "جب انہوں نے یہ کہا تو ہم نے ان کی طرف دیکھا اور سوچا، آپ مذاق کر رہے ہیں،" برگ نے یاد کیا۔ "مذاق یہ تھا کہ ہم ملی سینئڈ میں فرق کی پیمائش کریں گے۔ میرا مطلب ہے، یہ نیویارک کے باشندے ہیں۔ وہ صرف وہاں کھڑے نہیں ہوں گے۔ ہم نے سوچا کہ شاید چند سینئڈ، یا زیادہ سے زیادہ ایک منٹ۔

لیکن برگ اور اس کے ساتھی غلط تھے۔ تقریباً پانچ منٹ کے بعد لوگوں نے بد تمیزی کا مظاہرہ کیا۔ لیکن جن لوگوں نے شائستگی کا مظاہرہ کیا، ان میں سے 82 فیصد لوگوں نے کبھی مداخلت نہیں کی۔ اگر یہ تجربہ دس منٹ کے بعد ختم نہ ہوتا تو کون جانتا ہے کہ وہ کتنی دیر تک دالان میں کھڑے رہتے، ان کے چہروں پر شاستہ اور صبر و تحمل سے مسکراہٹ ہوتی؟

"یہ تجربہ میرے دفتر سے ہال کے بالکل نیچے ہوا تھا،" برگ یاد کرتے ہیں۔ "مجھے ایک ہی بات چیت کو بار بار سننا پڑا۔ ہر گھنٹے، جب بھی کوئی نیا موضوع آتا تھا۔ یہ بورنگ، بورنگ تھا۔ لوگ دالان سے نیچے آتے اور وہ دروازے سے اس کنفیڈریٹ کو دیکھتے جس سے تجربہ کاربات کر رہا تھا۔ اور کنفیڈریٹ جاری رہے گا کہ کس طرح اسے سمجھ میں نہیں آیا کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔ وہ دس منٹ تک پوچھتی رہی اور پوچھتی رہی، 'میں اسے کہاں نشان زد کروں؟' مجھے سمجھ نہیں آ رہا ہے۔ بارگ اس سب کی یادداشت اور عجیب و غریبی کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ "پورے ایک سسٹر سے یہ چل رہا تھا۔ اور جن لوگوں نے شائستگی سے امتحان لیا تھا وہ وہیں کھڑے تھے۔

پرائمنگ برین واشنگ کی طرح نہیں ہے، یہ کہا جانا چاہئے۔ میں آپ کو "نینڈ" اور "بول" اور "ٹیڈی بیر" جیسے الفاظ کے ساتھ پیش کر کے آپ کو اپنے بچپن کے بارے میں گھری ذاتی تفصیلات ظاہر کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔ اور نہ ہی میں آپ کو اپنے لئے بینک لوٹنے کا پروگرام دے سکتا ہوں۔ دوسری طرف، پرائمنگ کے اثرات معمولی نہیں ہیں۔ دو ڈج محققین نے ایک مطالعہ کیا جس میں انہوں نے طالب علموں کے گروپوں کو بورڈ گیم ٹیبل پر سوٹ کے بیالیں کافی مطالبہ کرنے والے سوالات کے جوابات دیئے۔ آدھے سے کہا گیا کہ

پروفیسر ہونے کا کیا مطلب ہو گا اس کے بارے میں سوچنے کے لئے پانچ منٹ پہلے لیں اور جو کچھ ذہن میں آیا اسے لکھیں۔ ان طالب علموں نے 55.6 فیصد سوالات درست حاصل کیے۔ دوسرے نصف طالب علموں کو پہلے بیٹھنے اور فٹ بال کے غنڈوں کے بارے میں سوچنے کے لئے کہا گیا تھا۔ انہیں 42.6 فیصد معمولی تعاقب کے سوالات صحیح ملے۔ "پروفیسر" گروپ "فٹ بال غنڈہ" گروپ سے زیادہ نہیں جانتا تھا۔ وہ ذہین یا زیادہ توجہ مرکوز یا زیادہ سنبھیڈہ نہیں تھے۔ وہ صرف ایک "سماڑ" ذہنی فریم میں تھے، اور، واضح طور پر، ایک پروفیسر کی طرح کسی ہوشیار چیز کے خیال کے ساتھ خود کو جوڑنے سے، ایک سوال پوچھنے جانے کے بعد اس تناوہ بھرے لمبے میں۔ صحیح جواب کو دھندا کرنا بہت آسان ہو گیا تھا۔ دونوں کے درمیان فرق کو دھندا کرنا بہت آسان ہو گیا تھا۔

42.6 فیصد، جس کی نشاندہی کی جانی چاہئے، بہت زیادہ ہے۔ پاسنگ اور پاسنگ کے درمیان یہی فرق ہو سکتا ہے۔
ناکام۔

ماہر نفسیات کلاڈ سٹیل اور جوشوا آرونسن نے کالج کے سیاہ فام طالب علموں اور گریجویٹ ریکارڈ امتحان سے لئے گئے بیس سوالات کا استعمال کرتے ہوئے اس ٹیسٹ کا ایک اور بھی انتہائی ورثن تیار کیا، جو گریجویٹ اسکول میں داخلے کے لئے استعمال ہونے والا معیاری ٹیسٹ ہے۔ جب طالب علموں سے کہا گیا کہ وہ پری ٹیسٹ سوالنامے پر اپنی نسل کی شناخت کریں، تو یہ سادہ سا عمل انہیں افریقی امریکیوں اور تعلیمی کامیابیوں سے وابستہ تمام منفی دقیانوںی تصورات سے جوڑنے کے لئے کافی تھا۔ اور انہیں صحیح ملنے والی اشیاء کی تعداد آدمی رہ گئی۔ ایک معاشرے کے طور پر، ہم امتحانات پر بہت زیادہ اعتماد کرتے ہیں کیونکہ ہم سمجھتے ہیں کہ وہ امتحان دینے والے کی صلاحیت اور علم کا ایک قابل اعتماد اشارہ ہیں۔ لیکن کیا وہ واقعی ہیں؟ اگر ایک معروف نجی ہائی اسکول کی ایک سفید

فام طالبہ کو اندر ون شہر کے اسکول کے سیاہ فام طالب علم کے مقابلے میں زیادہ سیٹ اسکور ملتا ہے، تو کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ واقعی ایک بہتر طالب علم ہے، یا اس کی وجہ یہ ہے کہ سفید فام ہونا اور ایک مشہور ہائی اسکول میں تعلیم حاصل کرنا مسلسل "اسمارٹ" کے خیال کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے؟

تاہم، اس سے بھی زیادہ متاثر کن یہ ہے کہ یہ پرانمنگ اثرات کتنے پر اسرار ہیں۔ جب آپ نے جملے کی تکمیل کا ٹیکسٹ لیا، تو آپ کو معلوم نہیں تھا کہ آپ کو "بوڑھا" سوچنے پر مجبور کیا جا رہا ہے۔ آپ ایسا کیوں کریں گے؟ اشارے بہت باریک تھے۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ لوگوں کے آہستہ آہستہ کمرے سے باہر نکلنے اور ہال سے نیچے آنے کے بعد بھی انہیں اس بات کا علم نہیں تھا کہ ان کا رو یہ کس طرح متاثر ہوا ہے۔ بارگ نے ایک بار لوگوں کو بورڈ گیمز کھیلنے کے لئے کہا تھا جس میں شرکاء جیتنے کا واحد طریقہ یہ تھا کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنا سیکھیں۔ لہذا انہوں نے کھلاڑیوں کو تعاون کے خیالات کے ساتھ پیش کیا، اور یقینی طور پر، وہ کہیں زیادہ تعاون کر رہے تھے، اور کھیل کہیں زیادہ آسانی سے چلا گیا۔ "اس کے بعد،" برگ کہتے ہیں، "ہم ان سے سوال پوچھتے ہیں کہ آپ نے کتنا تعاون کیا؟ آپ کتنا تعاون کرنا چاہتے ہیں؟ اور پھر ہم اسے ان کے حقیقی طرز عمل کے ساتھ منسلک کرتے ہیں۔ اور باہمی تعلق صفر ہے۔ یہ ایک ایسا کھیل ہے جو پندرہ منٹ تک چلتا ہے، اور آخر میں، لوگ نہیں جانتے کہ انہوں نے کیا کیا ہے۔ وہ صرف یہ نہیں جانتے ہیں۔ ان کی وضاحتیں صرف بے ترتیب، شور ہیں۔ اس نے مجھے حیران کر دیا۔ میں نے سوچا کہ لوگ کم از کم ان کی یادوں سے مشورہ کر سکتے تھے۔ لیکن وہ ایسا نہیں کر سکے۔

آرونسن اور سٹیل نے سیاہ فام طالب علموں کے ساتھ بھی یہی پایا جنہوں نے اپنی نسل کی یاد دلانے کے بعد بہت خراب کار کر دگی کا مظاہرہ کیا۔ "میں نے بعد میں سیاہ فام طالب علموں سے بات کی، اور میں نے ان سے پوچھا، کیا کسی چیز نے آپ کی کار کر دگی کو کم کیا ہے؟" آرونسن نے کہا۔ "میں پوچھتا تھا، کیا آپ کو یہ بات سمجھ آئی کہ میں نے آپ سے اپنی نسل بتانے کے لیے کہا تھا؟ کیونکہ اس کا واضح طور پر ان کی کار کر دگی پر بہت بڑا اثر پڑا۔ اور وہ

ہمیشہ نہیں کہتے تھے اور کچھ ایسا کہتے تھے کہ 'آپ جانتے ہیں، مجھے نہیں لگتا کہ میں یہاں ہونے کے لئے کافی ہو شیار ہوں۔'

ان تجربات کے نتائج، ظاہر ہے، کافی پریشان کرنے ہیں۔ وہ مشورہ دیتے ہیں کہ ہم کیا کرتے ہیں

آزاد مرضی کے طور پر سوچنا بڑی حد تک ایک وہم ہے: زیادہ تر وقت، ہم صرف خود کار پائلٹ پر کام کر رہے ہوتے ہیں، اور جس طرح ہم سوچتے اور عمل کرتے ہیں۔ اور جس طرح ہم اس وقت کی تغیب پر کتنی اچھی طرح سوچتے اور عمل کرتے ہیں۔ ہمیں احساس سے کہیں زیادہ بیرونی اثرات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ لیکن میرے خیال میں اس بات کا بھی ایک اہم فائدہ ہے کہ لاشعور کتنا خفیہ طور پر اپنا کام کرتا ہے۔ میں نے آپ کو بڑھاپے کے بارے میں تمام الفاظ کے ساتھ جملے مکمل کرنے کے کام کی مثال دی ہے، ان الفاظ سے جملے بنانے میں آپ کو کتنا وقت لگا؟ میرا اندازہ یہ ہے کہ اس میں آپ کو ایک جملے میں چند سینکڑ سے زیادہ وقت نہیں لگا۔ یہ تیز ہے، اور آپ اس تجربے کو تیزی سے انجام دینے کے قابل تھے کیونکہ آپ کام پر توجہ مرکوز کرنے اور توجہ ہٹانے کے قابل تھے۔ اگر آپ الفاظ کی فہرست میں ممکنہ نمونوں کی تلاش میں تھے تو، ایسا کوئی طریقہ نہیں ہے کہ آپ اس کام کو اتنی جلدی مکمل کرتے۔ آپ کا دھیان بھٹک گیا ہو گا۔ جی ہاں، پرانے لوگوں کے حوالہ جات نے آپ کے کمرے سے باہر نکلنے کی رفتار کو بدل دیا، لیکن کیا یہ برا تھا؟ آپ کا لاشعور صرف آپ کے جسم کو بتا رہا تھا: میں نے کچھ اشارے حاصل کیے ہیں کہ ہم ایک ایسے ماحول میں ہیں جو واقعی بڑھاپے کے بارے میں فکر مند ہے۔ اور آئیے اس کے مطابق بر تاؤ کریں۔ اس لحاظ سے آپ کا لاشعور ایک طرح کی ذہنی کمزوری کے طور پر کام کر رہا تھا۔ یہ آپ کی زندگی میں تمام چھوٹی چھوٹی ذہنی تفصیلات کا خیال رکھ رہا تھا۔ یہ آپ کے ارد گرد ہونے والی ہر چیز پر نظر رکھنا اور اس بات کو یقینی بنانا تھا کہ آپ مناسب طریقے سے کام کر رہے ہیں، جبکہ آپ کو اصل مسئلے پر توجہ مرکوز کرنے کے لئے آزاد چھوڑ دیا گیا تھا۔

آئیو اجوئے کے تجربات بنانے والی ٹیم کی سربراہی نیورولو جسٹ انتونیو داما سیو نے کی تھی، اور داما سیو کے گروپ نے کچھ دلچسپ تحقیق کی ہے کہ جب ہماری بہت زیادہ سوچ بند دروازے کے باہر ہوتی ہے تو کیا ہوتا ہے۔ ڈاما سیو نے دماغ کے ایک چھوٹے لیکن اہم حصے کو نقصان پہنچانے والے مريضوں کا مطالعہ کیا جسے ویٹر و میڈل پری

فرنشل کو رٹیکس کہا جاتا ہے، جوناک کے پیچھے واقع ہے۔ فیصلہ سازی میں وینٹرو میڈیا کل علاقہ اہم کردار ادا کرتا ہے۔ یہ بیرونی دنیا سے ملنے والی معلومات کے پہاڑ کے ذریعے ہنگامی حالات اور رشتہوں اور اقسام کا تعین کرتا ہے، اسے ترجیح دیتا ہے اور ان چیزوں پر جھنڈے لگاتا ہے جو ہماری فوری توجہ کی مقاضی ہیں۔ جن لوگوں کو ان کے وینٹرو میڈیا کل علاقے کو نقصان پہنچا ہے وہ مکمل طور پر معقول ہیں۔ وہ انتہائی ذہین اور فعال ہو سکتے ہیں، لیکن ان میں فیصلے کی کمی ہے۔ زیادہ واضح طور پر، ان کے لاشعور میں وہ ذہنی صلاحیت نہیں ہے جو انہیں اصل میں اہم چیز پر توجہ مرکوز کرنے کے لئے آزاد کرتی ہے۔ اپنی کتاب ڈیکارٹس کی غلطی میں، دماسیو نے اس قسم کے دماغی نقصان والے مریض کے ساتھ ملاقات قائم کرنے کی کوشش کرنے کی وضاحت کی ہے:

میں نے دو متبادل تاریخیں تجویز کیں، دونوں آنے والے مہینے میں اور ایک دوسرے سے صرف چند دن کے فاصلے پر۔ مریض نے اپنی اپاٹمنٹ بک نکالی اور کیلندر سے مشورہ کرنا شروع کر دیا۔ وہ طرز عمل جو اس کے نتیجے میں، جسے متعدد تفییش کاروں نے دیکھا، قابل ذکر تھا۔ آدھے گھنٹے کے بہتر حصے کے لئے، مریض نے دو تاریخوں میں سے ہر ایک کے لئے اور اس کے خلاف وجوہات بیان کیں: پچھلی مصروفیات، دیگر مصروفیات سے قربت، مکنہ موسمیاتی حالات، عملی طور پر کچھ بھی جس کے بارے میں کوئی ایک سادہ تاریخ کے بارے میں سوچ سکتا ہے۔ [وہ] ہمیں ایک تھکا دینے والے لاگت کے فوائد کے تجزیے سے گزر رہے تھے، آپشنز اور مکنہ نتائج کا ایک لامتناہی خاکہ اور بے نتیجہ موازنہ۔ میز پر کھڑے ہوئے بغیر اور اسے رکنے کے لئے کہے بغیر یہ سب سننے کے لئے بہت زیادہ نظم و ضبط کی ضرورت تھی۔

دماسیو اور ان کی ٹیم نے اپنے وینٹرو میڈیا کل مریضوں کو جواری کا ٹیکسٹ بھی دیا۔ زیادہ تر مریضوں کو، ہم میں سے باقی لوگوں کی طرح، آخر کار پتہ چلا کہ سرخ ڈیک ایک مسئلہ تھا۔ لیکن کبھی بھی مریضوں کی ہتھیلیوں پر پسینے کی بو نہیں آئی۔ کسی بھی وقت انہیں یہ اندازہ نہیں ہوا کہ نیلے رنگ کے ڈیک سرخ کارڈوں سے بہتر ہیں، اور کسی بھی وقت۔ یہاں تک کہ کھیل سے باہر ہونے کے بعد بھی۔ مریضوں نے اس سے دور رہنے کے لئے اپنی حکمت عملی

کو ایڈ جسٹ نہیں کیا۔

مسئلہ کا رڈ۔ وہ دانشورانہ طور پر جانتے تھے کہ کیا صحیح ہے، لیکن یہ علم ان کے کھلیل کھلئے کے انداز کو تبدیل کرنے کے لئے کافی نہیں تھا۔ آئیووا ٹائم کے محققین میں سے ایک انٹوںی بیچارا کا کہنا ہے کہ 'یہ منتشرات کی لٹ کی طرح ہے۔ "نشے کے عادی افراد اپنے رویے کے نتائج کو بہت اچھی طرح بیان کر سکتے ہیں۔ لیکن وہ اس کے مطابق کام کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ یہ دماغی مسئلے کی وجہ سے ہے۔ یہی وہ چیز ہے جس پر ہم انگلی اٹھا رہے تھے۔ وینٹرو میڈیل علاقے میں نقصان آپ جو کچھ جانتے ہیں اور جو آپ کرتے ہیں اس کے درمیان رابطہ منقطع ہونے کا سبب بنتا ہے۔ مریضوں میں جس چیز کی کمی تھی وہ یہ تھی کہ وہ خاموشی سے انہیں صحیح سمت میں دھکیل رہے تھے، اس میں تھوڑا سا جذباتی اضافہ ہوا۔ ہتھیلیوں کی چوت۔ اس بات کو یقینی بنانے کے لئے کہ وہ صحیح کام کر رہے ہیں۔ ہائی اسٹیک، تیزی سے بڑھتے ہوئے حالات میں، ہم آئیووا وینٹرو میڈیل مریضوں کی طرح غیر جذباتی اور خالص طور پر معقول نہیں ہونا چاہتے ہیں۔ ہم وہاں کھڑے ہو کر اپنے آپشتر کے ذریعے بات نہیں کرنا چاہتے۔ کبھی کبھی ہم بہتر ہوتے ہیں اگر بند دروازے کے پیچھے کا دماغ ہمارے لئے ہمارے فیصلے کرتا ہے۔

2. کچھ عرصہ قبل موسم بہار کی ایک تیز رفتار شام میں دودر جن مردوخواتین میں ہیٹھن بار کے پچھلے کمرے میں جمع ہوئے تاکہ ایک عجیب و غریب رسم میں مشغول ہو سکیں جسے اسپیڈ ڈینگ کہا جاتا ہے۔ یہ سبھی نوجوان پیشہ ور تھے جن کی عمریں بیس سال کے لگ بھگ تھیں، وال اسٹریٹ ٹائمپس اور میڈیکل اسٹوڈنٹس اور اسکول کے اساتذہ کے ساتھ ساتھ چار خواتین بھی تھیں جو این کلائن جیولری کے قربی ہیڈ کوارٹر سے ایک گروپ میں آئی تھیں۔ تمام خواتین سرخ یا سیاہ سویٹر، جینز یا گہرے رنگ کی پتلون میں تھیں۔ ایک یادو مستثنیات کو چھوڑ کر تمام مردوں نے میں ہیٹھن ورک یونیفارم میں گہرے نیلے رنگ کی قمیض اور سیاہ سلا خیں پہن رکھی تھیں۔ شروع میں وہ عجیب و غریب طریقے سے آپس میں گھل مل گئے، اپنے مشروبات کو تھامے ہوئے، اور پھر شام کی کو آرڈینیٹر، کیلین نامی ایک لمبی، متاثر کن خاتون نے گروپ کو آرڈر کرنے کے لیے بلا یا۔

انہوں نے کہا کہ ہر مرد ہر عورت کے ساتھ چھ منٹ کی بات چیت کرے گا۔ عورتیں شام کے وقت کمرے کی گھنٹی بجائے والے لمبے، نچلے صوفوں پر دیوار کے ساتھ پیٹھتی تھیں، اور مرد ایک عورت سے دوسری عورت میں گھومتے تھے، جب بھی کیلئے گھنٹی بجتی تھی، اشارہ کرتی تھی کہ چھ منٹ ختم ہو چکے ہیں۔ تمام ڈیٹر ز کو ایک بیچ، ایک نمبر اور مکمل کرنے کے لئے ایک مختصر فارم دیا گیا تھا، جس میں ہدایت دی گئی تھی کہ اگر وہ چھ منٹ کے بعد کسی کو پسند کرتے ہیں تو، وہ اس کے نمبر کے ساتھ والے باس کو چیک کریں۔ اگر جس شخص کا باس انہوں نے چیک کیا وہ بھی اپنا باس چیک کرے تو دونوں ڈیٹر ز کو چوبیس گھنٹوں کے اندر ایک دوسرے کے ای میل ایڈریس کے بارے میں مطلع کیا جائے گا۔ توقعات کی گونج سنائی دے رہی تھی۔ کئی لوگوں نے آخری لمحات میں باقاعدہ روم کا رخ کیا۔ کیلئے نے اپنی گھنٹی بجائی۔

مردوں اور عورتوں نے اپنی جگہ لے لی، اور فوری طور پر کمرے میں گفتگو کی لہر دوڑ گئی۔ مردوں کی کرسیاں خواتین کے صوفوں سے اتنی دور تھیں کہ دونوں فریقوں کو گھنٹوں پر اپنی کہنیوں کے بل آگے جھکنا پڑا۔ ان میں سے ایک یادوں عورتیں دراصل صوفے کے تختوں پر اوپر نچے اچھل رہی تھیں۔ میز نمبر تین پر بیٹھی خاتون سے بات کرنے والے شخص نے اپنی بیڑاں کی گود میں ڈال دی۔ میز نمبر ایک پر میلیسا نامی ایک سیاہ قام لڑکی، جو اپنی تاریخ طے کرنے کے لیے بے چین تھی، نے فوری طور پر اس سے پوچھا، "اگر تمہاری تین خواہشیں ہوں تو وہ کیا ہوں گی؟ کیا آپ کے کوئی بھائی بہن ہیں؟ کیا تم اکیلے رہتے ہو؟" ایک اور میز پر، ڈیوڈ نامی ایک بہت ہی نوجوان اور گورا شخص نے اس کی تاریخ پوچھی کہ اس نے شام کے لئے سائیں اپ کیوں کیا۔ "میری عمر چھیس سال ہے۔" اس نے جواب دیا۔ "میرے بہت سے دوستوں کے بوائے فرینڈ ہیں جنہیں وہ ہائی اسکول سے جانتے ہیں، اور وہ منگنی کر چکے ہیں یا پہلے سے ہی شادی شدہ ہیں، اور میں اب بھی اکیلی ہوں اور میں ایک جیسی ہوں۔"

کیلئے کی ایک دیوار کے پار چلنے والی بار کے پاس کھڑی تھی۔ "اگر آپ کنکشن سے لطف اندازو ہو رہے ہیں، تو وقت تیزی سے جاتا ہے۔ اگر آپ ایسا نہیں کرتے ہیں، تو یہ آپ کی زندگی کا سب سے طویل چھ منٹ ہے،

"انہوں نے جوڑے کو گمراہت سے بات کرتے ہوئے دیکھا۔" کبھی کبھی عجیب چیزیں ہوتی ہیں۔ میں کبھی نہیں بھولوں گا، نومبر میں، وہاں

کو نئز سے تعلق رکھنے والا ایک لڑکا تھا جو ایک درجن سرخ گلاب کے ساتھ نمودار ہوا تھا، اور اس نے ہر لڑکی کو ایک گلاب دیا تھا جس سے وہ بات کرتا تھا۔ اس کے پاس ایک سوت تھا۔ اس نے آدھی مسکراہٹ دی۔ "وہ جانے کے لیے تیار تھا۔" اس کے پاس ایک سوت تھا۔ اس نے آدھی مسکراہٹ دی۔ "وہ جانے کے لیے تیار تھا۔"

گزشتہ چند سالوں میں دنیا بھر میں اسپیڈ ڈینگ بہت مقبول ہو گئی ہے، اور یہ سمجھنا مشکل نہیں ہے کہ ایسا کیوں ہے۔ یہ ایک سادہ فوری فیصلے کے لئے ڈینگ کا آغاز ہے۔ ان میں سے ایک میز پر بیٹھنے والا ہر شخص ایک بہت ہی سادہ سوال کا جواب دینے کی کوشش کر رہا تھا: کیا میں اس شخص کو دوبارہ دیکھنا چاہتا ہوں؟ اور اس کا جواب دینے کے لئے، ہمیں پوری شام کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمیں واقعی صرف چند منٹ کی ضرورت ہے۔ مثال کے طور پر چار این کلاس نخواتین میں سے ایک ویلانے کہا کہ انہوں نے کسی بھی مرد کو منتخب نہیں کیا اور انہوں نے ان میں سے ہر ایک کے بارے میں فوری طور پر اپناز ہن بنالیا۔ انہوں نے مجھے ہیلو پر کھو دیا، "اس نے اپنی آنکھیں پھیرتے ہوئے کہا۔ ایک انویسٹمنٹ بینک میں مالیاتی تجویز کار کے طور پر کام کرنے والے رون نے ان میں سے دو نخواتین کا انتخاب کیا، جن میں سے ایک کو انہوں نے تقریباً ڈیرہ منٹ کی بات چیت کے بعد طے کیا اور ان میں سے ایک، میز نمبر دو پر لیلیان نے اس وقت فیصلہ کیا جب وہ اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ "اس کی زبان کو چھرا گیا تھا،" اس نے تعریف کرتے ہوئے کہا۔ "آپ ایسی جگہ پر آتے ہیں اور آپ وکلاء کے ایک گروپ کی توقع کرتے ہیں۔ لیکن وہ ایک بالکل مختلف کہانی تھی۔" لیلیان نے رون کو بھی پسند کیا۔ "تم جانتے ہو کیوں؟" اس نے پوچھا۔ "وہ لوزیانا سے ہے۔ مجھے لمحے سے محبت تھی۔ اور میں نے اپنا قلم چھوڑ دیا، صرف یہ دیکھنے کے لیے کہ وہ کیا کرے گا، اور اس نے فوراً اسے اٹھا لیا۔ جیسا کہ یہ معلوم ہوا، وہاں کی بہت سی نخواتین نے رون سے ملتے ہی اسے پسند کیا، اور بہت سے مردوں نے لیلیان کو اس سے ملتے ہی پسند کیا۔ ان دونوں میں ایک طرح کی متعددی، جتنے والی چنگاری تھی۔ نیلے رنگ کے سوت میں ملبوس میڈیکل کے ایک طالب علم جون نے شام کے اختتام پر کہا، "آپ جانتے ہیں، لڑکیاں

واقعی ہوشیار ہوتی ہیں۔ وہ پہلے منٹ میں ہی جان جاتے ہیں کہ کیا میں اس لڑکے کو پسند کرتا ہوں، کیا میں اسے اپنے والدین کے پاس گھر لے جا سکتا ہوں، یا یہ صرف ایک جھٹکا ہے؟ جوں بالکل صحیح ہے، سوائے اس کے کہ یہ صرف لڑکیاں نہیں ہیں جو ہوشیار ہیں۔ جب پتلی کٹنے والی ممکنہ تاریخوں کی بات آتی ہے تو، تقریباً ہر کوئی ہوشیار ہے۔

لیکن فرض کریں کہ مجھے اسپیڈ ڈینگ کے قواعد کو تھوڑا سا تبدیل کرنا تھا۔ کیا ہو گا اگر میں نے بند دروازے کے پیچھے دیکھنے کی کوشش کی اور سب کو ان کے انتخاب کی وضاحت کرنے پر مجبور کیا؟ یقیناً ہم جانتے ہیں کہ ایسا نہیں کیا جا سکتا: ہماری لاشعوری سوچ کی مشینری ہمیشہ کے لئے پوشیدہ ہے۔ لیکن کیا ہو گا اگر میں نے ہواؤں کے بارے میں احتیاط برتنی اور لوگوں کو مجبور کیا کہ وہ اپنے پہلے تاثرات کی وضاحت کریں اور ویسے بھی فوری فیصلے کریں؟ کو لمبیا یونیورسٹی کی دو پروفیسر زشینا آنگر اور رینڈ فسمین نے ایسا ہی کیا ہے اور انہوں نے دریافت کیا ہے کہ اگر آپ لوگوں کو خود کو سمجھانے پر مجبور کرتے ہیں تو کچھ بہت ہی عجیب اور پریشان کن ہوتا ہے۔ جو کسی زمانے میں سب سے زیادہ شفاف اور باریک کاٹنے والی مشقوں کی طرح لگتا تھا وہ کافی الجھن میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

آنگر اور فسمین ایک عجیب جوڑے کی طرح ہیں: آنگر ہندوستانی نژاد ہیں۔ فسمان یہودی ہے۔ آنگر ایک ماہر نفسیات ہیں۔ فسمان ایک ماہر معاشیات ہیں۔ ان کے اسپیڈ ڈینگ میں شامل ہونے کی واحد وجہ یہ ہے کہ ایک بار ان کے درمیان ایک پارٹی میں منظم شادیوں اور محبت کی شادیوں کی نسبتاً خوبیوں کے بارے میں بحث ہوئی تھی۔ "ہم نے ایک طویل مدتی رومانس پیدا کیا ہے،" فسمین نے مجھے بتایا۔ وہ ایک پتلا آدمی ہے جو ایک نو عمر کی طرح نظر آتا ہے، اور اس میں مزاح کا ایک مضمکہ خیز احساس ہے۔ "یہ مجھے فخر کرتا ہے۔ بظاہر آپ کو یہودی جنت میں داخل ہونے کے لئے صرف تین کی ضرورت ہے، لہذا میں اپنے راستے پر ٹھیک ہوں۔ یہ دونوں پروفیسر کو لمبیا کیمپس سے سڑک کے اس پار براڈوے پر ویسٹ اینڈ بار کے عقب میں اپنی اسپیڈ ڈینگ راتیں چلاتے ہیں۔ وہ ایک استثناء کے ساتھ، معیاری نیو یارک اسپیڈ ڈینگ شام سے ملتے جلتے ہیں۔ ان کے شرکاء صرف ڈیٹ نہیں

کرتے ہیں اور پھر ہاں یا نہیں باکس چیک کرتے ہیں۔ چار موقع پر۔ اسپیڈ ڈینگ شروع ہونے سے پہلے، شام ختم ہونے کے بعد، ایک ماہ بعد، اور پھر اسپیڈ ڈینگ کی شام کے چھ ماہ بعد۔ انہیں ایک مختصر سوالنامہ پر کرنا پڑتا ہے جس میں ان سے پوچھا جاتا ہے کہ وہ ممکنہ پارٹنر میں 1 سے 10 کے پیمانے پر کیا تلاش کر رہے ہیں۔ ان زمروں میں کشش، مشترکہ دلچسپیاں، مضجعہ خیز / حس مزاح، خلوص، ذہانت اور عزائم شامل ہیں۔ اس کے علاوہ، ہر "تاریخ" کے اختتام پر، وہ شخص کی درجہ بندی کرتے ہیں۔

وہ ابھی ایک ہی زمرے کی بنیاد پر ملے ہیں۔ اپنی ایک شام کے اختتام تک، فسمین اور آئنگر کے پاس ناقابل یقین حد تک تفصیلی تصویر ہے کہ ہر کوئی کہتا ہے کہ وہ ڈیٹینگ کے عمل کے دوران کیا محسوس کر رہے تھے۔ اور جب آپ اس تصویر کو دیکھتے ہیں تو عجیب و غریب شروع ہوتی ہے۔

مثال کے طور پر، کولمبیا سیشن میں، میں نے پہلی جلد اور سنہرے، گھنگھرے بالوں والی ایک نوجوان عورت اور سبز آنکھوں اور لمبے بھورے بالوں کے ساتھ ایک لمبے، متحرک مرد پر خصوصی توجہ دی۔ میں ان کے نام نہیں جانتا، لیکن چلو انہیں مریم اور یونا کہتے ہیں۔ میں نے انہیں ان کی تاریخ کے دوران دیکھا، اور یہ فوری طور پر واضح تھا کہ مریم واقعی جان کو پسند کرتی تھی اور جان واقعی مریم کو پسند کرتا تھا۔ جان مریم کی میز پر بیٹھ گیا۔ ان کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ اس نے شرم سے نیچے دیکھا۔ وہ تھوڑا پریشان لگ رہا تھا۔ وہ اپنی کرسی پر آگے جھک گئی۔ باہر سے ایسا لگ رہا تھا جیسے فوری کشش کا ایک بالکل سیدھا کیس ہو۔ لیکن آئیئے سطح کے نیچے کھدائی کرتے ہیں اور کچھ آسان سوالات پوچھتے ہیں۔ سب سے پہلے، کیا جان کی شخصیت کے بارے میں مریم کا اندازہ اس شخصیت سے مماثلت رکھتا تھا جس کے بارے میں اس نے کہا تھا کہ وہ شام شروع ہونے سے پہلے ایک مرد میں چاہتی تھی؟ دوسرے لفظوں میں، مریم یہ پیش گوئی کرنے میں کتنی اچھی ہے کہ وہ مرد میں کیا پسند کرتی ہے؟ فسمین اور آئنگر اس سوال کا جواب بہت آسانی سے دے سکتے ہیں، اور جب وہ اسپیڈ ڈیٹریز کا موازنہ کرتے ہیں کہ وہ کیا چاہتے ہیں اور اس وقت وہ جس چیز کی طرف راغب ہیں وہ یہ ہے کہ وہ دونوں چیزیں میل نہیں کھاتی ہیں۔ مثال کے طور پر، اگر مریم نے شام کے آغاز میں کہا کہ وہ کسی ذہین اور مخلص شخص کو چاہتی ہے، تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ صرف ذہین اور مخلص مردوں کی طرف راغب ہو گی۔ یہ اتنا ہی امکان ہے کہ جان، جسے وہ کسی اور سے زیادہ پسند کرتی ہے، پر کشش اور مضنکہ خیز ثابت ہو سکتی ہے لیکن خاص طور پر مخلص یا ہوشیار نہیں ہے۔

تمام۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر اسپیڈ ڈیٹنگ کے دوران مریم جن مردوں کو پسند کرتی ہیں وہ اسمارٹ اور مخلص

مردوں کے مقابلے میں زیادہ پرکشش اور مضخلہ خیز ہوتے ہیں، تو اگلے دن، جب ان سے ان کے کامل آدمی کے بارے میں پوچھا جائے گا، تو مریم کہے گی کہ وہ پرکشش اور مضخلہ خیز مردوں کو پسند کرتی ہیں۔ لیکن یہ صرف اگلے دن ہے۔ اگر آپ ایک ماہ بعد دوبارہ اس سے پوچھیں گے تو وہ واپس آکر کہے گی کہ وہ ذہین اور مختص چاہتی ہے۔ ڈینگ ان کے مقابلے میں زیادہ پرکشش اور مضخلہ خیز ہوتی ہے، اگلے دن، جب اسے اپنے کامل آدمی کے بارے میں بتانے کے لئے کہا جاتا ہے، تو مریم کہے گی کہ وہ پرکشش اور مضخلہ خیز مردوں کو پسند کرتی ہے۔ لیکن یہ صرف اگلے دن ہے۔ اگر آپ ایک ماہ بعد دوبارہ اس سے پوچھیں گے تو وہ واپس آکر کہے گی کہ وہ ذہین اور مختص چاہتی ہے۔

اگر آپ کو پچھلے پیر اگراف میں الجھن محسوس ہوئی تو آپ کو معاف کیا جاسکتا ہے۔ یہ الجھن کا باعث ہے: مریم کہتی ہے کہ وہ ایک خاص قسم کا شخص چاہتی ہے۔ لیکن پھر اسے انتخاب کا ایک کمرہ دیا جاتا ہے اور وہ کسی ایسے شخص سے ملتی ہے جسے وہ واقعی پسند کرتی ہے، اور اس لمحے میں وہ اپنا ذہن کمل طور پر تبدیل کر دیتی ہے کہ وہ کس طرح کا شخص چاہتی ہے۔ لیکن پھر ایک مہینہ گزر جاتا ہے، اور وہ اس پروپریٹی کی وجہ سے جو اس نے اصل میں کہا تھا کہ وہ چاہتی ہے۔ مریم واقعی ایک مرد میں کیا چاہتی ہے؟

"میں نہیں جانتا،" آنگر نے کہا جب میں نے اس سے یہ سوال پوچھا۔ "کیا اصلی میں وہی ہوں جسے میں نے پہلے بیان کیا تھا؟"

وہ رکی اور فسمان بولا: "نہیں، اصل میں وہی ہوں جو میں اپنے اعمال سے ظاہر ہوتا ہوں۔ ایک ماہر معاشیات یہی کہے گا۔

آنگر حیران دکھائی دے رہا تھا۔ "میں نہیں جانتا کہ ایک ماہر نفیسیات کیا کہے گا۔"

وہ متفق نہیں ہو سکتے تھے۔ لیکن پھر، اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک صحیح جواب نہیں ہے۔ مریم کو ایک خیال ہے کہ وہ

ایک مرد میں کیا چاہتی ہے، اور یہ خیال غلط نہیں ہے۔ یہ صرف نامکمل ہے۔ جس وضاحت سے وہ شروع کرتی ہے وہ اس کا شعوری آئینڈ میل ہے: جب وہ پیشہ کیا چاہتی ہے اور سوچتی ہے تو وہ کیا چاہتی ہے۔

اس کے بارے میں۔ لیکن جس چیز کے بارے میں وہ اتنی یقین سے نہیں کہ سمجھ سکتیں وہ وہ معیار ہیں جو وہ کسی سے آمنے سامنے ملنے کے پہلے ہی لمحے میں اپنی ترجیحات تشکیل دینے کے لئے استعمال کرتی ہیں۔ یہ معلومات بند دروازے کے پیچھے ہیں۔

بریڈن کو پیشہ ور کھلاڑیوں کے ساتھ اپنے کام میں اسی طرح کا تجربہ ہوا ہے۔ گزشتہ برسوں کے دوران، انہوں نے دنیا کے زیادہ سے زیادہ ٹاپ ٹینس کھلاڑیوں سے بات کی ہے، ان سے سوالات پوچھے ہیں کہ وہ کیوں اور کیسے کھیلتے ہیں، اور ہمیشہ وہ مایوس ہو کر چلے جاتے ہیں۔ بریڈن کا کہنا ہے کہ "ہم نے ٹاپ پلیئرز کے ساتھ جو بھی تحقیق کی ہے اس میں سے ہمیں ایک بھی ایسا کھلاڑی نہیں ملا جو یہ جاننے اور وضاحت کرنے میں مستقل مزاج ہو کہ وہ کیا کرتا ہے۔" وہ مختلف اوقات میں مختلف جوابات دیتے ہیں، یا ان کے پاس ایسے جوابات ہیں جو صرف معنی خیز نہیں ہیں۔ "مثال کے طور پر وہ ٹینس کے ٹاپ کھلاڑیوں کی ویدیو ٹیپ کرتے ہیں اور پھر ان کی حرکات و سکنات کو ڈیجیٹائز کرتے ہیں اور انہیں کمپیوٹر پر فریم بہ فریم توڑ دیتے ہیں تاکہ انہیں معلوم ہو سکے کہ پیٹ سپراس اپنے کندھے کو کراس کورٹ بیک پینڈ پر کتنے درجے گھماتے ہیں۔

بریڈن کی ڈیجیٹل ویدیو ٹیپس میں سے ایک ٹینس کے عظیم کھلاڑی آندرے اگاسی کی فور پینڈ مارتے ہوئے ہے۔ تصویر اتار دی گئی ہے۔ اگاسی کو ایک ڈبی میں تبدیل کر دیا گیا ہے، تاکہ جیسے ہی وہ گیند کو مارنے کے لئے حرکت کرتا ہے، اس کے جسم کے ہر جوڑ کی حرکت واضح طور پر نظر آتی ہے اور قابل پیمائش ہوتی ہے۔ اگاسی ٹیپ اس بات کی ایک بہترین مثال ہے کہ ہم اس وقت کس طرح برداشت کرتے ہیں۔ بریڈن کا کہنا ہے کہ "دنیا کا تقریباً ہر کھلاڑی کہتا ہے کہ جب وہ فور پینڈ مارتا ہے تو وہ اپنی کلائی کا استعمال گیند پر ریکیٹ کو گھمانے کے لیے کرتا ہے۔" کیوں؟ وہ کیا دیکھ رہے ہیں؟ دیکھو" اور یہاں بریڈن اسکرین کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ "دیکھو وہ گیند کو کب مارتا ہے؟ ہم ڈیجیٹل اسیجنگ کے ساتھ بتاسکتے ہیں کہ کلائی ڈگری کے آٹھویں حصے میں تبدیل ہوتی ہے یا نہیں۔

لیکن کھلاڑی تقریباً بھی بھی اپنی کلائی نہیں ہلاتے ہیں۔ دیکھو یہ کتنا طے شدہ ہے۔ وہ گیند لگنے کے بعد تک اپنی کلائی نہیں ہلاتا ہے۔ وہ سوچتا ہے کہ وہ اسے اثر سے حرکت دے رہا ہے، لیکن وہ اصل میں اثر کے طویل عرصے بعد تک اسے حرکت نہیں دے رہا ہے۔ اتنے سارے لوگوں کو کیسے بیو قوف بنایا جا سکتا ہے؟ لوگ کو چڑکے پاس جا رہے ہیں اور سینکڑوں ڈال را دا کر رہے ہیں تاکہ انہیں یہ سکھایا جا سکے کہ گیند کے اوپر اپنی کلائی کو کس طرح گھمنا ہے، اور جو کچھ ہو رہا ہے وہ یہ ہے کہ بازو پر لگنے والی چوٹوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔

بریڈن نے بیس بال کھلاڑی ٹیڈ ولیمز کے ساتھ بھی یہی مسئلہ پایا۔ ولیمز شاید اب تک کے سب سے بڑے ہٹر تھے، ایک ایسا شخص جو مارنے کے فن میں اپنے علم اور بصیرت کی وجہ سے قابل احترام تھا۔ ایک بات جو وہ ہمیشہ کہتے تھے وہ یہ تھی کہ وہ گیند کو بلے پر دیکھ سکتے ہیں، تاکہ وہ اسے اس مقام تک ٹریک کر سکیں جہاں انہوں نے رابطہ کیا تھا۔ لیکن بریڈن ٹینس میں اپنے کام سے جانتے تھے کہ یہ ناممکن ہے۔ ٹینس گیند کی پرواز کے آخری پانچ فٹ میں ایک کھلاڑی کی طرف، گیند بہت قریب ہوتی ہے اور اتنی تیزی سے حرکت کرتی ہے کہ اسے دیکھا نہیں جا سکتا۔ کھلاڑی، اس وقت، موثر طور پر نابینا ہے۔ بیس بال کے ساتھ بھی ایسا ہی ہے۔ بلے پر کوئی گیند نہیں دیکھ سکتا۔ بریڈن کا کہنا ہے کہ "میں نے ایک بار ٹیڈ ولیمز سے ملاقات کی تھی۔" ہم دونوں سیئرز کے لئے کام کرتے تھے اور دونوں ایک ہی ایونٹ میں شرکت کر رہے تھے۔ میں نے کہا، جی، ٹیڈ۔ ہم نے صرف ایک مطالعہ کیا جس سے پہتہ چلا کہ انسان بلے پر گیند کا سراغ نہیں لگا سکتے ہیں۔ یہ تین ملی سینئنڈ کا واقعہ ہے۔ اور وہ ایماندار تھا۔ اس نے کہا، اٹھیک ہے، مجھے لگتا ہے کہ میں ایسا کر سکتا ہوں۔"

ٹیڈ ولیمز تاریخ میں کسی بھی شخص کی طرح بیس بال کو بھی نشانہ بنایا سکتے تھے، اور وہ پورے اعتماد کے ساتھ وضاحت کر سکتے تھے کہ یہ کیسے کرنا ہے۔ لیکن اس کی وضاحت اس کے اعمال سے میل نہیں کھاتی تھی، بالکل اسی طرح جیسے مریم کی وضاحت کہ وہ ایک آدمی میں کیا چاہتی ہے ضروری نہیں کہ وہ اس وقت کس کی طرف راغب ہوئی ہو۔ بحیثیت انسان ہمیں کہانی سنانے کا مسئلہ درپیش ہے۔ ہم ان چیزوں کی وضاحت کرنے میں تھوڑا جلدی کرتے

ہیں جن کے لئے ہمارے پاس واقعی وضاحت نہیں ہے۔

کئی سال پہلے ماہر نفسیات نارمن آر ایف مارنے ایک کمرے کی چھت سے دو لمبی رسیاں لٹکا دیں جو ہر طرح کے مختلف اوزاروں، اشیاء اور فرنچیز سے بھری ہوئی تھیں۔ رسیاں اتنی دور تھیں کہ اگر آپ

ایک رسی کے سرے کو تھامے ہوئے، آپ اتنی قریب نہیں پہنچ سکتے تھے کہ دوسری رسی کو پکڑ سکیں۔ کمرے میں آنے والے ہر شخص سے ایک ہی سوال پوچھا گیا: آپ ان دور سیوں کے سروں کو ایک ساتھ باندھنے کے کتنے مختلف طریقے نکال سکتے ہیں؟ اس مسئلے کے چار ممکنہ حل ہیں۔ ایک یہ ہے کہ ایک رسی کو جہاں تک ممکن ہو دوسری رسی کی طرف بڑھایا جائے، اسے کسی چیز جیسے کر سی پر لنگر انداز کیا جائے اور پھر جا کر دوسری رسی حاصل کی جائے۔ دوسری یہ ہے کہ تیسرا لمباٹی لی جائے، جیسے تو سیعی رسی، اور اسے رسیوں میں سے ایک کے سرے سے باندھ دیں تاکہ یہ دوسری رسی تک پہنچنے کے لئے کافی لمبی ہو۔ تیسرا حکمت عملی یہ ہے کہ ایک رسی کو ایک ہاتھ میں پکڑیں اور دوسری رسی کو اپنی طرف کھینچنے کے لئے ایک آ لے، جیسے لمبے کھمبے کا استعمال کریں۔ ماڑنے جو پایا وہ یہ ہے کہ زیادہ تر لوگوں نے ان تین حلوں کو بہت آسانی سے سمجھ لیا۔ لیکن چوتھا حل یہ تھا کہ ایک رسی کو پینڈولم کی طرح آگے پیچھے گھماایا جائے اور پھر دوسری رسی کو پکڑ لیا جائے۔ باقی سب حیران رہ گئے۔ ماڑنے انہیں دس منٹ تک بیٹھنے دیا اور پھر بغیر کچھ کہے کمرے میں کھڑکی کی طرف چلا گیا اور آسانی سے ایک رسی کو برش کیا اور اسے آگے پیچھے حرکت میں لا یا۔ یقیناً، اس کے ایسا کرنے کے بعد، زیادہ تر لوگوں نے اچانک کہا کہ آہا! اور پینڈولم حل کے ساتھ آیا۔ لیکن جب ماڑنے ان تمام لوگوں سے پوچھا کہ وہ اس کا اندازہ کیسے لگا، تو ان میں سے صرف ایک نے صحیح وجہ بتائی۔ جیسا کہ ماڑنے لکھا: "انہوں نے اس طرح کے بیانات دیے: 'یہ ابھی مجھ پر طلوع ہوا ہے۔ صرف یہی چیز باقی رہ گئی تھی۔' مجھے ابھی احساس ہوا کہ اگر میں نے اس پر وزن باندھ لیا تو رسی جھوول جائے گی۔" اشاید فرزکس کے کسی کورس نے مجھے یہ تجویز کیا تھا۔ "میں نے ڈوری کو یہاں لانے کا ایک طریقہ سوچنے کی کوشش کی، اور واحد راستہ یہ تھا کہ اسے جھولا دیا جائے۔ نفیسات کے ایک پروفیسر نے اس طرح رپورٹ کیا: 'باقی سب کچھ ختم کرنے کے بعد، اگلی چیز اسے تبدیل کرنا تھا۔ میں نے دریا کے پار جھولنے کی صورتحال کے بارے میں سوچا۔ میرے پاس درختوں سے جھولتے ہوئے بندروں کی تصاویر تھیں۔ یہ تصویر حل کے ساتھ ساتھ نمودار

ہوئی۔ یہ خیال مکمل دکھائی دے رہا تھا۔ "اتنی قریب نہیں جاسکتا کہ دوسری رسی کو پکڑ سکے۔ کمرے میں آنے والے ہر شخص سے ایک ہی سوال پوچھا گیا: آپ ان دور سیوں کے سروں کو ایک ساتھ باندھنے کے کتنے مختلف طریقے نکال سکتے ہیں؟ اس مسئلے کے چار ممکنہ حل ہیں۔ ایک یہ ہے کہ ایک رسی کو جہاں تک ممکن ہو دوسری رسی کی طرف بڑھایا جائے، اسے کسی چیز جیسے کر سی پر لنگر انداز کیا جائے اور پھر جا کر دوسری رسی حاصل کی جائے۔ دوسری یہ ہے کہ تیسرا لمبائی لی جائے، جیسے تو سیمی رسی، اور اسے رسیوں میں سے ایک کے سرے سے باندھ دیں تاکہ یہ دوسری رسی تک پہنچنے کے لئے کافی لمبی ہو۔ تیسرا حکمت عملی یہ ہے کہ ایک رسی کو ایک ہاتھ میں پکڑیں اور دوسری رسی کو اپنی طرف کھینچنے کے لئے ایک آلے، جیسے لمبے کھمبے کا استعمال کریں۔ ماڑنے جو پایا وہ یہ ہے کہ زیادہ تر لوگوں نے ان تین حلوں کو بہت آسانی سے سمجھ لیا۔ لیکن چوتھا حل یہ تھا کہ ایک رسی کو پینڈولم کی طرح آگے پیچھے گھما یا جائے اور پھر دوسری رسی کو پکڑ لیا جائے۔ باقی سب حیران رہ گئے۔ ماڑنے انہیں دس منٹ تک بیٹھنے دیا اور پھر بغیر کچھ کہے کمرے میں کھڑکی کی طرف چلا گیا اور آسانی سے ایک رسی کو برش کیا اور اسے آگے پیچھے حرکت میں لا یا۔ یقیناً، اس کے ایسا کرنے کے بعد، زیادہ تر لوگوں نے اچانک کہا کہ آہا! اور پینڈولم حل کے ساتھ آیا۔ لیکن جب ماڑنے نے ان تمام لوگوں سے پوچھا کہ وہ اس کا اندازہ کیسے لگا، تو ان میں سے صرف ایک نے صحیح وجہ بتائی۔ جیسا کہ ماڑنے لکھا: "انہوں نے اس طرح کے بیانات دیے: 'یہ ابھی مجھ پر طلوع ہوا ہے۔' صرف یہی چیز باقی رہ گئی تھی۔" مجھے ابھی احساس ہوا کہ اگر میں نے اس پر وزن باندھ لیا تو رسی جھوول جائے گی۔ اشاید فرکس کے کسی کورس نے مجھے یہ تجویز کیا تھا۔" میں نے ڈوری کو یہاں لانے کا ایک طریقہ سوچنے کی کوشش کی، اور واحد راستہ یہ تھا کہ اسے جھوپا دیا جائے۔ نفیسیات کے ایک پروفیسر نے اس طرح رپورٹ کیا: "باقی سب کچھ ختم کرنے کے بعد، اگلی چیز اسے تبدیل کرنا تھا۔ میں نے دریا کے پار جھولنے کی صورت حال کے بارے میں سوچا۔ میرے پاس درختوں سے جھولتے ہوئے بندروں کی تصاویر تھیں۔ یہ تصویر حل کے ساتھ ساتھ نمودار ہوئی۔ یہ خیال مکمل نظر آتا ہے۔"

کیا یہ لوگ جھوٹ بول رہے تھے؟ کیا انہیں یہ تسلیم کرنے میں شرم آتی ہے کہ وہ اشارہ ملنے کے بعد ہی مسئلہ حل کر سکتے ہیں؟ بلکل بھی نہیں۔ یہ صرف اتنا ہے کہ ماڑ کا اشارہ اتنا لطیف تھا کہ اسے اٹھا لیا گیا تھا۔

صرف لا شوری سطح پر۔ یہ بند دروازے کے پچھے عمل کیا گیا تھا، لہذا، جب وضاحت کے لئے دباو ڈالا گیا، تو مائر کے رعایا صرف وہی کر سکتے تھے جو انہیں سب سے زیادہ قابل قبول لگتا تھا۔

یہ وہ قیمت ہے جو ہم بند دروازے کے بہت سے فوائد کے لئے ادا کرتے ہیں۔ جب ہم لوگوں سے ان کی سوچ کی وضاحت کرنے کے لئے کہتے ہیں۔ خاص طور پر وہ سوچ جو لا شور سے آتی ہے۔ تو ہمیں محتاط رہنے کی ضرورت ہے کہ ہم ان کے جوابات کی تشریع کیسے کرتے ہیں۔ جب رومانس کی بات آتی ہے، یقیناً، ہم اسے سمجھتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ ہم منطقی طور پر بیان نہیں کر سکتے ہیں کہ ہم کس طرح کے شخص سے محبت کریں گے: یہی وجہ ہے کہ ہم تاریخوں پر جاتے ہیں۔ اس بارے میں اپنے نظریات کو جانچنے کے لئے کہ کون ہمیں راغب کرتا ہے۔ اور ہر کوئی جانتا ہے کہ آپ کو ایک ماہر دکھانا بہتر ہے۔ نہ کہ صرف آپ کو یہ بتانا کہ ٹینس یا گالف یا مو سیقی کا ساز کیسے کھیلنا ہے۔ ہم مثال کے ذریعہ اور براہ راست تجربے سے سمجھتے ہیں کیونکہ زبانی ہدایات کی مناسبت کی حقیقی حدود ہیں۔ لیکن ہماری زندگی کے دیگر پہلوؤں میں، مجھے یقین نہیں ہے کہ ہم ہمیشہ بند دروازے کے اسرار اور کہانی سنانے کے مسئلے کے خطرات کا احترام کرتے ہیں۔ ایسے اوقات ہوتے ہیں جب ہم وضاحت کا مطالبہ کرتے ہیں جب وضاحت واقعی ممکن نہیں ہوتی ہے، اور، جیسا کہ ہم اس کتاب کے اگلے ابواب میں تلاش کریں گے، ایسا کرنے کے سنگین نتائج ہو سکتے ہیں۔ ماہر نفسیات جوشوا آرونسن کا کہنا ہے کہ "اوچے سمپسون کے فیصلے کے بعد ایک نجٹی وی پر نمودار ہوا اور مکمل یقین کے ساتھ کہا کہ 'ریس کامیرے فیصلے سے کوئی لینا دینا نہیں تھا۔'" لیکن زمین پر وہ یہ کیسے جان سکتا ہے؟ پرانمنگ ریس اور ٹیسٹ کی کار کردگی کے بارے میں میری تحقیق، اور رکاوٹ ڈالنے والوں کے ساتھ بارگ کی تحقیق، اور رسیوں کے ساتھ مائر کے تجربے سے پتہ چلتا ہے کہ لوگ ان چیزوں سے لا علم ہیں جو ان کے اعمال کو متاثر کرتی ہیں، پھر بھی وہ شاذ و نادر ہی جاہل محسوس کرتے ہیں۔ ہمیں اپنی جہالت کو تسلیم کرنے کی ضرورت ہے اور زیادہ سے زیادہ ایسیں نہیں جانتا کہنے کی ضرورت ہے۔

یقیناً مائر کے تجربے میں ایک دوسرا، اتنا ہی تینتی سبق ہے۔ اس کی رعایا حیران رہ گئی تھی۔ وہ ماہیوں تھے۔ وہ وہاں دس منٹ تک بیٹھے رہے، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ان میں سے بہت سے لوگوں نے محسوس کیا کہ وہ ایک اہم امتحان میں ناکام ہو رہے ہیں، کہ انہیں احمق کے طور پر بے نقاب کیا گیا ہے۔ لیکن وہ احمق نہیں تھے۔ کیوں نہیں؟ چونکہ اس کمرے میں ہر ایک کا ایک نہیں بلکہ دودماغ تھے، اور جب تک ان کا شعوری ذہن بند تھا، ان کا لاشعور کمرے کو اسکین کر رہا تھا، امکانات کی چھان بین کر رہا تھا، ہر قابل تصور سراغ پر عمل کر رہا تھا۔ اور جیسے ہی اسے اس کا جواب مل گیا، اس نے خاموشی سے اور یقینی طور پر حل کی طرف ان کی رہنمائی کی۔

باب سوم

وارن ہارڈنگ کی غلطی: ہم لمبے، سیاہ اور خوبصورت مردوں سے کیوں محبت کرتے ہیں

1899ء میں صبح سویرے اوہائیو کے شہر رچ ووڈ میں گلوب ہوٹل کے عقبی باغ میں دو افراد کی ملاقات اس وقت ہوئی جب ان کے جوتے چمک رہے تھے۔ ان میں سے ایک ریاست کے دارالحکومت کو لمبس سے تعلق رکھنے والا ایک وکیل اور لابیسٹ تھا۔ اس کا نام ہیری ڈو گرٹی تھا۔ وہ ایک موٹے، سرخ چہرے والا شخص تھا جس کے بال سیدھے سیاہ تھے، اور وہ ذہین تھا۔ وہ اوہائیو کی سیاست کے میکیاولی تھے، پردے کے پیچھے کلاسیک فلسر، کردار کے ایک ہوشیار اور بصیرت افروز جیکم از کم، سیاسی موقع تھے۔ دوسرا شخص اوہائیو کے چھوٹے سے قصبے ماریون سے تعلق رکھنے والے اخبار کا ایڈیٹر تھا، جو اس وقت اوہائیو اسٹیٹ سینیٹ کا لیکشن جیتنے سے ایک ہفتہ دور تھا۔ اس کا نام وارن ہارڈنگ تھا۔ ڈو گرٹی نے ہارڈنگ کی طرف دیکھا اور جو کچھ اس نے دیکھا اس سے فوری طور پر منتاثر ہوا۔ جیسا کہ صحافی مارک سلیون نے باغ میں اس لمحے کے بارے میں لکھا ہے:

ہارڈنگ دیکھنے کے لائق تھی۔ اس وقت ان کی عمر تقریباً 35 سال تھی۔ ان کے سر، خدوخال، کندھوں اور دھڑکا سائز ایسا تھا جس نے لوگوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرائی۔ ایک دوسرے کے ساتھ ان کے تناسب نے ایک ایسا اثر ڈالا جو کسی بھی مرد میں خوبصورت کی اصطلاح سے کہیں زیادہ جواز فراہم کرتا تھا۔ بعد کے سوالوں میں، جب وہ اپنی مقامی دنیا سے باہر جانا جانے لگا، تلفظ "رو من" کبھی کبھار اس کی وضاحت میں استعمال کیا جاتا تھا۔ جیسے ہی وہ اسٹینڈ سے نیچے اترتا، اس کی ٹانگوں نے اس کے جسم کے حیرت انگیز اور قابل قبول تناسب کو ظاہر کیا۔ اور اس کے پیروں پر اس کا ہلکا پن، اس کی آسانی سے برداشت، جسمانی فضل اور مردانہ

صلاحیت کے تاثر میں اضافہ کرتی تھی۔ ان کی نرمی، ان کے بڑے فریم، اور ان کی بڑی، چوڑی چمکتی ہوئی آنکھیں، بھاری سیاہ بال، اور نمایاں کانسی کی رنگت نے انہیں ایک ہندوستانی کی خوبصورتی میں کچھ اضافہ کیا۔ جب اس نے اپنی نشست دوسرے گاہک کے حوالے کر دی تو اس کی شائستگی نے تمام انسانیت کے ساتھ حقیقی دوستی کا اشارہ دیا۔ اس کی آواز نمایاں طور پر گونجدار، مردانہ، گرم تھی۔ بوٹ بلیک کی وہ سکلی کی وجہ میں اس کی خوشی ایک چھوٹے سے قصہ کے آدمی میں غیر معمولی کپڑوں کے بارے میں شعور کی عکاسی کرتی ہے۔ ان کے انداز سے پتہ چلتا تھا کہ وہ سخنی نیک نیتی، خوشی دینے کی خواہش، جسمانی تندرستی اور دل کی خلوص پر مبنی ہیں۔

اسی لمحے جب ڈو گرٹی نے ہارڈنگ کو بڑا کیا تو ان کے ذہن میں ایک خیال آیا جو امریکی تاریخ کو تبدیل کر دے گا:
کیا وہ شخص ایک عظیم صدر نہیں بنے گا؟

وارن ہارڈنگ کوئی خاص ذہین آدمی نہیں تھا۔ وہ پوکر اور گالف کھلینا اور شراب پینا اور سب سے زیادہ، خواتین کا تعاقب کرنا پسند کرتا تھا۔ درحقیقت، اس کی جنسی بھوک افسانے کا سامان تھی۔ جب وہ ایک سیاسی عہدے سے دوسرے سیاسی عہدے پر پہنچے تو انہوں نے کبھی بھی خود کو ممتاز نہیں کیا۔ وہ پالیسی کے معاملات میں مہم اور مہم تھے۔ ان کی تقریروں کو ایک بار "ایک خیال کی تلاش میں منظر نامے پر گھونٹے والے دھوم دھام والے جملے کی ایک فوج" کے طور پر بیان کیا گیا تھا۔ منتخب ہونے کے بعد

1914ء میں امریکی سینیٹ میں وہ خواتین کے حق رائے دہی اور پابندی کے موضوع پر ہونے والی بحث میں غیر حاضر رہے جو ان کے دور کے دو سب سے بڑے سیاسی مسائل تھے۔ انہوں نے اوہا یو کی مقامی سیاست سے صرف اس وجہ سے ترقی کی کیونکہ انہیں ان کی اہلیہ فلورنس نے دھکا دیا تھا، اور اسٹیچ کا انتظام ہیری ڈو گرٹی نے کیا تھا اور چونکہ، جیسے جیسے وہ بڑے ہوتے گئے، وہ زیادہ سے زیادہ ممتاز نظر آنے لگے۔ ایک بار، ایک ضیافت میں، ایک حامی نے چیخ کر کہا، "کیوں، ایک کتبیا کا بیٹا سینیٹر کی طرح لگتا ہے"، اور اس نے ایسا ہی کیا۔ ہارڈنگ کے سوانح نگار فرانس رسی لکھتے ہیں کہ درمیانی عمر میں ان کی چمکدار کالی بھنویں ان کے فولادی بھورے بالوں کے بر عکس

مختصر

طااقت کا اثر دیتے ہوئے، اس کے بڑے کندھوں اور کانی کی رنگت نے صحبت کا اثر دیا۔ رسمل کے مطابق ہارڈنگ ٹو گا لگ سکتے تھے اور جو لیس سیزر کی پروڈکشن میں اسٹچ پر قدم رکھ سکتے تھے۔ ڈوگرٹی نے ہارڈنگ کو 1916 کے ریپبلکن صدارتی کنو نشن سے خطاب کرنے کا انتظام کیا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ لوگوں کو صرف ہارڈنگ کو دیکھنا اور اس شاندار آواز کو سننا ہو گاتا کہ وہ اعلیٰ عہدے کے لئے ان کی اہلیت کا یقین کر سکیں۔ 1920 میں، ڈوگرٹی نے ہارڈنگ کے بہتر فیصلے کے خلاف ہارڈنگ کو وائٹ ہاؤس کا انتخاب لڑنے کے لئے راضی کیا۔ ڈوگرٹی غیر جانبدار نہیں تھا۔ وہ سمجھیدہ تھا۔ رسمل کے مطابق ہارڈنگ ٹو گا لگ سکتے تھے اور جو لیس سیزر کی پروڈکشن میں اسٹچ پر قدم رکھ سکتے تھے۔ ڈوگرٹی نے ہارڈنگ کو 1916 کے ریپبلکن صدارتی کنو نشن سے خطاب کرنے کا انتظام کیا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ لوگوں کو صرف ہارڈنگ کو دیکھنا اور اس شاندار آواز کو سننا ہو گاتا کہ وہ اعلیٰ عہدے کے لئے ان کی اہلیت کا یقین کر سکیں۔ 1920 میں، ڈوگرٹی نے ہارڈنگ کے بہتر فیصلے کے خلاف ہارڈنگ کو وائٹ ہاؤس کا انتخاب لڑنے کے لئے راضی کیا۔ ڈوگرٹی غیر جانبدار نہیں تھا۔ وہ سمجھیدہ تھا۔

سلیوں لکھتے ہیں کہ 'جب سے دونوں کی ملاقات ہوئی ہے، ڈوگرٹی نے اپنے ذہن میں یہ خیال پیدا کر لیا تھا کہ ہارڈنگ ایک 'عظیم صدر' بنیں گے۔' کبھی کبھی، لاشعوری طور پر، ڈوگرٹی نے درستگی کے ساتھ زیادہ وفاداری کے ساتھ، ایک عظیم نظر آنے والے صدر کا اظہار کیا۔ ہارڈنگ نے اس موسم گرمائیں ریپبلکن کنو نشن میں چھ کے میدان میں چھٹے نمبر پر داخلہ لیا۔ ڈوگرٹی کو کوئی پرواہ نہیں تھی۔ کنو نشن دوسر کردہ امیدواروں کے درمیان تعطل کا شکار تھا، لہذا، ڈوگرٹی نے پیش گوئی کی، مندو بین تبادل تلاش کرنے پر مجبور ہوں گے۔ اگر وہ اس ماہیوس کن لمحے میں اس شخص کی طرف نہیں جاتے جس نے عام فہم اور وقار کا اظہار کیا اور وہ سب کچھ صدارتی تھاتو وہ کس کی طرف رجوع کریں گے؟ صح سویرے جب وہ شکا گو کے بلیک اسٹوں ہو ٹل کے دھوئیں سے بھرے کمروں میں جمع ہوئے تو ریپبلکن پارٹی کے سربراہوں نے ہاتھ اٹھا کر پوچھا کہ کیا کوئی ایسا امیدوار نہیں تھا جس پر وہ سب

متفق ہو سکیں؟ اور فوری طور پر ایک نام ذہن میں آیا: ہارڈنگ! کیا وہ صرف صدارتی امیدوار کی طرح نظر نہیں آتے تھے؟ چنانچہ سینیٹر ہارڈنگ امیدوار ہارڈنگ بن گئے اور بعد میں اوہائیو کے شہر ماریون میں ان کے سامنے والے برآمدے سے انتخابی مہم چلانے کے بعد امیدوار ہارڈنگ صدر ہارڈنگ بن گئے۔ ہارڈنگ نے فالج سے غیر متوقع طور پر مرنے سے پہلے دو سال خدمات انجام دیں۔ زیادہ تر مورخین اس بات سے اتفاق کرتے ہیں کہ وہ امریکی تاریخ کے بدترین صدور میں سے ایک تھے۔

۱. تھن سلاسنسنگ کا تاریک پہلو اب تک، میں نے پلک میں اس بارے میں بات کی ہے کہ غیر معمولی طور پر طاقتور پتلی ٹکڑوں کو کس طرح ممکن بنایا جا سکتا ہے، اور جو چیز پتلی کاٹنے کو ممکن بناتی ہے وہ یہ ہے کہ ہم بہت تیزی سے کسی صورتحال کی سطح سے نیچے جانے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ تھامس ہوونگ اور ایولین ہیریسین اور آرٹ کے ماہرین فوری طور پر جعل ساز کے فن پارے کے پیچھے دیکھنے کے قابل ہو گئے۔ سون اور بل، شروع میں، ایک خوش، محبت کرنے والے جوڑے کا مجسمہ لگ رہے تھے۔ لیکن جب ہم نے ان کی بات چیت کو قریب سے سنا اور ثابت اور منقی جذبات کے تناسب کی پیمائش کی، تو ہمیں ایک مختلف کہانی ملی۔ نلسن امباؤی کی تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ اگر ہم دیوار اور سفید کوٹ پر موجود ڈپلومہ سے آگے بڑھیں اور اس کی آواز کے لمحے پر توجہ مرکوز کریں تو ہم سرجن کے مقدمے کے امکانات کے بارے میں کتنا جان سکتے ہیں۔ لیکن کیا ہوتا ہے اگر سونچ کی اس تیز رفتار زنجیر میں کسی طرح خلل پڑ جائے؟ کیا ہو گا اگر ہم سطح سے نیچے جانے کے بغیر فوری فیصلے تک پہنچ جائیں؟

پچھلے باب میں میں نے جان بارگ کے تجربات کے بارے میں لکھا تھا جس میں انہوں نے دکھایا تھا کہ ہمارے کچھ الفاظ (مثال کے طور پر "فلوریڈا"، "گرے"، "جھریاں" اور "بنگو") کے ساتھ اتنے طاقتور تعلقات ہیں کہ صرف ان کے سامنے آنے سے ہمارے رویے میں تبدیلی آسکتی ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ لوگوں کی ظاہری شکل کے بارے میں حقائق موجود ہیں۔ ان کا سائز یا شکل یا رنگ یا جنس۔ جو طاقتور انجمنوں کے ایک بہت ہی مماثل سیٹ کو تحریک کر سکتے ہیں۔ وارن ہارڈنگ کو دیکھنے والے بہت سے لوگوں نے دیکھا کہ وہ کتنا غیر معمولی خوبصورت اور

متاز نظر آتا ہے اور فوری اور مکمل طور پر غیر ضروری نتیجے پر پہنچ گیا کہ وہ ایک بہادر آدمی تھا اور

ذہانت اور دیانت داری۔ انہوں نے سطح کے نیچے کھدائی نہیں کی۔ جس انداز میں وہ نظر آتا تھا اس میں اتنے طاقتوں معنی تھے کہ اس نے اپنی پڑیوں پر مردہ سوچنے کے معمول کے عمل کروک دیا۔

وارن ہارڈنگ کی غلطی تیزی سے ادراک کا تاریک پہلو ہے۔ یہ تعصب اور امتیازی سلوک کی جڑ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نوکری کے لئے صحیح امیدوار کا انتخاب اتنا مشکل ہے اور کیوں، اس سے کہیں زیادہ موقع پر، جسے ہم تسلیم کرنے کی پرواہ کرتے ہیں، کبھی کبھار انتہائی معمولی ذمہ داریوں کے عہدوں پر ختم ہو جاتے ہیں۔ باریک اور پہلے تاثرات کو سنجیدگی سے لینے کا ایک مطلب یہ ہے کہ بعض اوقات ہم پلک جھپکتے ہی کسی کے بارے میں زیادہ جان سکتے ہیں جتنا ہم مہینوں کے مطالعے کے بعد جان سکتے ہیں۔ لیکن ہمیں ان حالات کو بھی تسلیم کرنا اور سمجھنا ہو گا جب تیزی سے ادراک ہمیں گمراہ کرتا ہے۔

2. بلیک اینڈ وائٹ میں پلکیں جھپکنا، گز شتہ چند سالوں میں، بہت سے ماہرین نفسیات نے اس قسم کے لاشعور کے کردار کو زیادہ قریب سے دیکھنا شروع کر دیا ہے۔ یا، جیسا کہ وہ انہیں کہنا پسند کرتے ہیں، ہمارے عقائد اور طرز عمل میں پوشیدہ وابستگیاں ادا کرتی ہیں، اور زیادہ تر۔

ان کے کام نے ایک بہت ہی دلچسپ آئے پر توجہ مرکوز کی ہے جسے انفلیکٹ ایسوسی ایشن ٹیسٹ (آئی اے ٹی) کہا جاتا ہے۔ آئی اے ٹی کو انہوں نے جی گرین والڈ، ماہزارین بناجی اور برائی نوسک نے تیار کیا تھا، اور یہ بظاہر واضح لیکن پھر بھی کافی گھرے مشاہدے پر منی ہے۔ ہم خیالات کے جوڑوں کے درمیان زیادہ تیزی سے رابطے بناتے ہیں جو ہمارے ذہنوں میں پہلے سے ہی متعلق ہیں جتنا کہ ہم خیالات کے جوڑوں کے درمیان کرتے ہیں جو ہمارے لئے ناواقف ہیں۔ اس کا کیا مطلب ہے؟ میں آپ کو ایک مثال دیتا ہوں۔ ذیل میں الفاظ کی ایک فہرست ہے۔ ایک پنسل یا قلم لیں اور لفظ کے بائیں یاد بائیں طرف چیک مار ک لگا کر ہر نام کو اس زمرے میں تفویض کریں جس سے وہ تعلق رکھتا ہے۔ آپ مناسب کالم میں اپنی انگلی پر ٹیپ کر کے بھی ایسا کر سکتے ہیں۔ جتنی جلدی ممکن ہو اسے

کریں۔ الفاظ کو مت چھوڑیں۔ اور اگر آپ کوئی غلطی کرتے ہیں تو فکر نہ کریں۔ انھوں جی گرین والڈ، ماہر ارین بنائی جی اور برائی نوسک نے اسے تیار کیا ہے اور یہ بظاہر واضح لیکن پھر بھی کافی گہرے مشاہدے پر مبنی ہے۔ ہم خیالات کے جوڑوں کے درمیان زیادہ تیزی سے رابطے بناتے ہیں جو ہمارے ذہنوں میں پہلے سے ہی متعلق ہیں جتنا کہ ہم خیالات کے جوڑوں کے درمیان کرتے ہیں جو ہمارے لئے ناواقف ہیں۔ اس کا کیا مطلب ہے؟ میں آپ کو ایک مثال دیتا ہوں۔ ذیل میں الفاظ کی ایک فہرست ہے۔ ایک پنسل یا قلم لیں اور لفظ کے باعثیں یاد کیں طرف چیک مارک لگا کر ہر نام کو اس زمرے میں تفویض کریں جس سے وہ تعلق رکھتا ہے۔ آپ مناسب کالم میں اپنی انگلی پر ٹیپ کر کے بھی ایسا کر سکتے ہیں۔ جتنی جلدی ممکن ہو اسے کریں۔ الفاظ کو مت چھوڑیں۔ اور اگر آپ کوئی غلطی کرتے ہیں تو فکر نہ کریں۔

یہ آسان تھا، ہے نا؟ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ جب ہم "جان" یا "باب" یا "ہولی" کا نام پڑھتے یا سنتے ہیں تو ہمیں یہ سوچنے کی بھی ضرورت نہیں ہوتی کہ یہ مردانہ نام ہے یا نسوانی نام۔ ہم سب کے پاس جان جیسے پہلے نام اور مرد صنف، یا لیزاجیسے نام اور خواتین کی چیزوں کے درمیان ایک مضبوط سابقہ تعلق ہے۔

یہ ایک وارم اپ تھا۔ اب آئیے ایک حقیقی آئی اے ٹی مکمل کرتے ہیں۔ یہ وارم اپ کی طرح کام کرتا ہے، سوائے اس کے کہ اب میں دو مکمل طور پر الگ الگ زمروں کو ایک ساتھ ملانے جا رہا ہوں۔ ایک بار پھر، ہر لفظ کے دائیں یا بائیں طرف ایک چیک مارک لگائیں، اس زمرے میں جس سے وہ تعلق رکھتا ہے۔

میرا اندازہ یہ ہے کہ آپ میں سے زیادہ تر کو یہ تھوڑا مشکل لگا، لیکن آپ اب بھی الفاظ کو صحیح زمروں میں ڈالنے میں بہت تیز تھے۔ اب یہ کوشش کریں:

کیا آپ نے فرق محسوس کیا؟ یہ ٹیسٹ اس سے پہلے کے مقابلے میں تھوڑا مشکل تھا، ہے نا؟ اگر آپ زیادہ تر لوگوں کی طرح ہیں تو، لفظ "انٹر پرینیور" کو "کیریئر" کے زمرے میں ڈالنے میں آپ کو تھوڑا زیادہ وقت لگا جب

"کیریئر" کو "مرد" کے ساتھ جوڑا گیا تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم میں سے زیادہ تر کے درمیان زیادہ مضبوط ذہنی تعلق ہے۔

مردانہ اور کیریئر پر مبنی تصورات خواتین اور کیریئر سے متعلق خیالات کے درمیان ہم کرتے ہیں۔ "مرد" اور "سرماہی دار" ہمارے ذہنوں میں ایک ساتھ چلتے ہیں جیسا کہ "جان" اور "مرد" نے کیا تھا۔ لیکن جب زمرہ "مرد یا خاندان" ہوتا ہے، تو ہمیں یہ فیصلہ کرنے سے پہلے کہ "مرچٹ" جیسے لفظ کے ساتھ کیا کرنا ہے، ہمیں رکنا اور سوچنا پڑتا ہے۔ چاہے یہ صرف چند سو ملی سینڈ کے لئے ہی کیوں نہ ہو۔

جب ماہر نفسیات آئی اے ٹی کا انتظام کرتے ہیں تو، وہ عام طور پر کاغذ اور پنسل ٹیسٹ کا استعمال نہیں کرتے ہیں جیسا کہ میں نے آپ کو بھی دیا ہے۔ زیادہ تر وقت، وہ اسے کمپیوٹر پر کرتے ہیں۔ الفاظ ایک ایک کر کے اسکرین پر فلیش کیے جاتے ہیں، اور اگر کوئی دیا گیا لفظ باعث ہاتھ کے کالم میں ہے تو، آپ حرف ای کو مارتے ہیں، اور اگر لفظ داعی ہاتھ کے کالم میں ہے تو، آپ حرف ز کو مارتے ہیں۔ کمپیوٹر پر آئی اے ٹی کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ جوابات ملی سینڈ تک قابل پیالش ہوتے ہیں، اور ان پیالشوں کو ٹیسٹ لینے والے کے اسکور کو تفویض کرنے میں استعمال کیا جاتا ہے۔ لہذا، مثال کے طور پر، اگر آپ کو کام / خاندانی آئی اے ٹی کے دوسرے حصے کو مکمل کرنے میں حصہ اول کے مقابلے میں تھوڑا سازیادہ وقت لگاتو، ہم کہیں گے کہ آپ کا مردوں اور افرادی قوت کے مابین اعتدال پسند تعلق ہے۔ اگر آپ کو دوسرے حصہ مکمل کرنے میں بہت زیادہ وقت لگاتو، ہم کہیں گے کہ جب افرادی قوت کی بات آتی ہے تو، آپ کے پاس ایک مضبوط خود کار مردا یوسی ایشن ہے۔

حالیہ برسوں میں ایک تحقیقی آئے کے طور پر آئی اے ٹی کے اتنے مقبول ہونے کی ایک وجہ یہ ہے کہ اس کے اثرات کی پیالش باریک نہیں ہے۔ جیسا کہ آپ میں سے وہ لوگ جنہوں نے مندرجہ بالا کام / فیملی آئی اے ٹی کے دوسرے نصف حصے میں خود کو سست محسوس کیا وہ اس بات کی تصدیق کر سکتے ہیں، آئی اے ٹی ایک ایسا آلہ ہے جو اپنے نتائج کے ساتھ آپ کے سر پر حملہ کرتا ہے۔ گرین والڈ کا کہنا ہے کہ 'جب پہلے سے مضبوط تعلق ہوتا ہے تو لوگ چار سو سے چھ سو ملی سینڈ کے درمیان جواب دیتے ہیں۔ "جب ایسا نہیں ہوتا ہے، تو وہ اس سے دو سو

سے تین سو ملی سینئنڈ زیادہ لگ سکتے ہیں۔ جو اس قسم کے اثرات کے دائرے میں بہت بڑا ہے۔ میرے ایک علمی ماہر نفسیات کے ساتھیوں میں سے ایک نے اسے ایک ایسے اثر کے طور پر بیان کیا ہے جس کی پیمائش آپ سنڈیکل سے کر سکتے ہیں۔

اگر آپ کمپیوٹر انڈ آئی اے ٹی کی کوشش کرنا چاہتے ہیں تو، آپ www.implicit.harvard.edu پر جا سکتے ہیں۔ وہاں آپ کو بہت سے ٹیسٹ میں گے، بشمول تمام آئی اے ٹی میں سب سے مشہور، ریس آئی اے ٹی۔ میں نے کئی موقع پر ریس آئی اے ٹی لیا ہے، اور اس کا نتیجہ ہمیشہ مجھے تھوڑا سا خوفناک محسوس کرتا ہے۔ ٹیسٹ کے آغاز میں، آپ سے پوچھا جاتا ہے کہ سیاہ فاموں اور سفید فاموں کے بارے میں آپ کا رویہ کیا ہے۔ میں نے جواب دیا، جیسا کہ مجھے یقین ہے کہ آپ میں سے زیادہ تر لوگ کریں گے، کہ میں نسلوں کو برابر سمجھتا ہوں۔ اس کے بعد امتحان آتا ہے۔ آپ کو اسے جلدی سے مکمل کرنے کی ترغیب دی جاتی ہے۔ سب سے پہلے وارم آپ آتا ہے۔ اسکرین پر چہروں کی تصاویر کا ایک سلسلہ چلتا ہے۔ جب آپ کو سیاہ چہرہ نظر آتا ہے تو، آپ ای دباتے ہیں اور اسے بائیں ہاتھ کے زمرے میں ڈالتے ہیں۔ جب آپ سفید چہرہ دیکھتے ہیں تو آپ آئی کو دباتے ہیں اور اسے دائیں ہاتھ کے زمرے میں ڈالتے ہیں۔ پلک جھپکنا، پلک جھپکنا: مجھے بالکل سوچنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس کے بعد حصہ اول آتا ہے۔

اور اسی طرح۔ فوراً ہی میرے ساتھ کچھ عجیب ہوا۔ الفاظ اور چہروں کو صحیح زمرے میں ڈالنے کا کام اچانک زیادہ مشکل ہو گیا۔ میں نے خود کو سست پایا۔ مجھے سوچنا پڑا۔ کبھی کبھی میں نے ایک زمرے کو کچھ تفویض کیا جب میں واقعی اسے دوسرے زمرے کو تفویض کرنا چاہتا تھا۔ میں جتنی کوشش کر سکتا تھا کوشش کر رہا تھا، اور میرے ذہن کے پچھلے حصے میں موت کا احساس بڑھ رہا تھا۔ مجھے اتنی پریشانی کیوں ہو رہی تھی جب مجھے "گلوریس" یا "حیرت انگیز" جیسے الفاظ کو "اچھے" کے زمرے میں ڈالنا پڑا جب "اچھا" کو "افریقی امریکی" کے ساتھ جوڑا گیا تھا یا جب مجھے لفظ "برائی" کو "برے" کے زمرے میں ڈالنا پڑا تھا جب "برا" کو "یورپی امریکی" کے ساتھ جوڑا گیا۔

تھا؟ اس کے بعد دوسرا حصہ آیا۔ اس بار زمروں کو الٹ دیا گیا۔

اور اسی طرح۔ اب میری موت اور بھی بڑھ گئی۔ اب مجھے کوئی پریشانی نہیں ہو رہی تھی۔ بد؟ افریقی

امریکی یا براء۔

چوٹ؟ افریقی امریکی یا براشاندار؟ یورپی امریکی

یا اچھا۔

میں نے دوسری بار، پھر تیسرا بار اور پھر چوتھی بار ٹیسٹ دیا، اس امید میں کہ تعصب کا خوفناک احساس دور ہو جائے گا۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑا۔ یہ پتہ چلا ہے کہ ان تمام لوگوں میں سے 80 فیصد سے زیادہ جنہوں نے کبھی ایسا کیا ہے

اس ٹیسٹ کے نتیجے میں سفید فاموں کے حامیوں کی والبستگی اس پائی جاتی ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ جب انہیں اچھے الفاظ کو "سیاہ" کے زمرے میں ڈالنے کی ضرورت ہوتی ہے تو انہیں جوابات مکمل کرنے میں زیادہ وقت لگتا ہے جب انہیں سیاہ فام لوگوں کے ساتھ بری چیزوں کو جوڑنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ میں نے اتنا بر اکام نہیں کیا۔ ریس آئی اے ٹی میں، مجھے "سفید فاموں کے لئے اعتدال پسند خود کار ترجیح" کے طور پر درجہ دیا گیا تھا۔ لیکن پھر، میں آدھا سیاہ ہوں۔ (میری والدہ جمیکا سے تعلق رکھتی ہیں۔ سفید فام انجمیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ جب انہیں اچھے الفاظ کو "سیاہ" کے زمرے میں ڈالنے کی ضرورت ہوتی ہے تو انہیں جوابات مکمل کرنے میں زیادہ وقت لگتا ہے جب انہیں سیاہ فام لوگوں کے ساتھ بری چیزوں کو جوڑنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ میں نے اتنا بر اکام نہیں کیا۔ ریس آئی اے ٹی میں، مجھے "سفید فاموں کے لئے اعتدال پسند خود کار ترجیح" کے طور پر درجہ دیا گیا تھا۔ لیکن پھر، میں آدھا سیاہ ہوں۔ (میری والدہ جمیکا سے تعلق رکھتی ہیں۔

تو اس کا کیا مطلب ہے؟ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ میں ایک نسل پرست، خود سے نفرت کرنے والا سیاہ فام شخص ہوں؟ بالکل نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نسل یا جنس جیسی چیزوں کے بارے میں ہمارا رویہ دو سطھوں پر کام کرتا ہے۔ سب سے پہلے، ہمارے پاس ہمارے شعوری رویے ہیں۔ یہی وہ چیز ہے جس پر ہم یقین کرنے کا انتخاب کرتے

ہیں۔ یہ ہماری بیان کردہ اقدار ہیں، جنہیں ہم جان بوجھ کر اپنے طرز عمل کی ہدایت کرنے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ جنوبی افریقہ کی نسل پرستی کی پالیسیاں یا امریکی جنوب میں وہ قوانین جن کی وجہ سے افریقی امریکیوں کے لیے ووٹ ڈالنا مشکل ہو گیا تھا، شعوری امتیاز کا اظہار ہیں، اور جب ہم نسل پرستی یا شہری حقوق کی لڑائی کے بارے میں بات کرتے ہیں، تو یہ اس قسم کا امتیازی سلوک ہے جس کا ہم عام طور پر حوالہ دیتے ہیں۔ لیکن آئی اے ٹی پچھ اور ہی پیمائش کرتا ہے۔ یہ ہمارے رویے کی دوسری سطح کی پیمائش کرتا ہے، لاشعوری سطح پر ہمارے نسلی رویے کی پیمائش کرتا ہے۔ فوری، خود کار وابستگیاں جو ہمارے سوچنے کا وقت ملنے سے پہلے ہی ختم ہو جاتی ہیں۔ ہم جان بوجھ کر اپنے لاشعوری رویوں کا انتخاب نہیں کرتے۔ اور جیسا کہ میں نے پہلے باب میں لکھا ہے، شاید ہم ان سے واقف بھی نہ ہوں۔ یہ دیو قامت کپیوٹر جو ہمارا لاشعور ہے خاموشی سے ان تمام اعداد و شمار کو جمع کرتا ہے جو ہم نے حاصل کیے ہیں، جن لوگوں سے ہم ملے ہیں، جو سابق ہم نے سکھے ہیں، جو کتابیں ہم نے پڑھی ہیں، جو فلمیں ہم نے دیکھی ہیں، اور یہ ایک رائے تشکیل دیتا ہے۔ یہی بات آئی اے ٹی میں سامنے آرہی ہے۔

ٹیسٹ کے بارے میں پریشان کن بات یہ ہے کہ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ہمارے لاشعوری رویے ہماری بیان کردہ شعوری اقدار سے مکمل طور پر مطابقت نہیں رکھتے ہیں۔ مثال کے طور پر، اب تک جن پچاس ہزار افریقی امریکیوں نے آئی اے ٹی ریس لی ہے، ان میں سے تقریباً آدھے، میری طرح، سیاہ فاموں کے مقابلے میں سفید فاموں کے ساتھ مضبوط تعلقات رکھتے ہیں۔ ہم کیسے نہیں کر سکتے؟ ہم شمالی امریکہ میں رہتے ہیں، جہاں ہم ہر روز سفید فاموں کو اچھائی سے جوڑنے والے ثقافتی پیغامات سے گھرے رہتے ہیں۔ ہارورڈ یونیورسٹی میں نفیسیات کی تعلیم دینے والی اور آئی اے ٹی ریسرچ کے رہنماؤں میں سے ایک ماہزارین بنائی کہتی ہیں کہ "آپ غالب گروپ کے ساتھ ثابت تعلق قائم کرنے کا انتخاب نہیں کرتے۔" لیکن آپ کی ضرورت ہے۔ آپ کے ارد گرد، اس گروپ کو اچھی چیزوں کے ساتھ جوڑا جا رہا ہے۔ آپ اخبار کھولتے ہیں اور آپ ٹیلی ویژن آن کرتے ہیں، اور آپ اس سے نج نہیں سکتے۔

آئی اے ٹی رویوں کی محض ایک تجربیدی پیمائش سے کہیں زیادہ ہے۔ یہ اس بات کا بھی ایک طاقتور پیش گوئی ہے کہ ہم مخصوص قسم کے بے ساختہ حالات میں کس طرح کام کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر، اگر آپ کے پاس سفید فام دل کی حمایت کرنے والا ایک مضبوط نمونہ ہے تو، اس بات کے ثبوت موجود ہیں کہ یہ کسی سیاہ فام شخص کی موجودگی میں آپ کے طرز عمل کو متاثر کرے گا۔ اس سے اس بات پر کوئی اثر نہیں پڑے گا کہ آپ کیا کہنے یا محسوس کرنے یا کرنے کا انتخاب کریں گے۔ تمام امکانات میں، آپ کو معلوم نہیں ہو گا کہ آپ اپنے ارد گرد سے مختلف سلوک کر رہے ہیں۔

سفید فام شخص۔ لیکن امکان یہ ہے کہ آپ تھوڑا سا آگے جھکیں گے، اس سے تھوڑا سا دور رہیں گے، اپنے جسم کو تھوڑا سا بند کریں گے، تھوڑا سا کم اظہار کریں گے، آنکھوں سے کم رابطہ برقرار رکھیں گے، تھوڑا دور کھڑے رہیں گے، بہت کم مسکرائیں گے، اپنے الفاظ پر تھوڑا زیادہ ہچکچائیں گے اور ٹھوکر کھائیں گے، لطیفوں پر تھوڑا سا کم ہنسیں گے۔ کیا اس سے کوئی فرق پڑتا ہے؟ یقیناً یہ کرتا ہے۔ فرض کریں کہ بات چیت ایک نوکری کا انٹرویو ہے۔ اور فرض کریں کہ درخواست دہنده ایک سیاہ فام آدمی ہے۔ وہ اس غیر یقینی صورتحال اور دوری کو محسوس کرنے جا رہا ہے، اور اس سے وہ اپنے بارے میں تھوڑا سا کم یقین، تھوڑا سا کم اعتماد، اور تھوڑا سا کم دوستانہ بن سکتا ہے۔ پھر آپ کیا سوچیں گے؟ آپ کو یہ احساس ہو سکتا ہے کہ درخواست دہنده کے پاس واقعی وہ نہیں ہے جو اس کی ضرورت ہے، یا ہو سکتا ہے کہ وہ تھوڑا سا تعطل کا شکار ہے، یا ہو سکتا ہے کہ وہ واقعی ملازمت نہیں چاہتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ لاشعوری پہلا تاثر کیا کرے گا، وہ یہ ہے کہ انٹرویو کو مایوس کن انداز میں چھوڑ دیا جائے گا۔

یا اگر آپ جس شخص کا انٹرویو کر رہے ہیں وہ لمبا ہے تو کیا ہو گا؟ مجھے یقین ہے کہ شعوری سطح پر ہم یہ نہیں سوچتے کہ ہم لمبے لوگوں کے ساتھ اس سے مختلف سلوک کرتے ہیں جس طرح ہم چھوٹے لوگوں کے ساتھ بر تاؤ کرتے ہیں۔ لیکن اس بات کے بہت سارے ثبوت موجود ہیں کہ اونچائی - خاص طور پر مردوں میں۔ بہت مثبت لاشعوری والستگیوں کا ایک خاص مجموعہ پیدا کرتی ہے۔ میں نے فور چیزوں 500 کی فہرست میں شامل تقریباً نصف کمپنیوں کا سروے کیا۔ ریاستہائے متحدة میں سب سے بڑی کارپوریشنوں کی فہرست۔ ہر کمپنی سے اس کے سی ای او کے بارے میں سوالات پوچھے۔ جیسا کہ مجھے یقین ہے کہ بڑی کمپنیوں کے سربراہ سفید فام افراد کے لیے کوئی تعجب کی بات نہیں ہے، جو بلاشبہ کسی نہ کسی قسم کے تعصب کی عکاسی کرتا ہے۔ لیکن وہ بھی تقریباً سمجھی لمبے ہیں: میرے نمونے میں، میں نے پایا کہ اوسٹا، مرد سی ای او صرف چھ فٹ سے کم قد کے تھے۔ یہ دیکھتے ہوئے کہ اوسط امریکی مرد پانچ فٹ نو ہے، اس کا مطلب ہے کہ ایک گروپ کے طور پر سی ای او زکی باقی جنس پر تقریباً تین انچ

ہوتے ہیں۔ لیکن یہ اعداد و شمار دراصل اس معاملے کو نظر انداز کرتے ہیں۔ امریکی آبادی میں، تمام مردوں میں سے تقریباً 14.5 فیصد چھ فٹ یا لمبے ہیں۔ فارچیون 500 کمپنیوں کے سی ای او ز میں یہ تعداد 58 فیصد ہے۔ اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ عام امریکی آبادی میں، 3.9 فیصد بالغ مرد چھ فٹ دو یا لمبے ہیں۔ میرے سی ای او کے نمونے میں، تقریباً ایک تھائی چھ فٹ دو یا لمبے تھے۔

اعلیٰ انتظامی عہدوں میں خواتین یا اقلیتوں کی کمی کی کم از کم ایک معقول وضاحت موجود ہے۔ برسوں تک، امتیازی سلوک اور ثقافتی نمونوں سے تعلق رکھنے والی متعدد وجوہات کی بنا پر، بہت سی خواتین اور اقلیتیں امریکی کارپوریشنوں کی انتظامی صفوں میں داخل نہیں ہو سکیں۔ لہذا آج جب بورڈ آف ڈائریکٹرز اعلیٰ عہدوں کے امیدوار بننے کے لیے ضروری تجربہ رکھنے والے افراد کی تلاش میں ہیں تو وہ کسی حد تک یہ دلیل دے سکتے ہیں کہ ایگزیکٹو پائپ لائن میں خواتین اور اقلیتوں کی تعداد بہت زیادہ نہیں ہے۔ لیکن یہ سچ نہیں ہے

مختصر لوگوں کا۔ سفید فام مردوں کے ساتھ ایک بڑی کمپنی کو مکمل طور پر ملازم بنانا ممکن ہے، لیکن مختصر لوگوں کے بغیر ایک بڑی کمپنی کو عملہ دینا ممکن نہیں ہے۔ ارد گرد جانے کے لئے کافی لمبے لوگ نہیں ہیں۔ پھر بھی ان مختصر لوگوں میں سے بہت کم کبھی ایگزیکٹو سوت میں جگہ بناتے ہیں۔ پانچ فٹ چھ فٹ سے کم عمر کے لاکھوں امریکی مردوں میں سے، میرے نمونے میں مجموعی طور پر دس افراد سی ای او کی سطح تک پہنچ چکے ہیں، جس کا کہنا ہے کہ مختصر ہونا شاید کارپوریٹ کامیابی کے لئے اتنا ہی رکاوٹ ہے جتنا کہ ایک خاتون یا افریقی امریکی ہونا۔ (ان تمام رجحانات کا سب سے بڑا استثناء امریکن ایکسپریس کے سی ای او کینٹھ چینالٹ ہیں، جو مختصر سائیڈ پر پانچ فٹ نو فٹ اور سیاہ دونوں ہیں۔ وارن ہارڈنگ کی دو غلطیوں پر قابو پانے کے لئے وہ ایک قابل ذکر آدمی ہونا چاہئے۔ چھوٹے لوگوں کے بغیر ایک بڑی کمپنی۔ ارد گرد جانے کے لئے کافی لمبے لوگ نہیں ہیں۔ پھر بھی ان مختصر لوگوں میں سے بہت کم کبھی ایگزیکٹو سوت میں جگہ بناتے ہیں۔ پانچ فٹ چھ فٹ سے کم عمر کے لاکھوں امریکی مردوں میں سے، میرے نمونے میں مجموعی طور پر دس افراد سی ای او کی سطح تک پہنچ چکے ہیں، جس کا کہنا ہے کہ مختصر ہونا شاید

کارپوریٹ کامیابی کے لئے اتنا ہی رکاوٹ ہے جتنا کہ ایک خاتون یا افریقی امریکی ہونا۔ (ان تمام رجحانات کا سب سے بڑا استثناء امریکن ایکسپریس کے سی ای او کینٹھ چینالٹ ہیں، جو مختصر سائیڈ پر پانچ فٹ نو فٹ اور سیاہ دونوں ہیں۔ وہ ایک ہونا چاہئے

واران ہارڈنگ کی دو غلطیوں پر قابو پانے کے لئے قبل ذکر شخص.)

کیا یہ جان بوجھ کر کیا گیا تعصب ہے؟ بالکل نہیں۔ کوئی بھی کسی ممکنہ سی ای او امیدوار کو مسترد کرتے ہوئے کبھی نہیں کہتا کہ وہ بہت چھوٹا ہے۔ یہ بالکل واضح طور پر اس قسم کا لاشعوری تعصب ہے جس پر آئی اے ٹی نے زور دیا ہے۔ ہم میں سے زیادہ تر، ان طریقوں سے جن کے بارے میں ہم مکمل طور پر آگاہ نہیں ہیں، خود بخود قیادت کی صلاحیت کو جسمانی قد کو مسلط کرنے کے ساتھ منسلک کرتے ہیں۔ ہمیں اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ ایک رہنمایا نظر آتا ہے، اور یہ دقیانوںی تصور اتنا طاقتور ہے کہ جب کوئی اس پر پورا اترتا ہے، تو ہم صرف دوسرے خیالات سے اندر ہے ہو جاتے ہیں۔ اور یہ صرف ایگزیکٹو سویٹ تک محدود نہیں ہے۔ کچھ عرصہ قبل، محققین جنہوں نے پیدائش سے بلوغت تک ہزاروں افراد پر نظر رکھنے والے چار بڑے تحقیقی مطالعات کے اعداد و شمار کا تجزیہ کیا تھا، نے حساب لگایا کہ جب عمر، جنس اور وزن جیسے متغیرات کو درست کیا جاتا ہے، تو ایک انجمنی کی تتوہہ سالانہ \$789 ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص جو چھ فٹ لمبا ہے لیکن بصورت دیگر پانچ فٹ پانچ سال کے کسی شخص سے مماثلت رکھتا ہے وہ سالانہ اوسط 5,525 ڈالر زیادہ کام سکتا ہے۔ جیسا کہ ٹمو تھی نج، جو اونچائی کی تتوہہ کے مطالعے کے مصنفین میں سے ایک ہیں، بتاتے ہیں: "اگر آپ اپنے 30 سالہ کیریئر کے دوران اس کو لے لیں اور اسے مزید پیچیدہ بنائیں، تو ہم ایک لمبے قد کے شخص کے بارے میں بات کر رہے ہیں جو لفظی طور پر لاکھوں ڈالر کی کمائی کا فائدہ اٹھا رہا ہے۔ کیا آپ نے کبھی سوچا ہے کہ اتنے اوسط درجے کے لوگ کمپنیوں اور اداروں میں انتہائی کے عہدوں پر کیوں پہنچتے ہیں؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب سب سے اہم عہدوں کی بھی بات آتی ہے تو، ہمارے انتخاب کے فیصلے ہمارے خیال سے کہیں کم منطقی ہوتے ہیں۔ ہم ایک لمبے قد کے شخص کو دیکھتے ہیں اور ہم جھوم اٹھتے ہیں۔"

3۔ وسطی نیوجرسی کے شہر فلینگٹن میں فلینگٹن نسان ڈیلر شپ کے سیلز ڈائریکٹر باب گولمب نامی شخص ہیں۔ گولمب کی عمر پچاس سال سے زیادہ ہے، ان کے چھوٹے، پتلے سیاہ بال اور تار سے بنے شیشے ہیں۔ وہ سیاہ، قدامت پسند سوت پہنتا ہے، تاکہ وہ بینک میجر یا اسٹاک بروکر کی طرح نظر آئے۔ ایک دہائی سے زیادہ عرصہ قبل کاروں کے کاروبار میں آغاز کرنے کے بعد سے، گولمب نے اوسٹا، ماہانہ تقریباً بیس کاریں فروخت کی ہیں، جو اوسط کار سیلز میں کی فروخت سے دو گنی سے بھی زیادہ ہے۔ اس کی میز پر گولمب نے پانچ سونے کے ستاروں کی ایک قطار رکھی ہے، جو اس کی کار کردگی کے اعزاز میں اس کی ڈیلر شپ کی طرف سے دی گئی ہے۔ کاروں کے فروخت کنندگان کی دنیا میں، گولمب ایک طاقتوں شخص ہے۔

گولمب کی طرح ایک کامیاب سیلز میں ہونا ایک ایسا کام ہے جو باریک ٹکڑوں کی صلاحیت پر غیر معمولی مطالبات رکھتا ہے۔ کوئی ایسا شخص جس سے آپ کبھی نہیں ملے ہیں آپ کی ڈیلر شپ میں داخل ہوتا ہے، شاید اس کی زندگی کی سب سے مہنگی خریداریوں میں سے ایک ہو سکتا ہے۔ کچھ لوگ غیر محفوظ ہیں۔ کچھ پریشان ہیں۔ کچھ جانتے ہیں کہ وہ کیا چاہتے ہیں۔ کچھ کو اندازہ نہیں ہے۔ کچھ لوگ گاڑیوں کے بارے میں بہت کچھ جانتے ہیں اور ایک سیلز میں سے ناراض ہوں گے جو سر پرستی کا لمحہ اختیار کرتا ہے۔ کچھ لوگ اس بات کے لئے بے چین ہوتے ہیں کہ کوئی انہیں ہاتھ سے پکڑ لے اور اس بات کو سمجھ لے جو انہیں ایک زبردست عمل کی طرح لگتا ہے۔ ایک سیلز میں، اگر اسے کامیاب ہونا ہے، تو اسے یہ تمام معلومات جمع کرنی ہوں گی۔ مثال کے طور پر، شوہر اور بیوی، یا ایک باپ اور بیٹی کے درمیان موجود حرکیت کا پتہ لگانا، اور اس کے مطابق اپنے طرز عمل کو ایڈ جسٹ کرنا، اور یہ سب کچھ ملاقات کے ابتدائی چند لمحوں کے اندر کرنا ہو گا۔

باب گولمب واضح طور پر اس قسم کا شخص ہے جو اس طرح کے پتلے کاٹنے کو آسانی سے کرتا ہے۔ وہ کار فروخت کرنے والے ایولین ہیر لیسن ہیں۔ اس کے پاس ایک خاموش، محتاط ذہانت اور ایک درباری کشش ہے۔ وہ سوچنے والا اور محتاط ہے۔ وہ ایک حیرت انگیز سننے والا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ان کے پاس تین سادہ اصول ہیں جو ان کے ہر

عمل کی رہنمائی کرتے ہیں: "گاہک کا خیال رکھیں۔ گاہک کا خیال رکھیں۔ اگر آپ باب گولمب سے گاڑی خریدتے ہیں تو، وہ اگلے دن آپ کو فون پر ہو گا، اس بات کو تلقینی بنائے گا کہ سب کچھ ٹھیک ہے۔ اگر آپ ڈیلر شپ پر آتے ہیں لیکن کچھ بھی نہیں خریدتے ہیں تو، وہ اگلے دن آپ کو فون کرے گا، آپ کا شکریہ ادا کرے گا۔" آپ ہمیشہ پہنچتے ہیں

آپ کا بہترین چہرہ، بھلے ہی آپ کا دن برا ہو۔ آپ اسے پچھے چھوڑ دیں، "وہ کہتے ہیں۔" یہاں تک کہ اگر گھر میں چیزیں خوفناک ہیں، تو آپ گاہک کو اپنا بہترین دیتے ہیں۔"

جب میں گولومب سے ملا، تو اس نے مطمئن گاہکوں سے برسوں سے موصول ہونے والے خطوط کے پہاڑ سے بھرا ہوا ایک موٹا تین انگوٹھی والا بند رنگالا۔ "ان میں سے ہر ایک کے پاس بتانے کے لیے ایک کہانی ہے،" انہوں نے کہا۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ ہر ایک کو یاد کرتا ہے۔ جیسے ہی اس نے کتاب کو پڑھا، اس نے بے ترتیب طور پر ایک مختصر مائپ لکھے ہوئے خط کی طرف اشارہ کیا۔ "ہفتہ کی دو پہر، نومبر ۱۹۹۲ کے آخر میں۔ ایک جوڑا۔ وہ اپنے چہروں پر اس چمکدار نظر کے ساتھ اندر آئے۔ میں نے کہا: "لوگو!"

تم سارا دن گاڑیوں کی خریداری کرتے رہے؟" انہوں نے کہا ہاں۔ کسی نے انہیں سنجیدگی سے نہیں لیا۔ میں نے انہیں ایک گاڑی فروخت کی، اور ہمیں اسے روڈ آئی لینڈ سے حاصل کرنا پڑا، میں کہنا چاہتا ہوں۔ ہم نے چار سو میل کا ایک ڈرائیور بھیجا۔ وہ بہت خوش تھے۔ اس نے ایک اور خط کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ صاحب یہاں ہیں۔ ہم 1993 سے لے کر اب تک انہیں چھ گاڑیاں فراہم کر چکے ہیں، اور جب بھی ہم دوسری گاڑی فراہم کرتے ہیں، وہ ایک اور خط لکھتے ہیں۔ اس طرح بہت کچھ ہے۔ یہاں ایک لڑکا ہے جو کی پورٹ، نیوجرسی کے قریب چالیس میل دور رہتا ہے۔ اس نے مجھے اسکالوپس کی ایک تھامی پر اٹھایا۔ انہوں نے کہا ہاں۔ کسی نے انہیں سنجیدگی سے نہیں لیا۔ میں نے انہیں ایک گاڑی فروخت کی، اور ہمیں اسے روڈ آئی لینڈ سے حاصل کرنا پڑا، میں کہنا چاہتا ہوں۔ ہم نے چار سو میل کا ایک ڈرائیور بھیجا۔ وہ بہت خوش تھے۔ اس نے ایک اور خط کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ صاحب یہاں ہیں۔ ہم 1993 سے لے کر اب تک انہیں چھ گاڑیاں فراہم کر چکے ہیں، اور جب بھی ہم دوسری گاڑی فراہم کرتے ہیں، وہ ایک اور خط لکھتے ہیں۔ اس طرح بہت کچھ ہے۔ یہاں ایک لڑکا ہے جو کی پورٹ، نیوجرسی کے قریب چالیس میل دور رہتا ہے۔ اس نے مجھے اسکالوپس کی ایک تھامی پر اٹھایا۔

تاہم، گولمب کی کامیابی کی ایک اور اور بھی اہم وجہ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ وہ ایک اور بہت ہی سادہ اصول کی پیروی کرتے ہیں۔ وہ گاہک کی ضروریات اور ذہنی حالت کے بارے میں ایک لاکھ فوری فیصلے کر سکتا ہے، لیکن وہ کبھی بھی کسی کو اس کی ظاہری شکل کی بنیاد پر جانچنے کی کوشش نہیں کرتا ہے۔ وہ فرض کرتا ہے کہ دروازے پر چلنے والے ہر شخص کے پاس گاڑی خریدنے کا ایک ہی موقع ہے۔

"آپ اس کاروبار میں لوگوں کا اندازہ نہیں لگاسکتے،" جب ہم ملے، تو انہوں نے بار بار کہا، اور جب بھی وہ اس جملے کا استعمال کرتے، تو ان کے چہرے پر مکمل یقین نظر آتا تھا۔ "پیشگوئی موت کا بوسہ ہے۔ آپ کو ہر ایک کو اپنا بہترین شاٹ دینا ہو گا۔ گولمب کا کہنا ہے کہ 'ایک سبز سیلز میں ایک گاہک کو دیکھتا ہے اور کہتا ہے، ایسا لگتا ہے کہ وہ گاڑی خریدنے کی استطاعت نہیں رکھتا، جو سب سے خراب چیز ہے جو آپ کر سکتے ہیں، کیونکہ بعض اوقات سب سے زیادہ غیر متوقع شخص فلاش ہوتا ہے۔" میرے پاس ایک کسان ہے جس سے میں نمٹتا ہوں، جسے میں نے برسوں سے ہر طرح کی گاڑیاں فروخت کی ہیں۔ ہم ہاتھ ملا کر اپنے معاہدے پر مہر لگا دیتے ہیں، اور وہ مجھے سوڈالر کا بل دیتے ہیں اور کہتے ہیں، اسے میرے کھیت میں لے آؤ۔ ہمیں آرڈر لکھنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ اب، اگر آپ اس شخص کو دیکھیں، جس کے پاس اس کی چادریں اور گائے کا گوبر ہے، تو آپ کو اندازہ ہو گا کہ وہ ایک قابل گاہک نہیں تھا۔ لیکن حقیقت میں، جیسا کہ ہم تجارت میں کہتے ہیں، وہ سب نقد ہو چکے ہیں۔ یا کبھی کبھی لوگ کسی نوجوان کو دیکھتے ہیں اور وہ اسے اڑا دیتے ہیں۔ ٹھیک ہے، پھر اس رات کے بعد، نو عمر ماں اور والد کے ساتھ واپس آتا ہے، اور وہ ایک گاڑی اٹھاتے ہیں، اور یہ دوسرے سیلز پر سن ہے جو انہیں لکھتا ہے۔

گولمب جو کہہ رہا ہے وہ یہ ہے کہ زیادہ تر فروخت کنند گان کلاسک وارن ہارڈنگ کی غلطی کا شکار ہیں۔ وہ کسی کو دیکھتے ہیں، اور کسی طرح وہ اس شخص کی ظاہری شکل کے بارے میں ان کے پہلے تاثر کو اس پہلے لمحے میں جمع کرنے والی معلومات کے ہر دوسرے ٹکڑے کو غرق کر دیتے ہیں۔ اس کے بر عکس گولمب زیادہ منتخب ہونے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کے پاس یہ جانے کے لیے اپنا اینٹینا ہوتا ہے کہ کوئی پر اعتماد ہے یا غیر محفوظ ہے، علم مند

ہے یا سادہ لوح ہے، بھروسہ مند ہے یا مشکوک ہے۔ لیکن اس باریک ٹکڑوں سے وہ صرف جسمانی ظاہری شکل کی بنیاد پر ان تاثرات میں ترمیم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ گولیب کی کامیابی کا راز یہ ہے کہ اس نے وارن ہارڈنگ کی غلطی سے لڑنے کا فیصلہ کیا ہے۔

4۔ سکر کو تلاش کرنا باب گولب کی حکمت عملی اتنی اچھی طرح سے کام کیوں کرتی ہے؟ کیونکہ وارن ہارڈنگ کی غلطیاں، یہ پتہ چلتا ہے، کار فروخت کے کاروبار میں ایک بہت بڑا، بڑے پیمانے پر غیر تسلیم شدہ کردار ادا کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر 1990 کی دہائی میں شکا گو میں قانون کے پروفیسر ایان آرس کی جانب سے کیے گئے ایک قابل ذکر سماجی تجربے پر غور کریں۔ آرس نے اڑتیس افراد پر مشتمل ایک ٹیم تشکیل دی جس میں اٹھارہ سفید فام مرد، سات سفید فام خواتین، آٹھ سیاہ فام خواتین اور پانچ سیاہ فام مرد شامل تھے۔ آرس نے انہیں ہر ممکن حد تک ایک جیسا ظاہر کرنے کے لئے بہت تکلیف اٹھائی۔ ان سبھی کی عمر بیس سال کے وسط میں تھی۔ سبھی اوسط کشش کے حامل تھے۔ سبھی کو ہدایت کی گئی تھی کہ وہ قدامت پسند لباس پہنیں: بلاوز، سیدھی اسکرٹس اور فلیٹ جوتے پہننے والی خواتین۔ پولو شرٹس یا بٹن ڈاؤنز، سلیکس اور لو فرز پہنے مرد۔ سب کو ایک ہی کوراسٹوری دی گئی تھی۔ انہیں ہدایت کی گئی تھی کہ وہ شکا گو کے علاقے میں کل 242 کارڈیلر شپس میں جائیں اور خود کو کالج سے تعیین یافتہ نوجوان پیشہ و را فراد (نمونہ ملازمت: بینک میں سسٹم تجزیہ کار) کے طور پر پیش کریں جو اسٹریٹریل کے ٹوپی شکا گو محلے میں رہتے ہیں۔ کیا کرنا ہے اس کے لئے ان کی ہدایات اور بھی زیادہ واضح تھیں۔ انہیں اندر جانا چاہئے۔ انہیں سیلز پرسن کے ذریعہ رابطہ کرنے کا انتظار کرنا چاہئے۔ شوروم میں سب سے کم قیمت والی گاڑی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ان کا کہنا تھا کہ 'میں اس گاڑی کو خریدنے میں دلچسپی رکھتا ہوں۔ پھر، جب انہوں نے سیلز میں کی ابتدائی پیشکش سنی، تو انہیں اس وقت تک سودے بازی کرنے کی ہدایت کی گئی جب تک کہ سیلز میں نے یا تو پیشکش قبول نہیں کی یا مزید سودے بازی کرنے سے انکار کر دیا۔ ایک ایسا عمل جس میں تقریباً تمام معاملات میں تقریباً چالیس منٹ لگتے تھے۔ آرس جو کچھ کرنے کی کوشش کر رہا تھا وہ ایک بہت ہی مخصوص سوال پر صفر تھا: دیگر تمام چیزیں بالکل مساوی ہونے کی وجہ سے، جلد کی رنگت یا جنس اس قیمت کو کس طرح متاثر کرتی ہے جو کارڈیلر شپ میں سیلز میں پیش کرتا ہے؟

نتائج حیرت انگیز تھے۔ سفید فام مردوں کو سیلز مین کی طرف سے ابتدائی پیشکشیں موصول ہوئیں۔

ڈیلر کے انواں سے 725 ڈالر زیادہ (یعنی، ڈیلر نے مینو فیکچر سے کار کے لئے کیا ادا نیگی کی)۔ سفید فام خواتین کو انواں سے اوپر 935 ڈالر کی ابتدائی پیشکش ملی۔ سیاہ فام خواتین کو اوسط 1,195 ڈالر کی قیمت انواں سے زیادہ بتائی گئی۔ اور سیاہ فام مرد؟ ان کی ابتدائی پیشکش انواں کے اوپر \$1,687 تھی۔ چالیس منٹ کی سودے بازی کے بعد بھی سیاہ فام مردوں کو اوسط انواں سے کم قیمت صرف 1551 ڈالر تک مل سکی۔ طویل مذاکرات کے بعد، آئریس کے سیاہ فام مردوں کو اب بھی ایک ایسی قیمت ملی جو آئریس کے سفید فام مردوں کے مقابلے میں تقریباً 800 ڈالر زیادہ تھی۔

ایک لفظ کہو۔

ہمیں اس سے کیا کرنا چاہئے؟ کیا شکا گو کے کار فروخت کنندگان ناقابلِ یقین جنس پرست اور متعصب ہیں؟ جو کچھ ہوا اس کی یہ یقینی طور پر سب سے زیادہ وضاحت ہے۔ کار فروخت کرنے کے کاروبار میں، اگر آپ کسی کو اسٹیکر کی قیمت (شوروم میں گاڑی کی کھڑکی پر قیمت) ادا کرنے کے لئے قائل کر سکتے ہیں، اور اگر آپ انہیں مکمل پریمیم پیکچر میں، چھڑے کی نشستوں اور ساؤنڈ سسٹم اور ایلو مینیم پہیوں کے ساتھ بات کر سکتے ہیں تو، آپ اس ایک بھولے بھالے گاہک سے اتنا ہی کمیشن کما سکتے ہیں جتنا آپ آدھا درجن یا اس سے زیادہ گاہکوں سے کر سکتے ہیں جو ڈرائیور کرنے کے لئے تیار ہیں۔ ایک سخت سودا۔ اگر آپ ایک سیلز مین ہیں تو، دوسرے لفظوں میں، چونے والے کو تلاش کرنے کی کوشش کرنے کے لئے ایک زبردست فتنہ ہے۔ کار سیلز مین کے پاس اسٹیکر کی قیمت ادا کرنے والے گاہکوں کو بیان کرنے کے لئے ایک خاص لفظ بھی ہے۔ انہیں ایک لیٹ اپ کہا جاتا ہے۔ آئریس کے مطالعے کی ایک تشریح یہ ہے کہ ان کار فروخت کنندگان نے صرف ایک مکمل فیصلہ کیا کہ خواتین اور سیاہ فام ایک دوسرے سے الگ تھلگ ہیں۔ انہوں نے ایک ایسے شخص کو دیکھا جو سفید فام مرد نہیں تھا اور اپنے آپ کو

سوچنے لگا، "آہا! یہ شخص اتنا حمق اور سادہ لوح ہے کہ میں ان سے بہت پیسہ کاملاً سکتا ہوں۔"

تاہم، یہ وضاحت زیادہ معنی نہیں رکھتی ہے۔ آئرنس کے سیاہ فام اور خواتین کار خریداروں نے ایک کے بعد ایک واضح اشارہ دیا کہ وہ حمق اور سادہ لوح نہیں ہیں۔ وہ کالج سے تعلیم یافتہ پیشہ در تھے۔ ان کے پاس ہائی پروفیشنل نوکریاں تھیں۔ وہ ایک امیر محلے میں رہتے تھے۔ انہوں نے کامیابی کے لئے کپڑے پہن رکھتے تھے۔ وہ چالیس کے لئے سودے بازی کرنے کے لئے کافی سمجھدار تھے۔

منٹ۔ کیا ان حقائق کے بارے میں کچھ بھی اس بات کی نشاندہی کرتا ہے؟ اگر آئریس کا مطالعہ شعوری امتیازی سلوک کا ثبوت ہے، تو شکا گو کے کار فروخت کنندگان یا تو متعصبوں میں سب سے زیادہ نفرت انگیز ہیں (جس کا امکان نہیں ہے) یا اتنے گھنے ہیں کہ وہ ان میں سے ہر ایک اشارے سے بے خبر تھے (یکساں طور پر ناممکن)۔ اس کے بجائے، مجھے لگتا ہے کہ یہاں کچھ اور لطیف چل رہا ہے۔ کیا ہو گا، چاہے کسی بھی وجہ سے، کار بیچنے کا تجربہ ہو، جو انہوں نے دوسرے سیلز مینوں سے سنا ہو۔ ان کا عام لوگوں اور عورتوں اور اقلیتوں کے درمیان ایک مضبوط خودکار تعلق ہو؟ کیا ہو گا اگر وہ لاشعوری طور پر ان دونوں تصورات کو اپنے ذہن میں جوڑ لیں، بالکل اسی طرح جیسے لاکھوں امریکی "براٹی" اور " مجرم" کو "افریقی امریکی" کے ساتھ جوڑتے ہیں، تاکہ جب خواتین اور سیاہ فام لوگ دروازے سے گزرتے ہیں، تو وہ فطری طور پر "چونے" کے بارے میں سوچتے ہیں؟

یہ سیلز مین نسلی اور صنفی مساوات کے بارے میں مضبوط شعوری وابستگی رکھتے ہیں، اور وہ شاید اوپر اور نیچے اصرار کریں گے کہ وہ اپنے گاہوں کے کردار کے انتہائی نفسی مطالعہ کی بنیاد پر قیمتیں کا حوالہ دے رہے ہیں۔ لیکن جب ہر گاہک دروازے سے گزرتا تھا تو انہوں نے اس لمحے کے اشارے پر جو فیصلے کیے وہ ایک اور قسم کے تھے۔ یہ ایک لاشعوری رد عمل تھا۔ وہ خاموشی سے آئریس کی گاڑی خریدنے والوں کے بارے میں سب سے فوری اور واضح حقیقت کو اٹھا رہے تھے۔ ان کی جنس اور ان کا رنگ۔ اور ہر طرح کے نئے اور متضاد ثبوتوں کے باوجود اس فیصلے پر قائم تھے۔ وہ 1920 کے صدارتی انتخابات کی طرح بر تاؤ کر رہے تھے جب انہوں نے وارن ہارڈنگ پر ایک نظر ڈالی، کسی نتیجے پر پہنچے اور سوچنا چھوڑ دیا۔ رائے دہندگان کے معاملے میں، ان کی غلطی نے انہیں اب تک کے بدترین امریکی صدور میں سے ایک بنادیا۔ کاروں کے فروخت کنندگان کے معاملے میں، خواتین اور سیاہ فاموں کو انتہائی زیادہ قیمت دینے کے ان کے فیصلے نے ان لوگوں کو الگ تھلگ کر دیا جو بصورت دیگر گاڑی خرید سکتے تھے۔

گولمب ہر گاہک کے ساتھ بالکل ایک جیسا سلوک کرنے کی کوشش کرتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ جب نسل اور

جنس اور ظاہری شکل کی بات آتی ہے تو اس نیپ فصلے کتنے خطرناک ہوتے ہیں۔ کبھی کبھار یہ بے بس کسان اپنے گندے کپڑوں کے ساتھ دراصل ایک بہت امیر آدمی ہوتا ہے جس کاربئے چار ہزار ایکٹر پر پھیلا ہوا ہے، اور کبھی کبھی نو عمر مان اور والد کے ساتھ بعد میں واپس آ رہا ہوتا ہے۔ بعض اوقات نوجوان سیاہ فام شخص ہاروڑ سے ایم بی اے کر لیتا ہے۔ کبھی کبھی چھوٹا گورا اپنے پورے خاندان کے لئے گاڑی کے فیصلے کرتا ہے۔ بعض اوقات چاندی کے بالوں اور چوڑے کندھوں اور لاٹھیں جبڑے والا آدمی ہلاکا چکلا ہوتا ہے۔ لہذا گولمب اس کی نشاندہی کرنے کی کوشش نہیں کرتا۔ وہ سب کو ایک ہی قیمت کا حوالہ دیتے ہیں، جنم کے فوائد کے لئے انفرادی گاڑی پر اعلیٰ منافع مار جن کی قربانی دیتے ہیں، اور ان کی شفافیت کی بات اس حد تک پھیل گئی ہے کہ وہ مطمئن گاہوں کے حوالہ سے اپنے کاروبار کا ایک تھائی حصہ حاصل کرتے ہیں۔ "کیا میں کسی کی طرف دیکھ کر کہہ سکتا ہوں،" یہ شخص گاڑی خریدنے جا رہا ہے؟" گولمب پوچھتے ہیں۔ "آپ کو ایسا کرنے کے لئے بہت اچھا ہونا پڑے گا، اور میں ایسا کرنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ کبھی کبھی میں مکمل طور پر حیران ہو جاتا ہوں۔ کبھی کبھار میں ایک آدمی کو چیک بک لہراتے ہوئے آتا ہے اور کہتا ہوں، "میں آج یہاں گاڑی خریدنے آیا ہوں۔ اگر اعداد و شمار درست ہیں، تو میں آج ایک گاڑی خریدوں گا۔" اور تم جانتے ہو کیا؟ دس میں سے نوبار، وہ کبھی نہیں خریدتا۔

5۔ ڈاکٹر کنگ کے بارے میں سوچیں کہ وارن ہارڈنگ کی غلطیوں کے بارے میں ہمیں کیا کرنا چاہئے؟ ہم یہاں جس قسم کے تعصبات کے بارے میں بات کر رہے ہیں وہ اتنے واضح نہیں ہیں کہ حل کی شناخت کرنا آسان ہے۔ اگر کتابوں پر کوئی قانون ہے جو کہتا ہے کہ سیاہ فام لوگ شراب نہیں پی سکتے

سفید فام لوگوں کی طرح پانی کے چشموں پر، واضح حل قانون کو تبدیل کرنا ہے۔ لیکن لا شعوری امتیازی سلوک تھوڑا مشکل ہے۔ 1920 میں رائے دہندگان نے یہ نہیں سوچا تھا کہ وہ وارن ہارڈنگ کی خوبصورتی سے زیادہ متاثر ہو رہے ہیں کیونکہ آئریس کے شکا گو کارڈیلرز کو احساس ہوا کہ وہ خواتین کو کس حد تک دھوکہ دے رہے ہیں اور اقليتوں یا بورڈ آف ڈائریکٹرز کو احساس ہوا کہ وہ لمبے قد کے لوگوں کے حق میں کتنے مضائقے خیز تعصب کا شکار ہیں۔

اگر شعور سے باہر کچھ ہو رہا ہے،

زمین پر آپ اسے کیسے ٹھیک کرتے ہیں؟ امتیازی سلوک تھوڑا سا مشکل ہے۔ 1920 میں رائے دہندگان نے یہ نہیں سوچا تھا کہ وہ وارن ہارڈنگ کی خوبصورتی سے زیادہ متاثر ہو رہے ہیں کیونکہ آئرس کے شکا گو کارڈیلرز کو احساس ہوا کہ وہ خواتین کو کس حد تک دھوکہ دے رہے ہیں اور اقلیتوں یا بورڈ آف ڈائریکٹرز کو احساس ہوا کہ وہ لمبے قد کے لوگوں کے حق میں کتنے مضبوطے خیز تعصب کا شکار ہیں۔ اگر کوئی چیز شعور سے باہر ہو رہی ہے، تو آپ زمین پر اسے کیسے ٹھیک کریں گے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم اپنے پہلے تاثرات کے سامنے بے بس نہیں ہیں۔ وہ ہمارے دماغ کے اندر ایک بند دروازے کے پیچھے سے لاشعوری طور پر ابھر سکتے ہیں۔ لیکن صرف اس لئے کہ کوئی چیز شعور سے باہر ہے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ قابو سے باہر ہے۔ مثال کے طور پر، یہ سچ ہے کہ آپ ریس آئی اے ٹی یا کیریز آئی اے ٹی کو جتنی بار چاہیں لے سکتے ہیں اور زیادہ مسائل والے زمروں کا تیزی سے جواب دینے کے لئے جتنی کوشش کر سکتے ہیں، اور اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ لیکن، یقین کریں یا نہ کریں، اگر آپ آئی اے ٹی لینے سے پہلے، میں آپ سے مارٹن لوٹھر کنگ یا نیلسن منڈیلا یا کولن پاؤل جیسے لوگوں کے بارے میں تصاویر یا مضمایں کی ایک سیریز دیکھنے کے لئے کہوں گا، تو آپ کارڈ عمل کا وقت بدل جائے گا۔ اچانک سیاہ فام لوگوں کے ساتھ ثبت چیزوں کو جوڑنا تنا مشکل نہیں لگے گا۔ "میرے پاس ایک طالب علم تھا جو روزانہ آئی اے ٹی لیتا تھا،" بنایجی کہتی ہیں۔ "یہ پہلا کام تھا جو اس نے کیا، اور اس کا خیال صرف یہ تھا کہ جیسے جیسے وہ جاتے تھے اعداد و شمار جمع کرنے دیتے تھے۔ پھر اس ایک دن انہیں سیاہ فاموں کے ساتھ ایک ثبت تعلق ملا۔ اس نے کہا، "یہ عجیب بات ہے۔ میں نے پہلے کبھی ایسا نہیں کیا، کیونکہ ہم سب نے اپنے آئی اے ٹی اسکو رکاوٹ کرنے کی کوشش کی ہے اور ہم ایسا نہیں کر سکے۔ لیکن وہ ایک ٹریک اینڈ فیلڈ لڑکا ہے، اور اسے جو احساس ہوا وہ یہ ہے کہ اس نے صبح اول میکس دیکھنے میں گزاری تھی۔"

ہمارے پہلے تاثرات ہمارے تجربات اور ہمارے ماحول سے پیدا ہوتے ہیں، جس کا مطلب ہے کہ ہم اپنے پہلے تاثرات کو تبدیل کر سکتے ہیں۔ ہم ان تاثرات پر مشتمل تجربات کو تبدیل کر کے اپنے پتلے ہونے کے طریقے کو تبدیل کر سکتے ہیں۔ اگر آپ ایک سفید فام شخص ہیں جو سیاہ فام لوگوں کے ساتھ ہر طرح سے مساوی سلوک کرنا چاہتے ہیں۔ جو سیاہ فاموں کے ساتھ تعلقات کا ایک مجموعہ رکھنا چاہتے ہیں جو سفید فاموں کے ساتھ آپ کی طرح ثابت ہیں۔ تو اس کے لئے مساوات کے لئے ایک سادہ عزم سے کہیں زیادہ کی ضرورت ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ آپ اپنی زندگی کو تبدیل کریں تاکہ آپ باقاعدگی سے اقلیتوں کے سامنے آئیں اور ان کے ساتھ آرام دہ اور ان کی ثقافت سے واقف ہوں، تاکہ جب آپ کسی اقلیت کے رکن سے ملنا، ملازمت، ڈیٹ یا بات کرنا چاہتے ہیں تو آپ کو آپ کی ہچکچاہٹ اور تکلیف سے دھوکہ نہ ملے۔ تیزی سے ادراک کو سنجیدگی سے لینا۔ اچھے اور بے کے لئے ناقابل یقین طاقت کو تسلیم کرنا، جو پہلے تاثرات ہماری زندگیوں میں ادا کرتے ہیں۔ اس بات کی ضرورت ہے کہ ہم ان تاثرات کو منظم کرنے اور کنٹرول کرنے کے لئے فعال اقدامات کریں۔ اس کتاب کے اگلے حصے میں، میں ان لوگوں کے بارے میں تین کہانیاں بتانے جا رہا ہوں جنہوں نے پہلے تاثرات اور فوری فیصلوں کے نتائج کا سامنا کیا۔ کچھ کامیاب ہوئے۔ کچھ نہیں تھے۔ لیکن میرے خیال میں یہ سب ہمیں اس بات کے اہم اس巴ق فراہم کرتے ہیں کہ کس طرح ہم باریک کاٹنے کی غیر معمولی طاقت کو بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں اور اس سے نمٹ سکتے ہیں۔

باب چہارم

پال وان ریپر کی بڑی فتح: خود مختاری کے لئے ڈھانچہ بنانا

پال وان ریپر لمبے قد کے ہیں اور ان کے گنجے گنبد اور تاروں سے بنے شیشے لگے ہوئے ہیں۔ وہ اپنے کندھوں کو چوکور کھ کر چلتا ہے اور اس کی آواز سخت اور سخت ہوتی ہے۔ اس کے دوست اسے ریپ کہتے ہیں۔ ایک بار جب وہ اور اس کا جڑواں بھائی بارہ سال کے تھے تو وہ اپنے والد کے ساتھ ایک کار میں بیٹھے ہوئے تھے جب وہ کو ریائی جنگ کے بارے میں ایک اخباری کہانی پڑھ رہے تھے۔ ٹرو مین میرینز کو بھیج رہے ہیں۔ اسی وقت وان ریپر نے فیصلہ کیا کہ جب وہ بڑا ہو گا تو وہ میرین کو میں شامل ہو گا۔ ویتنام میں اپنے پہلے دورے کے دوران، وہ سانگون کے باہر چاول کے دھان میں شمالی ویتنامی مشین گن نکالتے ہوئے فائرنگ سے تقریباً آدھے کٹ گئے تھے۔ 1968 میں، وہ ویتنام واپس آئے، اور اس بار وہ مائیک کمپنی (تیسرا بٹالین، ساتویں میرین، فرست میرین ڈویژن) کے کمانڈر تھے جو جنوبی ویتنام کے چاول اور پہاڑی ملک میں دو خطرناک علاقوں ڈونج سٹی اور ایریزونا علاقہ کے درمیان واقع تھے۔ وہاں اس کا کام شمالی ویتنامیوں کو ڈانانگ میں راکٹ فائر کرنے سے روکنا تھا۔ وہاں پہنچنے سے پہلے، ان کے گشتی علاقوں میں راکٹ حملے ہفتے میں ایک یادوبار ہو رہے تھے۔ تین مہینوں میں وہ جھاڑی میں تھا، صرف ایک تھا۔

مائیک کمپنی میں وین ریپر کے گزری سار جنٹ رچڑ گریکوری کہتے ہیں کہ مجھے یاد ہے جب میں ان سے پہلی بار ملا تھا۔ "یہ پہاڑی فضی فائیو اور ہل ٹین کے درمیان تھا، جو دنانگ کے جنوب مشرق میں تھا۔ ہم نے ہاتھ ملا یا۔ اس کی آواز دھیمی سے درمیانی ٹون تک تھی۔ بہت براہ راست۔ خلاصہ۔ پر اعتماد، کیک پر بہت زیادہ آئسنگ کے بغیر۔ وہ

ایسا ہی تھا، اور اس نے جنگ کے ہر دن اس کو برقرار رکھا۔ ہمارے لڑاکا علاقے میں اس کا ایک دفتر تھا۔ ایک زہریلی شراب۔ لیکن میں نے اسے وہاں کبھی نہیں دیکھا۔ وہ ہمیشہ میدان میں یا اپنے بنکر کے قریب باہر رہتا تھا، یہ سوچتا تھا کہ آگے کیا کرنا ہے۔ اگر اس کے پاس کوئی خیال ہوتا اور اس کی جیب میں کاغذ کا ایک ٹکڑا ہوتا، تو وہ اس خیال کو سکریپ پر لکھ دیتا، اور پھر، جب ہماری ملاقات ہوتی، تو وہ کاغذ کے سات یا آٹھ چھوٹے ٹکڑے نکال لیتا۔ ایک بار وہ اور میں ایک ندی سے چند گز کی دوری پر جنگل میں تھے، اور وہ کچھ علاقوں پر گھومنا چاہتے تھے، لیکن وہ وہ نظارہ حاصل نہیں کر سکے جو وہ چاہتے تھے۔ جھاڑی راستے میں تھی۔ اگر وہ اپنے جو تہ نہ اتارتا، ندی میں غوطہ لگاتا، درمیان میں تیرتا اور پانی چلاتا تاکہ نیچے کی طرف دیکھ سکے تو اس پر لعنت ہوتی۔

نومبر 1968 کے پہلے ہفتے میں، ماٹیک کمپنی ایک بہت بڑی شمالی ویتنامی رجمنٹ کے ساتھ شدید لڑائی میں مصروف تھی۔ ایک موقع پر ہم نے کچھ زخمیوں کو باہر نکالنے کے لیے ایک میڈیوک کو بلایا۔ ہیلی کاپٹر لینڈنگ کر رہا تھا، اور شمالی ویتنامی فوج را کٹ فائر کر رہی تھی اور کمانڈ پوسٹ میں موجود ہر شخص کو ہلاک کر رہی تھی، "جان میسن یاد کرتے ہیں، جو کمپنی کے پلاٹون کمانڈروں میں سے ایک تھے۔" اچانک ہمارے پاس بارہ مردہ میرین تھے۔ یہ برا تھا۔ ہم تین یا چار دن بعد وہاں سے نکلے، اور ہم نے بہت سی ہلاکتیں کیں، شاید کل پینتالیس۔ لیکن ہم اپنے مقصد تک پہنچ گئے۔ ہم ہل فٹی فائیو میں والپس آئے، اور اگلے ہی دن، ہم اسکواڈ کی حکمت عملی اور معاائنے پر کام کر رہے تھے اور، یقین کریں یا نہ کریں، جسمانی تربیت پر کام کر رہے تھے۔ ایک نوجوان لیفٹیننٹ کی حیثیت سے مجھے کبھی یہ خیال نہیں آیا تھا کہ ہم جھاڑی میں پیٹی کریں گے۔ لیکن ہم نے کیا۔ مجھے یہ احساس نہیں ہوا کہ ہم جھاڑی میں پلاٹون اور اسکواڈ کی حکمت عملی یا بیونٹ ٹریننگ کی مشق کریں گے، لیکن ہم نے ایسا کیا۔ اور ہم نے اسے معمول کی بنیاد پر کیا۔ ایک جنگ کے بعد، تھوڑی مہلت ملے گی، پھر ہم ٹریننگ پر واپس آجائیں گے۔ اس طرح رپ نے اپنی کمپنی چلائی۔

والاں ریپر سخت تھا۔ وہ منصفانہ تھا۔ وہ جنگ کا طالب علم تھا، اس کے بارے میں واضح خیالات تھے کہ اس کے آدمیوں کو جنگ میں خود کو کس طرح بر تاؤ کرنا چاہئے۔ مائیک کمپنی سے تعلق رکھنے والے ان کے ایک اور سپاہی یاد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ 'وہ بندوق بردار تھے جو ڈیسک کے پچھے نہیں بیٹھتے بلکہ سامنے سے فوجیوں کی قیادت کرتے ہیں۔ وہ ہمیشہ بہت جارحانہ تھا

لیکن اس طرح کہ آپ کو وہ کام کرنے میں کوئی اعتراض نہیں تھا جو وہ آپ سے کرنے کے لئے کہہ رہا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ ایک بار میں ایک اسکواڈ کے ساتھ رات کو گھات لگا کر باہر گیا تھا۔ مجھے ریڈ یو پر کپتان [جسے میرین کمپنی کمانڈر کہتے ہیں] کافون آیا۔ اس نے مجھے بتایا کہ وہاں ایک سو ایکس چھوٹے لوگ ہیں، یعنی ویتنامی، میرے مقام کی طرف بڑھ رہے ہیں، اور میرا کام ان کی مزاحمت کرنا تھا۔ میں نے کہا، 'کپتان، میرے پاس نو آدمی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اگر مجھے ضرورت پڑی تو وہ ایک رجعتی قوت نکالیں گے۔ وہ ایسا ہی تھا۔ دشمن وہاں موجود تھا اور ہو سکتا ہے کہ ہم میں سے نو اور ان میں سے ایک سو ایکس ہو، لیکن اس کے ذہن میں کوئی شک نہیں تھا کہ ہمیں ان کو شامل کرنا تھا۔ کپتان نے جہاں بھی کام کیا، دشمن کو اس کے ہتھکنڈوں سے روک دیا گیا۔ وہ 'جینے دو اور جینے دو' نہیں تھا۔ وہ جو کچھ کرنے کے لیے کہہ رہا تھا وہ کرنے میں کوئی حرج نہیں تھا۔ مجھے یاد ہے کہ ایک بار میں ایک اسکواڈ کے ساتھ رات کو گھات لگا کر باہر گیا تھا۔ مجھے ریڈ یو پر کپتان [جسے میرین کمپنی کمانڈر کہتے ہیں] کافون آیا۔ اس نے مجھے بتایا کہ وہاں ایک سو ایکس چھوٹے لوگ ہیں، یعنی ویتنامی، میرے مقام کی طرف بڑھ رہے ہیں، اور میرا کام ان کی مزاحمت کرنا تھا۔ میں نے کہا، 'کپتان، میرے پاس نو آدمی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اگر مجھے ضرورت پڑی تو وہ ایک رجعتی قوت نکالیں گے۔ وہ ایسا ہی تھا۔ دشمن وہاں موجود تھا اور ہو سکتا ہے کہ ہم میں سے نو اور ان میں سے ایک سو ایکس ہو، لیکن اس کے ذہن میں کوئی شک نہیں تھا کہ ہمیں انہیں شامل کرنا تھا۔ کپتان نے جہاں بھی کام کیا، دشمن کو اس کے ہتھکنڈوں سے روک دیا گیا۔ وہ 'جینے اور جینے دو' نہیں تھا۔

2000 کے موسم بہار میں، والان رپر سے پینٹا گون کے سینٹر عہدیداروں کے ایک گروپ نے رابطہ کیا۔ وہ ایک طویل اور ممتاز کیریئر کے بعد اس موقع پر ریٹائر ہو گئے تھے۔ پینٹا گون ایک جنگی کھیل کی منصوبہ بندی کے ابتدائی مراحل میں تھا جسے وہ ملینیم چلنج '02 کا نام دے رہے تھے۔ یہ تاریخ کا اب تک کاسب سے بڑا اور مہنگا ترین جنگی کھیل تھا۔ جولائی اور اگست 2002ء کے اوائل میں ڈھائی سال بعد جب یہ مشقیں منعقد کی گئیں تو اس پر ایک چوتھائی ارب ڈالر لالگت آئے گی جو کچھ ممالک کے اپنے پورے دفاعی بجٹ پر خرچ ہونے والے اخراجات سے بھی زیادہ ہے۔ ملینیم چلنج منظر نامے کے مطابق، ایک بد معاش فوجی کمانڈر خلیج فارس میں کہیں اپنی حکومت سے الگ ہو گیا تھا اور پورے خطے کو جنگ میں لینے کی دھمکی دے رہا تھا۔ اس کے پاس مضبوط مذہبی اور نسلی وفاداریوں کی وجہ سے کافی طاقت تھی، اور وہ چار مختلف دہشت گرد تنظیموں کو پناہ اور سرپرستی کر رہا تھا۔ وہ شدید طور پر امریکہ مخالف تھا۔ ملینیم چلنج ان میں، جو ایک متاثر کن (یا، آپ کے نقطہ نظر پر منحصر، تباہ کن) کا سٹنگ کا ٹکڑا ثابت ہو گا۔ پال والان رپر کو بد معاش کمانڈر کا کردار ادا کرنے کے لئے کہا گیا تھا۔

1. خلیج میں ایک صحیح امریکی فوج کے لئے جنگی مشقیں کرنے والے گروپ کو جوانہٹ فور سز کمانڈ یا، جیسا کہ یہ بہتر طور پر جانا جاتا ہے، جے ایف سی اور ایم کہا جاتا ہے۔ جے ایف سی اور ایم واشنگٹن ڈی سی کے جنوب اور مشرق میں چند گھنٹوں کی ڈرائیور پر واقع سفوک، ورجینیا میں ایک گھمبیر ڈرائیورے کے اختتام پر کنکریٹ کی دو عمارتوں پر مشتمل ہے۔ پارکنگ کے داخلي دروازے کے ٹھیک سامنے، سڑک سے چھپا ہوا، ایک چھوٹی سی گارڈ جھونپڑی ہے۔ ایک زنجیر سے مسلک باڑ دائرے کی گھنٹی بجاتی ہے۔ سڑک کے اس پار ایک وال مارٹ ہے۔ اندر، جے ایف سی اور ایم ایک بہت ہی عام دفتری عمارت کی طرح نظر آتا ہے، جس میں کافرنس رومز اور کمروں کی قطاریں اور لمبی، روشن قالین کے بغیر راہداریاں ہیں۔ تاہم، جے ایف سی اور ایم کا کار و بار کچھ بھی نہیں بلکہ کچھ بھی نہیں ہے۔ جے ایف سی اور ایم وہ جگہ ہے جہاں پینٹا گون فوجی تنظیم کے بارے میں نئے خیالات اور نئی فوجی حکمت عملی کے تجربات کی جائج کرتا ہے۔

جنگ کے کھیل کی منصوبہ بندی 2000 کے موسم گرما میں سنجدگی سے شروع ہوئی۔ جے ایف سی اور ایم کو اکٹھا کیا گیا

سیکڑوں فوجی تحریک کا رہا اور ماہرین اور سافت ویر ماہرین۔ جنگی کھیل کی زبان میں، ریاستہائے متحده امریکہ اور اس کے اتحادیوں کو ہمیشہ بلوٹیم کے نام سے جانا جاتا ہے، اور دشمن کو ہمیشہ ریڈ ٹیم کے نام سے جانا جاتا ہے، اور جے ایف سی او ایم نے ہر ٹیم کے لئے جامع پورٹ فولیو تیار کیے، جس میں وہ سب کچھ شامل ہے جس سے وہ اپنی افواج اور اپنے حریف کی افواج کے بارے میں جاننے کی توقع رکھتے ہیں۔ کھیل سے پہلے کئی ہفتوں تک، ریڈ اور بلوٹیم فورسز نے "سرپل" مشقوں کے ایک سلسلے میں حصہ لیا جس نے مقابلے کے لئے استیج تیار کیا۔ بدمعاش کمانڈر زیادہ سے زیادہ جنگجو ہوتا جا رہا تھا، امریکہ زیادہ سے زیادہ فکر مند ہو رہا تھا۔

جو لائی کے اوآخر میں، دونوں فریق سفوک آئے اور جے ایف سی او ایم کی مرکزی عمارت کی پہلی منزل پر ٹیکٹ بے نامی بڑے، بغیر کھڑکی والے کمروں میں دکان قائم کی۔ ملک بھر کے مختلف فوجی اڈوں پر میرین کور، ایئر فورس، آرمی اور نیوی یونٹس ریڈ اور بلوٹیم کے افسران کی کمانڈز پر عمل درآمد کے لئے کھڑے رہے۔ کبھی کبھی جب بلوٹیم نے میزائل فائر کیا یا کوئی طیارہ لانچ کیا تو اصل میں ایک میزائل فائر کیا گیا یا کسی طیارے نے واقعی اڑان بھری، اور جب بھی ایسا نہیں ہوا، تو بیالیس الگ الگ کمپیوٹر ماؤنٹز میں سے ایک نے ان میں سے ہر ایک عمل کو اس طرح واضح طور پر نقل کیا کہ وار روم میں موجود لوگ اکثر یہ نہیں کہہ سکتے تھے کہ یہ حقیقی نہیں تھا۔ یہ کھیل ڈھائی ہفتوں تک جاری رہا۔ مستقبل کے تحریکے کے لیے جے ایف سی او ایم کے ماہرین کی ایک ٹیم نے ہر بات چیت کی نگرانی اور ریکارڈنگ کی اور ایک کمپیوٹرنے فائر کی جانے والی ہر گولی اور میزائل لانچ اور ٹینک پر نظر رکھی۔ یہ ایک تجربے سے زیادہ تھا۔ جیسا کہ ایک سال سے بھی کم عرصے میں واضح ہو گیا کہ جب امریکہ نے مشرق وسطیٰ کی ایک ریاست پر ایک بدمعاش کمانڈر کے ساتھ حملہ کیا جس کے پاس ایک مضبوط نسلی طاقت تھی اور اس کے بارے میں خیال کیا جاتا تھا کہ وہ دہشت گردوں کو پناہ دے رہا ہے۔ یہ جنگ کے لیے ایک مکمل ڈریس ریہر سل تھی۔

ملینیم چلنچ کا بیان کر دہ مقصد پینٹا گون کے لئے جنگ میں جانے کے بارے میں نئے اور کافی انقلابی خیالات کا ایک مجموعہ آزمانا تھا۔ سنہ 1991 میں آپ یشن ڈیزرت اسٹورم میں امریکہ نے کویت میں صدام حسین کی افواج کو نشانہ بنایا تھا۔ لیکن یہ ایک بالکل روایتی قسم کی جنگ تھی: دو بھاری ہتھیاروں سے لیس اور منظم افواج ایک کھلے میدان جنگ میں مل رہی تھیں اور لڑ رہی تھیں۔ ریگستانی طوفان کے تناظر میں، پینٹا گون کو یقین ہو گیا کہ اس قسم کی جنگ جلد ہی ایک بے وقوفی ہو گی: کوئی بھی اتنا حمق نہیں ہو گا کہ اسے چلنچ کرے۔

خالص فوجی لڑائی میں ریاستہائے متحدہ امریکہ آمنے سامنے ہے۔ مستقبل میں تنازعات پھیل جائیں گے۔ یہ جنگ کے میدانوں کی طرح شہروں میں بھی ہو گا، ہتھیاروں کی طرح خیالات سے بھی متاثر ہو گا، اور ثقافتوں اور معیشتوں کو فوجوں کی طرح مشغول کرے گا۔ جیسا کہ جے ایف سی او ایم کے ایک تجزیہ کار کہتے ہیں: "اگلی جنگ صرف فوجی نوعیت کی نہیں ہو گی۔ فیصلہ کن عنصر یہ نہیں ہے کہ آپ کتنے ٹینک مارتے ہیں، آپ کتنے جہاز ڈوبتے ہیں، اور آپ کتنے طیارے مارتے ہیں۔ فیصلہ کن عنصر یہ ہے کہ آپ اپنے مخالف کے نظام کو کس طرح الگ کرتے ہیں۔ جنگ لڑنے کی صلاحیت کے پیچھے جانے کے بجائے، ہمیں جنگ سازی کی صلاحیت کے پیچھے جانا ہو گا۔ فوج معاشری نظام سے جڑی ہوئی ہے، جوان کے ثقافتی نظام، ان کے ذاتی تعلقات سے جڑی ہوئی ہے۔ ہمیں ان تمام نظاموں کے درمیان روابط کو سمجھنا ہو گا۔ مستقبل میں تنازعات پھیل جائیں گے۔ یہ جنگ کے میدانوں کی طرح شہروں میں بھی ہو گا، ہتھیاروں کی طرح خیالات سے بھی متاثر ہو گا، اور ثقافتوں اور معیشتوں کو فوجوں کی طرح مشغول کرے گا۔ جیسا کہ جے ایف سی او ایم کے ایک تجزیہ کار کہتے ہیں: "اگلی جنگ صرف فوجی نوعیت کی نہیں ہو گی۔ فیصلہ کن عنصر یہ نہیں ہے کہ آپ کتنے ٹینک مارتے ہیں، آپ کتنے جہاز ڈوبتے ہیں، اور آپ کتنے طیارے مارتے ہیں۔ فیصلہ کن عنصر یہ ہے کہ آپ اپنے مخالف کے نظام کو کس طرح الگ کرتے ہیں۔ جنگ لڑنے کی صلاحیت کے پیچھے جانے کے بجائے، ہمیں جنگ سازی کی صلاحیت کے پیچھے جانا ہو گا۔ فوج معاشری نظام سے جڑی ہوئی ہے، جوان کے ثقافتی نظام، ان کے ذاتی تعلقات سے جڑی ہوئی ہے۔ ہمیں ان تمام نظاموں کے درمیان

روابط کو سمجھنا ہو گا۔

ملینیم چلنچ کے ساتھ، پھر، بیو ٹائم کو اس سے کہیں زیادہ دانشورانہ وسائل دیئے گئے تھے۔

شاید تاریخ میں کوئی فوج بے ایف سی اور ایم نے آپریشنل نیٹ اسمنٹ کے نام سے کچھ تیار کیا، جو ایک باضابطہ فیصلہ سازی کا آلہ تھا جس نے دشمن کو فوجی، معاشری، سماجی، سیاسی نظاموں کے ایک سلسلے میں توڑ دیا اور ایک میٹر کس تیار کیا جس میں دکھایا گیا کہ وہ تمام نظام کس طرح باہم مربوط تھے اور نظاموں کے مابین کون سے روابط سب سے زیادہ کمزور تھے۔ بیوٹیم کے کمانڈروں کو اثرات پر مبنی آپریشنز کے نام سے ایک ٹول بھی دیا گیا تھا، جس نے انہیں مخالف کے فوجی امثالوں کو تباہ بنانے اور تباہ کرنے کے روایتی فوجی طریقہ کار سے آگے سوچنے کی ہدایت کی تھی۔ انہیں جنگی صورتحال کا ایک جامع، ریکل ٹائم نقشہ دیا گیا تھا جسے مشترکہ متعلقہ آپریشنل پکج (سی آر او پی) کہا جاتا ہے۔ انہیں مشترکہ اثر ایکٹو منصوبہ بندی کے لئے ایک ٹول دیا گیا تھا۔ انہیں امریکی حکومت کے ہر کونے سے بے مثال معلومات اور انتیلی جنس فراہم کی گئیں اور ایک ایسا طریقہ کار جو منطقی، منظم، منطقی اور سخت تھا۔ پینٹاگون کے اسلحے خانے میں ان کے پاس ہر کھلونا تھا۔

"ہم نے اپنے مخالف کے ماحول کو متاثر کرنے کے لئے کیا کر سکتے ہیں۔ سیاسی، فوجی، اقتصادی، معاشرتی، ثقافتی، ادارہ جاتی۔ بے ایف سی اور ایم کے کمانڈر جزل ولیم ایف کیرنن نے جنگ کا کھیل ختم ہونے کے بعد پینٹاگون میں پریس بریفنگ کے دوران صحافیوں کو بتایا کہ ہم نے ان تمام چیزوں کو بہت جامع انداز میں دیکھا۔ انہوں نے کہا کہ اس وقت ایجنسیوں کے پاس ایسی چیزیں ہیں جو لوگوں کی صلاحیتوں میں خلل ڈال سکتی ہیں۔ ایسی چیزیں ہیں جو آپ ان کی بات چیت کرنے کی صلاحیت میں خلل ڈالنے، ان کے لوگوں کو طاقت فراہم کرنے، ان کی قومی خواہش پر اثر انداز ہونے کے لئے کر سکتے ہیں۔"

بجلی کے گرد़وں کو نکالنے کے لئے۔ دو صدیاں قبل نپولین نے لکھا تھا کہ "ایک جرنیل کبھی بھی یقین کے ساتھ کچھ نہیں جانتا، کبھی بھی اپنے دشمن کو واضح طور پر نہیں دیکھتا، اور کبھی ثابت طور پر نہیں جانتا کہ وہ کہاں ہے۔ جنگ دھند میں ڈوبی ہوئی تھی۔ ملینیم چلنج کا مقصد یہ دکھانا تھا کہ ہائی پاور سیٹلائز اور سینسرز اور سپر کمپیوٹرز کے

مکمل فائدے سے اس دھند کو ہٹایا جا سکتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ، بہت سے طریقوں سے، مخالف ریڈ ٹیم کی سربراہی کے لئے پال وان ریپر کا انتخاب اتنا متاثر کن تھا، کیونکہ اگر وان ریپر کسی بھی چیز کے لئے کھڑا تھا تو وہ اس پوزیشن کے مخالف تھا۔ وان ریپر کو یقین نہیں تھا کہ آپ جنگ کی دھند اٹھاسکتے ہیں۔ ورجینیا میں ان کے گھر کی دوسری منزل پر ان کی لاہریری پیچیدگی کے نظریہ اور فوجی حکمت عملی پر کام کی قطاروں سے بھری ہوئی ہے۔ ویتنام میں اپنے تجربات اور جرمن فوجی نظریہ ساز کارل وان کلازوٹز کے مطابعے سے، وان ریپر کو یقین ہو گیا کہ جنگ فطری طور پر غیر متوقع، گند اور غیر لائز ہے۔ 1980 کی دہائی میں، وان ریپر اکثر تربیتی مشقوں میں حصہ لیتے تھے، اور، فوجی نظریے کے مطابق، انہیں اس قسم کے تجربیات، منظم فیصلہ سازی کے ورزش انجام دینے کی ضرورت ہو گی جس کی جے ایف سی او ایم ملینیم چینیخ میں جانچ کر رہا تھا۔ وہ اس سے نفرت کرتا تھا۔ اس میں بہت زیادہ وقت لگا۔ "مجھے یاد ہے،" وہ کہتے ہیں، "ہم مشق کے بیچ میں تھے۔ ڈویژن کمانڈر نے کہا، 'رکو۔ دیکھتے ہیں دشمن کہاں ہے۔' ہم آٹھ یا نو گھنٹے تک وہاں رہے، اور وہ پہلے ہی ہمارے پیچے تھے۔ جس چیز کے لیے ہم منصوبہ بندی کر رہے تھے وہ بدل چکی تھی۔ ایسا نہیں تھا کہ وان ریپر تمام عقلی تجربیوں سے نفرت کرتے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے جنگ کے درمیان میں یہ نامناسب سمجھا، جہاں جنگ کی غیر یقینی صورتحال اور وقت کے دباؤ نے آپشن کا احتیاط سے اور پر سکون طریقے سے موازنہ کرنا ناممکن بنا دیا۔

1990 کی دہائی کے اوائل میں، جب وان ریپر ورجینیا کے کو انٹیکو میں میرین کوریونور سٹی کے سربراہ تھے، تو ان کی دوستی گیری کلائن نامی شخص سے ہو گئی۔ کلائن اوہائیو میں ایک مشاورتی فرم چلاتے تھے اور انہوں نے سورساف پاور کے نام سے ایک کتاب لکھی، جو فیصلہ سازی پر کلائیکی کاموں میں سے ایک ہے۔ کلین نے نرسوں، انتہائی نگہداشت کے یونٹوں، فائر فاٹریز اور دیگر لوگوں کا مطالعہ کیا جو دباؤ میں فیصلے کرتے ہیں، اور ان کا ایک نتیجہ یہ ہے کہ جب ماہرین فیصلے کرتے ہیں، تو وہ منطقی اور منظم طریقے سے تمام دستیاب اختیارات کا موازنہ نہیں

کرتے ہیں۔ اس طرح لوگوں کو فصلے کرنا سکھایا جاتا ہے، لیکن حقیقی زندگی میں یہ بہت سست ہے۔ کلمیں کی نر سیں اور فائر فائز تقریباً فوری طور پر صورتحال کا سائز طے کریں گے اور تجربے اور بصیرت اور ایک قسم کی معلومات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کام کریں گے۔

سخت دماغی سمو لیشن۔ و ان ریپر کے لئے، اس نے زیادہ درست طریقے سے بیان کیا کہ لوگ میدان جنگ میں فیصلے کیسے کرتے ہیں۔

ایک بار، تھجس کی وجہ سے، و ان ریپر اور کلائن اور تقریباً ایک درجن میرین کو رجنیلوں کا ایک گروپ ٹریننگ فلور کا دورہ کرنے کے لئے نیویارک میں مرکزی ایکچھ کے لئے روانہ ہوا۔ و ان ریپر نے اپنے آپ کو سوچا، میں نے جنگ میں فوجی کمانڈ پوسٹ کے علاوہ اس طرح کی ہنگامہ آرائی کبھی نہیں دیکھی۔ ہم اس سے کچھ سیکھ سکتے ہیں۔ دن کے اختتام پر گھنٹی بجنے کے بعد جرنیل فرش پر چلے گئے اور تجارتی کھیل کھیلے۔ پھر انہوں نے ایک لیا

تاجرول کا ایک گروپ نیویارک ہاربر کے پاروال اسٹریٹ سے گورنر کے جزیرے پر واقع فوجی اڈے تک پہنچا اور کمپیوٹرز پر جنگی کھیل کھیلا۔ تاجرول نے شاندار کام کیا۔ جنگی مشقوں کے لئے انہیں اعلیٰ دباؤ کے حالات میں اور محدود معلومات کے ساتھ فیصلہ کن، تیزی سے آگ لگانے کے فیصلے کرنے کی ضرورت تھی، جو یقیناً، انہوں نے کام پر سارا دن کیا۔ اس کے بعد و ان ریپر تاجرول کو کوانتیکو لے گئے، انہیں ٹینکوں میں ڈال دیا، اور انہیں براہ راست فائر مشق پر لے گئے۔ و ان ریپر کے لیے یہ بات بالکل واضح اور واضح تھی کہ یہ "زیادہ وزن والے، بے وزن، لمبے بالوں والے" لوگ اور میرین کو رکے الہکار بنیادی طور پر ایک ہی کاروبار میں مصروف تھے۔ فرق صرف اتنا تھا کہ ایک گروپ پیسے پر شرط لگاتا ہے اور دوسرا زندگی پر شرط لگاتا ہے۔ گیری کلائن کہتے ہیں کہ مجھے یاد ہے جب تاجرول نے پہلی بار رجنیلوں سے ملاقات کی تھی۔ "یہ کاک ٹیل پارٹی میں تھا، اور میں نے کچھ ایسا دیکھا جس نے مجھی واقعی حیران کر دیا۔ آپ کے پاس یہ تمام میرینز تھے، یہ دو اور تین ستارے جرنیل تھے، اور آپ جانتے ہیں کہ میرین کو رکا جزل کیسا ہوتا ہے۔ ان میں سے کچھ کبھی نیویارک نہیں گئے تھے۔ پھر یہ تمام تاجر، یہ بہادر، نیویارک کے نوجوان تھے جن کی عمر بیس اور تیس سال کے درمیان تھی، اور میں نے کمرے کی طرف دیکھا تو وہاں دو اور تین کے گروپ تھے، اور ایک بھی گروپ ایسا نہیں تھا جس میں دونوں اطراف کے ارکان شامل نہ ہوں۔ وہ

صرف شائستہ نہیں تھے۔ وہ جوش و خروش سے ایک دوسرے سے باتیں کر رہے تھے۔ وہ نوٹوں کا موازنہ کر رہے تھے اور رابطہ کر رہے تھے۔ میں نے اپنے آپ سے کہا، یہ لوگ روح کے ساتھی ہیں۔ وہ ایک دوسرے کے ساتھ مکمل احترام کے ساتھ بر تاؤ کر رہے تھے۔ جزیرہ اور کمپیوٹر پر جنگی کھیل کھیلتے تھے۔ تاجرلوں نے شاندار کام کیا۔ جنگی مشقوں کے لئے انہیں اعلیٰ دباؤ کے حالات میں اور محدود معلومات کے ساتھ فیصلہ کن، تیزی سے آگ لگانے کے فیصلے کرنے کی ضرورت تھی، جو یقیناً، انہوں نے کام پر سارا دن کیا۔ اس کے بعد و ان ریپر تاجرلوں کو کو انٹیکو لے گئے، انہیں ٹینکوں میں ڈال دیا، اور انہیں براہ راست فائر مشق پر لے گئے۔ و ان ریپر کے لیے یہ بات بالکل واضح اور واضح تھی کہ یہ "زیادہ وزن والے، بے وزن، لمبے بالوں والے" لوگ اور میرین کور کے الہاکار بنیادی طور پر ایک ہی کاروبار میں مصروف تھے۔ فرق صرف اتنا تھا کہ ایک گروپ پسیے پر شرط لگاتا ہے اور دوسرا زندگی پر شرط لگاتا ہے۔ گیری کلاائن کہتے ہیں کہ "مجھے یاد ہے جب تاجرلوں نے پہلی بار جرنیلوں سے ملاقات کی تھی۔" یہ کاک ٹیل پارٹی میں تھا، اور میں نے کچھ ایسا دیکھا جس نے مجھے واقعی حیران کر دیا۔ آپ کے پاس یہ تمام میرینز تھے، یہ دو اور تین ستارے جرنیل تھے، اور آپ جانتے ہیں کہ میرین کور کا جزل کیسا ہوتا ہے۔ ان میں سے کچھ کبھی نیو یارک نہیں گئے تھے۔ پھر یہ تمام تاجر، یہ بہادر، نیو یارک کے نوجوان تھے جن کی عمر بیس اور تیس سال کے درمیان تھی، اور میں نے کمرے کی طرف دیکھا تو وہاں دو اور تین کے گروپ تھے، اور ایک بھی گروپ ایسا نہیں تھا جس میں دونوں اطراف کے ارکان شامل نہ ہوں۔ وہ صرف شائستہ نہیں تھے۔ وہ جوش و خروش سے ایک دوسرے سے باتیں کر رہے تھے۔ وہ نوٹوں کا موازنہ کر رہے تھے اور رابطہ کر رہے تھے۔ میں نے اپنے آپ سے کہا، یہ لوگ روح کے ساتھی ہیں۔ وہ ایک دوسرے کے ساتھ پورے احترام کے ساتھ بر تاؤ کر رہے تھے۔

دوسرے لفظوں میں ملینیم چیلنج صرف دو افعان کے درمیان لڑائی نہیں تھی۔ یہ دو بالکل مختلف فوجی فلسفوں کے درمیان جنگ تھی۔ بلیو ٹیم کے پاس دشمن کے ارادوں اور صلاحیتوں کو منظم طریقے سے سمجھنے کے لئے ان کے ڈیٹا بیس اور میٹر کس اور طریقہ کا رہتے۔ ریڈ ٹیم کی کمان ایک ایسے شخص نے کی تھی جس نے ایک لمبے بالوں

والے، بے باک، بیٹھے ہوئے پتلون کے تاجر کو دیکھا جو چیخ رہا تھا اور دھکا دے رہا تھا اور ایک گھنٹے میں ایک ہزار فوری فیصلے کر رہا تھا اور اس میں ایک روح کا ساتھی نظر آیا۔

جنگی کھیل کے افتتاحی دن، بلیو ٹیم نے خلیج فارس میں دسیوں ہزار فوجیوں کو داخل کیا۔ انہوں نے ریڈ ٹیم کے آبائی ملک کے بالکل دور ایک طیارہ بردار جنگی گروپ کھڑا کیا۔ وہاں، اپنی فوجی طاقت کے مکمل وزن کے ثبوت کے ساتھ، بلیو ٹیم نے وان روپر کو آٹھ نکتی الٹی میٹم جاری کیا، آٹھواں نقطہ ہتھیار ڈالنے کا مطالبہ تھا۔ انہوں نے پورے اعتماد کے ساتھ کام کیا، کیونکہ ان کے آپریشنل نیٹ اسمنٹ میرکس نے انہیں بتایا کہ ریڈ ٹیم کی کمزوریاں کہاں ہیں، ریڈ ٹیم کا اگلا قدم کیا ہونے کا امکان ہے، اور ریڈ ٹیم کے اختیارات کی رنج کیا ہے۔ لیکن پال وان روپر نے ایسا برتاؤ نہیں کیا جیسا کہ کمپیوٹرز نے پیش گوئی کی تھی۔

بلیو ٹیم نے اس کے مائنکرو ٹاؤنرز کو گردیا اور اس کے فاہر آپلکس لائنوں کو اس مفروضے پر کاٹ دیا کہ ریڈ ٹیم کو اب سیٹلائٹ موافقیات اور سیل فون استعمال کرنا ہوں گے اور وہ اس کے موافقیات کی نگرانی کر سکتے ہیں۔

"انہوں نے کہا کہ ریڈ ٹیم اس سے حیران ہو جائے گی،" وان روپر یاد کرتے ہیں۔ "حیرت ہوئی؟ کوئی بھی اعتدال پسند باخبر شخص اتنا جانتا ہو گا کہ ان ٹکنائلو جیوں پر بھروسہ نہ کرے۔ یہ بلیو ٹیم کا مائنڈ سیٹ ہے۔ افغانستان میں اسامہ بن لادن کے ساتھ جو کچھ ہوا اس کے بعد موبائل فون اور سیٹلائٹ کون استعمال کرے گا؟ ہم موڑ سائیکلوں پر سوار کو ریز اور نمازوں کے اندر چھپے پیغامات سے بات چیت کرتے تھے۔ انہوں نے کہا، پائلوں اور ٹاؤن کے درمیان معمول کی بات چیت کے بغیر آپ نے اپنے ہوائی جہازوں کو ایئر فیلڈ سے کیسے اتارا؟ میں نے کہا کیا کسی کو دوسرا جنگ عظیم یاد ہے؟ ہم روشنی کے نظام کا استعمال کریں گے۔"

اچانک وہ دشمن جس کے بارے میں بلیو ٹیم نے سوچا تھا کہ اسے کھلی کتاب کی طرح پڑھا جاسکتا ہے، کچھ زیادہ پر اسرار تھا۔ ریڈ ٹیم کیا کر رہی تھی؟ وان روپر کو ایک بڑے دشمن کے سامنے جھکنا اور مغلوب ہونا تھا۔ لیکن وہ اس کے لئے بہت زیادہ بندوق بردار تھا۔ جنگ کے دوسرے دن، اس نے حملہ آور بلیو ٹیم بھریہ کے جہازوں کا سراغ لگانے کے لئے خلیج فارس میں چھوٹی کشتیوں کا ایک بیڑا لگایا۔ پھر، بغیر کسی انتباہ کے، اس نے کروز میز ائمبوں

کے ایک گھنٹے کے طویل حملے میں ان پر بمب اری کی۔ جب ریڈ ٹائم کا اچانک حملہ ختم ہوا تو سولہ امریکی جہاز خلیج فارس کی تہہ میں پڑے ہوئے تھے۔ اگر ملینیم چیلنج محس ایک مشق کے بجائے ایک حقیقی جنگ ہوتی تو بیس ہزار امریکی فوجی اور خواتین اپنی ہی فوج کی فائرنگ سے پہلے ہی ہلاک ہو جاتے۔

وین ریپر کا کہنا ہے کہ ریڈ فورس کمانڈر کی حیثیت سے میں وہاں بیٹھا ہوں اور مجھے احساس ہے کہ بلیو ٹائم نے کہا تھا کہ وہ پیشگی حکمت عملی اپنانے جا رہے ہیں۔ "تو میں نے سب سے پہلے حملہ کیا۔ ہم نے تمام حساب کتاب کیا تھا کہ ان کے جہاز کتنے کروز میزائلوں کو سنبھال سکتے ہیں، لہذا ہم نے اس سے کہیں زیادہ لائچ کیا، بہت سی مختلف سمتیوں سے، آف شور اور ساحل سے، ہوا سے، سمندر سے۔ ہمیں شاید ان کے آدھے جہاز مل گئے تھے۔ ہم نے ان لوگوں کا انتخاب کیا جو ہم چاہتے تھے۔ طیارہ بردار بحری جہاز۔ سب سے بڑی کروزر۔ چھ بحری جہاز موجود تھے۔ ہم نے ان میں سے پانچ کو باہر نکال دیا۔

اس کے بعد کے ہفتوں اور مہینوں میں، جے ایف سی اور ایم کے تجزیہ کاروں کی طرف سے متعدد وضاحتیں تھیں کہ جولائی میں اس دن کیا ہوا تھا۔ کچھ لوگ کہیں گے کہ یہ جنگی مشقوں کو چلانے کے خاص طریقے کا ایک نمونہ تھا۔ دوسرے لوگ کہیں گے کہ حقیقی زندگی میں، جہاز کبھی بھی اتنے کمزور نہیں ہوں گے جتنے وہ کھیل میں تھے۔ لیکن کوئی بھی وضاحت اس حقیقت کو تبدیل نہیں کرتی ہے کہ بلیو ٹائم کو تباہ کن ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ بدمعاش کمانڈر نے وہی کیا جو بدمعاش کمانڈر کرتے ہیں۔ انہوں نے جوابی جنگ لڑی، لیکن کسی نہ کسی طرح اس حقیقت نے بلیو ٹائم کو پکڑ لیا۔

اچنہا۔ ایک طرح سے یہ گیٹی کی ناکامی کی طرح تھا جب کوروں کا جائزہ لینے کی بات آئی: انہوں نے ایک مکمل طور پر منطقی اور سخت تجزیہ کیا تھا جس میں ہر قابل تصور ہنگامی صورت حال کا احاطہ کیا گیا تھا، لیکن اس تجزیے میں کسی نہ کسی طرح ایک ایسی سچائی نہیں تھی جسے فطری طور پر اٹھایا جانا چاہئے تھا۔ خلیج میں اس لمحے میں، ریڈ ٹائم کی تیزی سے طاقت

ادراک برقرار تھا۔ اور بیوٹیم کی نہیں تھی۔ یہ کیسے ہوا؟ کوروں: انہوں نے ایک مکمل طور پر منطقی اور سخت تجزیہ کیا تھا جس میں ہر قابل تصور ہنگامی صورت حال کا احاطہ کیا گیا تھا، لیکن اس تجزیے میں کسی نہ کسی طرح ایک حقیقت نہیں تھی جسے فطری طور پر اٹھایا جانا چاہئے تھا۔ خلیج میں اس لمحے میں، ریڈ ٹیم کی تیزی سے ادراک کی طاقت برقرار تھی۔ اور بیوٹیم کی نہیں تھی۔ یہ کیسے ہوا؟

2. کچھ عرصہ قبل ہفتہ کی شام میں ہیٹھن کے ویسٹ سائینڈ پر واقع ایک سپر مارکیٹ کے تہہ خانے میں مدرسنا می ایک کامیڈی گروپ نے اسٹیچ سنبھالا۔ ٹھینکس گیونگ کے فوراً بعد ایک بر فانی شام تھی، لیکن کمرہ بھرا ہوا تھا۔ ماں میں آٹھ افراد ہیں، تین عورتیں اور پانچ مرد، سبھی بیس اور تیس کی دہائی میں ہیں۔ آدھا درجن سفید فولڈنگ کر سیوں کے علاوہ اسٹیچ خالی تھا۔ ماں وہ کام کرنے جا رہی تھی جسے دنیا میں ہیرالڈ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ وہ اسٹیچ پر کھڑے ہو جاتے تھے، بغیر کسی اندازے کے کہ وہ کون سا کردار ادا کریں گے یا وہ کس سازش پر کام کریں گے، ناظرین سے ایک بے ترتیب مشورہ لیتے، اور پھر، ایک لمحے کی مشاورت کے بغیر، شروع سے تیس منٹ کا ڈرامہ بناتے۔

گروپ کے ممبروں میں سے ایک نے سامعین کو ایک تجویز کے لئے پکارا۔ "روبوٹس،" کسی نے جواب میں کہا۔ خیال رہے کہ اس تجویز کو شاذ و نادر ہی لفظی طور پر لیا جاتا ہے اور اس معاملے میں ایکشن کا آغاز کرنے والی اداکارہ جیسیکا نے بعد میں کہا کہ جب انہوں نے "روبوٹس" کا لفظ سناتا تو جو بات ذہن میں آئی وہ جذباتی لا تعلقی تھی اور جس طرح ٹیکنالوجی رشتہوں پر اثر انداز ہوتی ہے۔ لہذا، اس وقت اور وہیں، وہ کیبل ٹیلی ویژن کمپنی کا بل پڑھنے کا بہانہ کرتے ہوئے اسٹیچ پر چلتی رہیں۔ اس کے ساتھ اسٹیچ پر ایک اور شخص بھی تھا، ایک شخص کر سی پر بیٹھا تھا اور اس کی پیٹھ اس کی طرف تھی۔ انہوں نے بات کرنا شروع کر دی۔ کیا وہ جانتا تھا کہ وہ اس وقت کون سا کردار ادا کر رہا تھا؟ بلکل بھی نہیں؛ نہ ہی وہ یا سامعین میں سے کسی نے۔ لیکن کسی طرح یہ بات سامنے آئی کہ وہ بیوی ہے، اور وہ

شخص اس کا شوہر ہے، اور اسے نہش فلموں کے کیبل بل پر الزامات مل گئے تھے اور وہ پریشان تھی۔ اس کے جواب میں انہوں نے اپنے نو عمر بیٹے کو مورد الزام ٹھہرایا اور اس کے بعد دو اداکار اسٹیچ پر پہنچ گئے اور اسی کہانی میں دو مختلف کردار ادا کیے۔ ان میں سے ایک ماہر نفسیات تھے جو خاندان کو ان کے بھرائی سے نمٹنے میں مدد کر رہے تھے۔ ایک اور منظر میں ایک اداکار غصے میں کرسی پر گر گیا۔ اداکار کا کہنا تھا کہ 'میں ایک ایسے جرم کے لیے وقت نکال رہا ہوں جو میں نے نہیں کیا۔' وہ اس جوڑے کا بیٹا تھا۔ جب کہانی منظر عام پر آئی تو کسی نے بھی ٹھوکر نہیں کھائی یا مخدود نہیں کیا یا کھویا ہوا نظر نہیں آیا۔ کارروائی اتنی آسانی سے آگے بڑھی جیسے اداکاروں نے کئی دنوں تک مشق کی ہو۔ کبھی کبھی جو کچھ کہا اور کیا جاتا تھا وہ کام نہیں کرتا تھا۔ لیکن اکثر یہ انتہائی مضمحلہ خیز ہوتا تھا، اور سامعین خوشی سے روتے تھے۔ اور ہر موقع پر یہ دلچسپ تھا: یہاں آٹھ لوگوں کا ایک گروپ بغیر نیٹ کے اسٹیچ پر کھڑا تھا، جو ہماری آنکھوں کے سامنے ایک ڈرامہ بنارہا تھا۔

امپروائزریشن کا میڈی اس طرح کی سوچ کی ایک جیرت انگیز مثال ہے جس کے بارے میں بلکہ ہے۔ اس میں لوگ کسی بھی قسم کے اسکرپٹ یا پلائل کے فائدے کے بغیر، اس وقت کی ترغیب پر بہت نفیس فیصلے کرتے ہیں۔ یہی وہ چیز ہے جو اسے اتنا متاثر کن اور واضح طور پر خوفناک بناتی ہے۔ اگر میں آپ سے کسی ایسے ڈرامے میں پر فارم کرنے کے لیے کہوں جو میں نے لکھا تھا، ایک ماہ کی ریہر سل کے ساتھ براہ راست ناظرین کے سامنے، تو مجھے سنک ہے کہ آپ میں سے زیادہ تر لوگ انکار کریں گے۔ اگر آپ کو اسٹیچ کا خوف ہو تو کیا ہو گا؟ کیا ہو گا اگر آپ اپنی لائسنس بھول گئے ہیں؟ کیا ہو گا اگر سامعین چھینیں گے؟ لیکن کم از کم ایک روایتی ڈرامے کی ساخت ہوتی ہے۔ ہر لفظ اور حرکت کو تحریر کیا گیا ہے۔ ہر اداکار کو مشق کرنے کا موقع ملتا ہے۔ ایک ڈائریکٹر انچارج ہے، جو ہر کسی کو بتا رہا ہے کہ کیا کرنا ہے۔ اب فرض کریں کہ میں آپ کو براہ راست ناظرین کے سامنے دوبارہ پر فارم کرنے کے لئے کہوں گا۔ صرف اس بار اسکرپٹ کے بغیر، اس بات کا کوئی اندازہ نہیں تھا کہ آپ کون سا کردار ادا کر رہے تھے یا آپ کو کیا کہنا تھا، اور اضافی ضرورت کے ساتھ کہ آپ سے مضمحلہ خیز ہونے کی توقع کی جا رہی تھی۔ مجھے پورا لیقین

ہے کہ آپ گرم کو نکلے پر چنان پسند کریں گے۔ اپردو کے بارے میں خوفناک بات یہ ہے کہ یہ مکمل طور پر بے ترتیب اور افرا تفری کا شکار دکھائی دیتا ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے آپ کے پاس ہے

اسٹچ پر اٹھنا اور موقع پر ہی سب کچھ بنانا۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ امپروڈ بالکل بے ترتیب اور افرا تفری کا شکار نہیں ہے۔ مثال کے طور پر، اگر آپ ماں کی کاسٹ کے ساتھ بیٹھیں اور ان سے طویل بات کریں تو، آپ کو جلد ہی پتہ چل جائے گا کہ وہ سب اس طرح کے زینی، جذباتی، آزاد مزاج کامیڈیں نہیں ہیں جن کے بارے میں آپ تصور کر سکتے ہیں۔ ان میں سے کچھ بہت سنبھیڈ ہیں، یہاں تک کہ بے حس بھی ہیں۔ ہر ہفتہ وہ ایک طویل ریہر سل کے لئے اکٹھے ہوتے ہیں۔ ہر شو کے بعد وہ بیک اسٹچ جمع ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کی کار کردگی پر سنبھیڈگی سے تنقید کرتے ہیں۔ وہ اتنی مشق کیوں کرتے ہیں؟ کیونکہ اپر وو ایک آرٹ کی شکل ہے جو قواعد کی ایک سیریز کے تحت چلتی ہے، اور وہ اس بات کو یقینی بنانا چاہتے ہیں کہ جب وہ اسٹچ پر ہوں تو، ہر کوئی ان اصولوں پر عمل کرے۔ مدرپلیز میں سے ایک نے کہا کہ "ہم باسکٹ بال کی طرح جو کچھ کر رہے ہیں اس کے بارے میں سوچتے ہیں، اور یہ ایک مناسب تشییہ ہے۔ باسکٹ بال ایک پیچیدہ، تیز رفتار کھیل ہے جو تقسیم سینڈ، بے ساختہ فیصلوں سے بھرا ہوا ہے۔ لیکن یہ خود ساختگی صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب ہر کوئی پہلی بار گھنٹوں انتہائی تکرار اور منظم مشق میں مشغول ہو اور اپنی کاملیت حاصل کرے۔

شوٹنگ، ڈر بلنگ اور پاسنگ اور دوڑنا بار بار کھیلتے ہیں اور عدالت میں احتیاط سے متعین کردہ کردار ادا کرنے پر اتفاق کرتے ہیں۔ یہ امپروڈ کا ہم سبق بھی ہے، اور یہ ملینیم چلتی کی پہلی کو سمجھنے کی کلید بھی ہے: خود ساختہ بے ترتیب نہیں ہے۔ پال وان ریپر کی ریڈ ٹائم خلتی میں اس وقت ٹاپ پر نہیں آسکی کیونکہ وہ اس وقت بلیو ٹائم میں اپنے ہم منصبوں کے مقابلے میں زیادہ ہوشیار یا خوش قسمت تھے۔ تیزی سے آگے بڑھنے والے، زیادہ دباؤ والے حالات میں لوگوں کے فیصلے کتنے اچھے ہوتے ہیں، یہ تربیت اور قواعد و ضوابط اور ریہر سل کا کام ہے۔ اور عدالت میں

اختیاط سے متعین کردہ کردار ادا کرنے پر اتفاق کرتا ہے۔ یہ امپرووکا اہم سبق بھی ہے، اور یہ ملینیم چیلنج کی پہلی کو سمجھنے کی کلید بھی ہے: خود ساختہ بے ترتیب نہیں ہے۔ پال وال ریپر کی ریڈ ٹائم ٹائم میں اس وقت ٹاپ پر نہیں آسکی کیونکہ وہ اس وقت بلیو ٹائم میں اپنے ہم منصبوں کے مقابلے میں زیادہ ہوشیار یا خوش قسمت تھے۔ تیزی سے آگے بڑھنے والے، زیادہ دباو والے حالات میں لوگوں کے فیصلے کتنے اچھے ہوتے ہیں، یہ تربیت اور قواعد و ضوابط اور ریہر سل کا کام ہے۔

مثال کے طور پر، سب سے اہم قواعد میں سے ایک جو امپروف کو ممکن بناتا ہے، معاہدے کا خیال ہے، یہ خیال کہ کہانی یا مزاح تخلیق کرنے کا ایک بہت آسان طریقہ یہ ہے کہ کردار اپنے ساتھ ہونے والی ہر چیز کو قبول کریں۔ جیسا کہ امپرو و تھیٹر کے بانیوں میں سے ایک کیتھ جانسٹن لکھتے ہیں: "اگر آپ ایک لمحے کے لئے پڑھنا چھوڑ دیں گے اور کسی ایسی چیز کے بارے میں سوچیں گے جو آپ اپنے ساتھ یا کسی ایسے شخص کے ساتھ نہیں ہونا چاہتے ہیں جس سے آپ محبت کرتے ہیں، تو آپ نے استیج یا فلم بندی کے قابل کچھ سوچا ہو گا۔ ہم کسی ریستوراں میں داخل نہیں ہونا چاہتے اور نہ ہی ان کے چہرے پر کسٹرڈ پائی لگی ہے، اور ہم اچانک نانی کی وہیل چیز کو چٹان کے کنارے کی طرف دوڑتے ہوئے نہیں دیکھنا چاہتے ہیں، لیکن ہم اس طرح کی تقریبات میں شرکت کے لیے پیسے ادا کریں گے۔ زندگی میں، ہم میں سے زیادہ تر عمل کو دباؤ میں انتہائی مہارت رکھتے ہیں۔ اصلاحی استاد کو صرف اس ہنر کو بدلا ہوتا ہے اور وہ بہت 'باصلاحیت' اصلاح کا پیدا کرتا ہے۔ برے اصلاح کا رکارڈ ایسی کوروکتے ہیں، اکثر اعلیٰ درجے کی مہارت کے ساتھ۔ اچھے اصلاح کا عمل کو فروغ دیتے ہیں۔"

مثال کے طور پر، یہاں، ایک کلاس میں دو اداکاروں کے درمیان ایک دیسی ساختہ تبادلہ ہے جسے جانسٹن پڑھا رہا

تھا:

ج: مجھے اپنی ٹانگ میں تکلیف ہو رہی ہے۔ ب: مجھے ڈر ہے کہ مجھے کاٹنا پڑے گا۔ ج: آپ ایسا نہیں کر سکتے، ڈاکٹر۔
ج: کیوں نہیں؟ ج: کیونکہ میں اس سے جڑا ہوا ہوں۔ ب: (دل ہار کر) چلو یا۔ ج: میرے بازو پر بھی یہ اضافہ ہوا

ہے، ڈاکٹر۔ اس منظر میں شامل دونوں اداکار جلد ہی بہت مایوس ہو گئے۔ وہ اس منظر کو جاری نہیں رکھ سکے۔ اداکار اے نے ایک مذاق کیا تھا۔ اور ایک ہوشیار ("میں اس سے منسلک ہوں")۔ لیکن یہ منظر خود مضمحلہ خیز نہیں تھا۔ تو جانسٹن نے انہیں روکا اور مسئلے کی نشاندہی کی۔ اداکار اے نے معاہدے کے اصول کی خلاف ورزی کی تھی۔ اس

کا

پارٹنر نے ایک تجویز پیش کی تھی اور اس نے اسے ٹھکرایا تھا۔ اس نے کہا، "آپ ایسا نہیں کر سکتے، ڈاکٹر۔"

چنانچہ دونوں نے دوبارہ شروعات کی، صرف اس بار اتفاق رائے کے تجدید عہد کے ساتھ:

ج: اوه! ب: یہ کیا ہے یار؟ ج: یہ میری ٹانگ ہے، ڈاکٹر۔ ب: یہ بہت برا لگتا ہے۔ مجھے کامنا پڑے گا۔ ج: یہ وہی ہے جسے آپ نے پچھلی بار کاملا تھا، ڈاکٹر۔ س: آپ کا مطلب ہے کہ آپ کی لکڑی کی ٹانگ میں درد ہے؟ ج: جی ہاں، ڈاکٹر۔ س: آپ جانتے ہیں کہ اس کا کیا مطلب ہے؟ ج: لکڑی کا کیرا نہیں، ڈاکٹر صاحب! ج: جی ہاں۔ اس سے پہلے کہ یہ آپ میں سے باقی لوگوں میں پھیل جائے ہمیں اسے ہٹانا ہو گا۔ (اے کی کرسی گر جاتی ہے۔) ج: میرے خدا! یہ فرنچر تک پھیل رہا ہے! یہاں وہی دلوگ ہیں، ایک ہی سطح کی مہارت کے ساتھ، بالکل ایک ہی کردار ادا کرتے ہیں، اور تقریباً ایک ہی طرح سے شروع ہوتے ہیں۔ تاہم، پہلے معاملے میں، منظر قبل از وقت اختتام پر آتا ہے، اور دوسرے معاملے میں، منظر امکان سے بھرا ہوا ہے۔ ایک سادہ اصول پر عمل کرتے ہوئے، اے اور بی مضمون خیز بن گئے۔ "اچھے اصلاح کار ٹیلی پیٹھک لگتے ہیں۔ سب کچھ پہلے سے ترتیب شدہ لگتا ہے،" جانشن لکھتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ کی گئی تمام پیشکشوں کو قبول کرتے ہیں، جو کچھ ایسا ہے جو کوئی بھی 'عام' شخص نہیں کرے گا۔

یہاں ایک اور مثال ہے، ڈیل کلوز کی طرف سے منعقدہ ایک ورکشاپ سے، جو امپروف کے والدوں میں سے ایک ہے۔ ایک اداکار ایک پولیس افسر کا کردار ادا کر رہے ہیں، دوسرا ایک ڈاکو کا پیچھا کر رہا ہے۔

پولیس اہلکار: (پینٹنگ) ارے۔ میری عمر 50 سال ہے اور تھوڑا سازیا دہ وزن ہے۔ کیا ہم ایک منٹ کے لئے رک سکتے ہیں اور آرام کر سکتے ہیں؟ ڈاکو: اگر ہم آرام کریں تو آپ مجھے کپڑ نہیں پائیں گے؟

پولیس اہلکار: وعدہ کریں۔ صرف چند سینٹ کے لئے۔ تین کی گنتی پر۔ ایک دو تین۔

کیا آپ کو اس منظر کو ادا کرنے کے لئے خاص طور پر تیز عقل یا ہوشیار یا اپنے پیروں پر ہلاکا ہونا ضروری ہے؟ واقعی نہیں۔ یہ ایک بالکل سیدھی بات چیت ہے۔ مراجع مکمل طور پر اس بات سے پیدا ہوتا ہے کہ شرکاء کس حد تک اس اصول پر قائم رہتے ہیں کہ کسی بھی تجویز سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اگر آپ صحیح فرمیم ورنہ تشکیل دے سکتے ہیں تو، اچانک، اس طرح کے سیال، آسان، حوصلہ افزامکالمے میں مشغول ہونا جواضھے امپرو و تھیٹر کو بہت آسان بنادیتا ہے۔ پال وان ریپر نے ملینیم چینخ میں یہی سمجھا تھا۔ انہوں نے نہ صرف اپنی ٹیم کو اسٹھج پر کھڑا کیا اور امید اور دعا کی کہ مضخلہ خیز مکالمہ ان کے ذہنوں میں آئے۔ اس نے کامیاب خود مختاری کے لئے حالات پیدا کیے۔

3. جنوب مشرقی ایشیا میں پال وان ریپر کے پہلے دورے کے دوران، جب وہ جنوبی ویتنامیوں کے مشیر کی حیثیت سے کام کر رہے تھے، تو وہ اکثر دور سے گولیوں کی آوازیں سنتے تھے۔ اس وقت وہ لڑنے کے لیے ایک نوجوان لیفٹیننٹ تھے، اور ان کا پہلا خیال ہمیشہ ریڈ یو پر آنا اور میدان میں موجود فوجیوں سے پوچھنا تھا کہ کیا ہو رہا ہے۔ تاہم، اس کے کئی ہفتوں کے بعد، اسے احساس ہوا کہ جن لوگوں کو وہ ریڈ یو پر بلارہا تھا، ان کو اس سے زیادہ اندازہ نہیں تھا کہ فائرنگ کا کیا مطلب ہے۔ یہ صرف فائرنگ تھی۔ یہ کسی چیز کا آغاز تھا۔ لیکن وہ کیا تھا یہ ابھی تک واضح نہیں تھا۔ تو وان ریپر نے پوچھنا بند کر دیا۔ ویتنام کے اپنے دوسرے دورے پر، جب بھی وہ فائرنگ کی آواز سنتا، وہ انتظار کرتا۔ وین ریپر کہتے ہیں کہ 'میں اپنی گھڑی کو دیکھتا تھا اور میں نے جس وجہ سے دیکھا وہ یہ تھا کہ میں پانچ منٹ تک کچھ بھی نہیں کرنے جا رہا تھا۔ اگر انہیں مدد کی ضرورت تھی، تو وہ چیز رہے تھے۔ اور پانچ منٹ کے بعد، اگر چیزیں ٹھیک ہو گئیں، تو میں پھر بھی کچھ نہیں کروں گا۔ آپ کو لوگوں کو صورتحال پر کام کرنے اور جو کچھ ہو رہا ہے اس پر کام کرنے دینا ہو گا۔ کال کرنے میں خطرہ یہ ہے کہ وہ آپ کو اپنی پیٹھ سے ہٹانے کے لئے کچھ بھی بتائیں گے، اور اگر آپ اس پر عمل کرتے ہیں اور اسے چھرے کی قیمت پر لیتے ہیں تو، آپ غلطی کر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ آپ ان کا رخ موڑ رہے ہیں۔ اب وہ نیچے کی بجائے اوپر کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ آپ انہیں صورتحال کو

حل کرنے سے روک رہے ہیں۔

وین ریپرنے یہ سبق اپنے ساتھ اس وقت اٹھایا جب انہوں نے ریڈ ٹیم کی قیادت سنچالی۔ میجنٹ گرو کیون کیلی کے الفاظ کی بازگشت سناتے ہوئے وان ریپر کہتے ہیں کہ 'اپہلی بات جو میں نے اپنے عملے سے کہی وہ یہ ہے کہ ہم کمانڈ میں ہوں گے اور کنٹرول سے باہر ہوں گے۔ اس سے میرا مطلب یہ ہے کہ مجموعی رہنمائی اور ارادہ میری اور سینٹر قیادت نے فراہم کیا تھا، لیکن میدان میں موجود فورسز اور پرسے آنے والے چیزیں احکامات پر منحصر نہیں ہوں گی۔ انہیں اپنی پہلی کا استعمال کرنا تھا اور آگے بڑھتے ہوئے جدت طراز ہونا تھا۔ تقریباً ہر روز، ریڈ ایئر فورسز کے کمانڈر مختلف خیالات کے ساتھ آتے تھے کہ وہ مختلف سمتوں سے بیلو ٹیم پر قابو پانے کی کوشش کرنے کی انعام تکنیکوں کا استعمال کرتے ہوئے، اسے کس طرح ایک ساتھ کھینچیں گے۔ لیکن انہیں مجھ سے کبھی خاص رہنمائی نہیں ملی کہ یہ کیسے کرنا ہے۔ بس ارادہ ہے۔"

ایک بار لڑائی شروع ہونے کے بعد، وان ریپر خود اعتمادی نہیں چاہتے تھے۔ وہ لمبی ملاقاتیں نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ وضاحت نہیں چاہتا تھا۔ "میں نے اپنے عملے سے کہا کہ ہم بیلو ٹیم کی طرف سے استعمال کی جانے والی اصطلاحات میں سے کوئی بھی استعمال نہیں کریں گے۔ میں اس لفظ 'اثرات' کو کبھی نہیں سننا چاہتا تھا، سوائے ایک عام گفتگو کے۔ میں آپریشنل نیٹ تشخیص کے بارے میں نہیں سننا چاہتا تھا۔ ہم ان مشینی عملوں میں سے کسی میں بھی نہیں پھنسیں گے۔ ہم ان لوگوں کی حکمت، تجربے اور اچھے فیصلے کو استعمال کریں گے جو ہمارے پاس تھے۔

اس طرح کے انتظامی نظام میں واضح طور پر اپنے خطرات ہیں۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وان ریپر کو ہمیشہ اس بات کا واضح اندازہ نہیں تھا کہ اس کی فوجیں کیا کر رہی ہیں۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اسے اپنے ماتحتوں پر بہت بھروسہ کرنا پڑتا۔ ان کے اپنے اعتراف کے مطابق، یہ فیصلے کرنے کا ایک "گندा" طریقہ تھا۔ لیکن اس کا ایک زبردست فائدہ تھا: لوگوں کو خود کو مسلسل وضاحت کیے بغیر کام کرنے کی اجازت دینا معاہدے کے اصول کی طرح بن جاتا ہے۔ یہ تیزی سے ادراک کے قابل بناتا ہے۔

میں آپ کو اس کی ایک بہت ہی سادہ مثال دیتا ہوں۔ تصویر، آپ کے ذہن میں، اس ویٹریا ویٹریس کا چہرہ جس نے آخری بار کسی ریستوراں میں کھانا کھایا تھا، یا وہ شخص جو آج بس میں آپ کے بغل میں بیٹھا تھا۔ کوئی بھی اجنبی جسے آپ نے حال ہی میں دیکھا ہے وہ کرے گا۔ اب، اگر میں آپ سے اس شخص کو پولیس لائے اپ سے نکالنے کے لئے کہوں، تو کیا آپ ایسا کر سکتے ہیں؟ مجھے شک ہے کہ آپ کر سکتے ہیں۔ کسی کے چہرے کو پہچاننا لاشعوری اور اک کی ایک بہترین مثال ہے۔ ہمیں اس کے بارے میں سوچنے کی ضرورت نہیں ہے۔ چہرے صرف ہمارے ذہنوں میں ابھرتے ہیں۔ لیکن فرض کریں کہ میں آپ سے ایک قلم اور کاغذ لے کر زیادہ تفصیل سے لکھوں کہ آپ کا شخص کیسا نظر آتا ہے۔ اس کے چہرے کی وضاحت کریں۔ اس کے بالوں کا رنگ کیا تھا؟ اس نے کیا پہنا ہوا تھا؟ کیا اس نے کوئی زیورات پہنے تھے؟ یقین کریں یا نہ کریں، اب آپ لائے اپ سے اس چہرے کو منتخب کرنے میں بہت بدتر کام کریں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی چہرے کو بیان کرنے کا عمل آپ کے چہرے کو بعد میں پہچاننے کی آسانی صلاحیت کو نقصان پہنچاتا ہے۔

ماہر نفسیات جونا تھن ڈبلیو اسکولر، جنہوں نے اس اثر پر تحقیق کا آغاز کیا، اسے زبانی سایہ قرار دیتے ہیں۔ آپ کے دماغ کا ایک حصہ (باہمیں نصف کرہ) ہے جو الفاظ میں سوچتا ہے، اور ایک حصہ (داہمیں نصف کرہ) جو تصاویر میں سوچتا ہے، اور جب آپ نے چہرے کو الفاظ میں بیان کیا تو جو ہوا وہ یہ تھا کہ آپ کی اصل بصری یادداشت بے دخل ہو گئی تھی۔ آپ کی سوچ داہمیں سے باہمیں نصف کرہ تک پہنچ گئی تھی۔ جب آپ کو دوسرا بار لائے اپ کا سامنا کرنا پڑا، تو آپ جس چیز پر غور کر رہے تھے وہ آپ کی یاد تھی کہ ویٹریں کیسی نظر آتی ہے، نہ کہ آپ کو یاد ہے کہ آپ نے اسے کس طرح دیکھا تھا۔ اور یہ ایک مسئلہ ہے کیونکہ جب چہروں کی بات آتی ہے تو، ہم زبانی وضاحت کے مقابلے میں بصری شناخت میں بہت بہتر ہیں۔ اگر میں آپ کو مارلن منز و یا البرٹ آمنسٹیٹ کی تصویر دکھاؤں تو آپ ایک سینئنڈ میں دونوں چہروں کو پہچان لیں گے۔ میرا اندازہ یہ ہے کہ اس وقت آپ ان دونوں کو اپنے تخیل میں تقریباً مکمل طور پر "دیکھے" سکتے ہیں۔ لیکن آپ انہیں کتنی درست طریقے سے بیان کر سکتے ہیں؟ اگر

آپ نے میریں منرو کے چہرے پر ایک پیراگراف لکھا، مجھے یہ بتائے بغیر کہ آپ کس کے بارے میں لکھ رہے ہیں، کیا میں اندازہ لگاسکتا ہوں کہ یہ کس کے بارے میں ہے۔

تھا؟ ہم سب کے پاس چہروں کے لئے ایک فطری یادداشت ہے۔ لیکن آپ کو اس یادداشت کو زبانی طور پر بیان کرنے پر مجبور کر کے۔ اپنے آپ کو سمجھانے کے لئے۔ میں آپ کو ان جبلتوں سے الگ کرتا ہوں۔ سایہ دار۔ آپ کے دماغ کا ایک حصہ (باہمیں نصف کرہ) ہے جو الفاظ میں سوچتا ہے، اور ایک حصہ (داہمیں نصف کرہ) جو تصاویر میں سوچتا ہے، اور جب آپ نے چہرے کو الفاظ میں بیان کیا تو جو ہوا وہ یہ تھا کہ آپ کی اصل بصری یادداشت بے دخل ہو گئی تھی۔ آپ کی سوچ دائیں سے باہمیں نصف کرہ تک پہنچ گئی تھی۔ جب آپ کو دوسری بار لائے آپ کا سامنا کرنا پڑا، تو آپ جس چیز پر غور کر رہے تھے وہ آپ کی یاد تھی کہ ویٹر میں کیسی نظر آتی ہے، نہ کہ آپ کو یاد ہے کہ آپ نے اسے کس طرح دیکھا تھا۔ اور یہ ایک مسئلہ ہے کیونکہ جب چہروں کی بات آتی ہے تو، ہم زبانی وضاحت کے مقابلے میں بصری شناخت میں بہت بہتر ہیں۔ اگر میں آپ کو مارلن منزو یا البرٹ آئنسٹائن کی تصویر دکھاؤں تو آپ ایک سینئڈ میں دونوں چہروں کو پہچان لیں گے۔ میرا اندازہ یہ ہے کہ اس وقت آپ ان دونوں کو اپنے تخيیل میں تقریباً مکمل طور پر "دیکھے" سکتے ہیں۔ لیکن آپ انہیں کتنی درست طریقے سے بیان کر سکتے ہیں؟ اگر آپ نے میرا میں منزو کے چہرے پر ایک پیراگراف لکھا، مجھے یہ بتائے بغیر کہ آپ کس کے بارے میں لکھ رہے ہیں، تو کیا میں اندازہ لگا سکتا ہوں کہ یہ کون تھا؟ ہم سب کے پاس چہروں کے لئے ایک فطری یادداشت ہے۔ لیکن آپ کو اس یادداشت کو زبانی طور پر بیان کرنے پر مجبور کر کے۔ اپنے آپ کو سمجھانے کے لئے۔ میں آپ کو ان جبلتوں سے الگ کرتا ہوں۔

چہروں کو پہچاننا ایک بہت ہی مخصوص عمل کی طرح لگتا ہے، لیکن اسکو انہوں نے دکھایا ہے کہ زبانی اثرات ہمارے وسیع تر مسائل کو حل کرنے کے طریقے پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ مندرجہ ذیل پہلی پر غور کریں:

ایک شخص اور اس کا بیٹا ایک سنگین کار حادثے کا شکار ہیں۔ باپ مارا جاتا ہے، اور بیٹے کو فوری طور پر اسپتال لے جایا جاتا ہے

ہنگامی کمرہ۔ وہاں پہنچنے کے بعد، حاضر ڈاکٹر بچے کو دیکھتا ہے اور ہستا ہے، "یہ بچہ میرا بیٹا ہے!"

ڈاکٹر کون ہے؟

یہ ایک بصیرت کی پہلی ہے۔ یہ ریاضی یا منطق کے مسئلے کی طرح نہیں ہے جسے پنسل اور کاغذ کے ساتھ منظم طریقے سے حل کیا جاسکتا ہے۔ جواب حاصل کرنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ اگر یہ پلک جھپکتے ہی آپ کے پاس آ جائے۔ آپ کو خود کار طریقے سے مفروضے سے آگے بڑھنے کی ضرورت ہے کہ ڈاکٹر ہمیشہ مرد ہوتے ہیں۔ وہ ہمیشہ نہیں ہیں، یقیناً۔ ڈاکٹراس لڑکے کی ماں ہے! یہاں ایک اور بصیرت پہلی ہے:

ایک بہت بڑا اسٹیل اہرام اپنے نقطہ پر مکمل طور پر متوازن ہے۔ اہرام کی کوئی بھی حرکت اس کو گرانے کا سبب بنے۔ اہرام کے نیچے \$100 کا نوٹ ہے۔ آپ اس کے بغیر بل کیسے ہٹا سکتے ہیں اہرام کو پریشان کرنا؟

کچھ لمحوں کے لئے اس مسئلے کے بارے میں سوچیں۔ پھر، ایک منٹ یا اس کے بعد، جتنی تفصیل سے آپ کو یاد ہو سکے، وہ سب کچھ لکھیں جو آپ کو یاد ہے کہ آپ کس طرح مسئلے کو حل کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ آپ کی حکمت عملی، آپ کا نقطہ نظر، یا کوئی بھی حل جو آپ نے سوچا ہے۔ جب اسکولرنے بصیرت کی پہلیوں کی ایک پوری شیٹ کے ساتھ یہ تجربہ کیا تو انہوں نے پایا کہ جن لوگوں سے خود کو سمجھانے کے لئے کہا گیا تھا، انہوں نے ان لوگوں کے مقابلے میں 30 فیصد کم مسائل حل کیے جو نہیں تھے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جب آپ اپنے خیالات لکھتے ہیں تو اس کا حل نکالنے کے لیے آپ کی بصیرت حاصل کرنے کے امکانات کافی حد تک متاثر ہوتے ہیں، بالکل اسی طرح جیسے آپ کی ویٹرس کا چہرہ بیان کرنے سے آپ اسے پولیس لائے اپ سے باہر نکالنے سے قاصر ہو جاتے

بیں۔ (اہرام کا حل

مسئلہ، ویسے، کسی طرح سے بل کو تباہ کرنا ہے۔ اسے پھاڑ دینا یا جلا دینا۔

ایک منطقی مسئلے کے ساتھ، لوگوں کو خود کو وضاحت کرنے کے لئے کہنے سے ان کی جوابات کے ساتھ آنے کی صلاحیت متاثر نہیں ہوتی ہے۔ کچھ معاملات میں، حقیقت میں، یہ مدد کر سکتا ہے۔ لیکن ایسے مسائل جن میں بصیرت کی ایک جھلک کی ضرورت ہوتی ہے وہ مختلف قواعد کے مطابق کام کرتے ہیں۔ اسکو لر کا کہنا ہے کہ "کھیلوں کے سیاق و سبق میں آپ کے تجزیے کے ذریعے یہ اسی طرح کافی ہے۔" جب آپ اس عمل کے بارے میں سوچنا شروع کرتے ہیں، تو یہ آپ کی صلاحیت کو کمزور کرتا ہے۔ آپ بہاؤ کھو دیتے ہیں۔ کچھ قسم کے سیال، بدیہی، غیر زبانی قسم کے تجربے ہیں جو اس عمل کے لئے کمزور ہیں۔ "بھیثیت انسان، ہم بصیرت اور جبلت کی غیر معمولی چھلانگیں لگانے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ہم ایک چہرے کو میموری میں رکھ سکتے ہیں، اور ہم فلیش میں ایک پہیلی کو حل کر سکتے ہیں۔ لیکن اسکو لر جو کہہ رہا ہے وہ یہ ہے کہ یہ تمام صلاحیتیں ناقابل یقین حد تک نازک ہیں۔ بصیرت کوئی روشنی کا بلب نہیں ہے جو ہمارے سروں کے اندر چلا جاتا ہے۔ یہ ایک چمکتی ہوئی موم بنتی ہے جسے آسانی سے نکالا جاسکتا ہے۔"

فیصلہ سازی کے ماہر گیری کلائن نے ایک بار کلیو لینڈ میں فائر ڈپارٹمنٹ کے ایک کمانڈر کے ساتھ ایک انٹرویو کیا تھا تاکہ پیشہ ور افراد کو ایسے وقت کے بارے میں بات کرنے پر مجبور کیا جاسکے جب انہیں سخت اور منقسم فیصلے کرنے پڑتے ہیں۔ فائر مین نے جو کہانی بتائی وہ ایک بظاہر معمول کی کال کے بارے میں تھی جو اس نے برسوں پہلے کی تھی، جب وہ لیفٹینٹ تھا۔ آگ ایک رہائشی علاقے کے ایک منزلہ گھر کے عقبی حصے میں باورچی خانے میں لگی تھی۔ لیفٹینٹ اور اس کے آدمیوں نے سامنے کا دروازہ توڑا، اپنی نلی بچھائی، اور پھر، جیسا کہ فائر مین کہتے ہیں، "لائن کو چارج کیا"، باورچی خانے میں آگ کوپانی سے بجھایا۔ اس موقع پر کچھ نہ کچھ ہونا چاہیے تھا: آگ تھم جانی

چاہیے تھی۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ تو مردوں نے دوبارہ چھڑ کاؤ کیا۔ پھر بھی، اس سے زیادہ فرق نہیں پڑا۔ فائر مین محراب کے ذریعے واپس کمرے میں چلے گئے، اور وہاں، اچانک، لیفٹینٹ نے اپنے آپ کو سوچا، کچھ غلط ہے۔ وہ اپنے آدمیوں کی طرف مڑ گیا۔ "چلواب باہر نکلتے ہیں!" اس نے کہا، اور ان کے جانے کے کچھ لمحوں بعد، وہ فرش گر گیا جس پر وہ کھڑے تھے۔ معلوم ہوا کہ آگ تھا خانے میں لگی ہوئی تھی۔

کلین یاد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ 'وہ نہیں جانتے تھے کہ انہوں نے سب کو باہر نکالنے کا حکم کیوں دیا تھا۔' اس کا خیال تھا کہ یہ ای ایس پی تھا۔ وہ سنجیدہ تھا۔ انہوں نے سوچا کہ ان کے پاس ای ایس پی ہے، اور انہوں نے محسوس کیا کہ اس ای ایس پی کی وجہ سے، وہ اپنے پورے کیریئر میں محفوظ رہے ہیں۔ اس کا خیال تھا کہ یہ ای ایس پی تھا۔ وہ سنجیدہ تھا۔ انہوں نے سوچا کہ ان کے پاس ای ایس پی ہے، اور انہوں نے محسوس کیا کہ اس ای ایس پی کی وجہ سے، وہ اپنے پورے کیریئر میں محفوظ رہے ہیں۔

کلائن پی ایچ ڈی کے ساتھ ایک فیصلہ محقق ہے، ایک انتہائی ذہین اور سوچنے والا شخص ہے، اور وہ اسے جواب کے طور پر قبول کرنے والا نہیں تھا۔ اس کے بجائے، اگلے دو گھنٹوں تک، بار بار اس نے فائر فائزٹر کو اس دن کے واقعات پر واپس لے جانے کی کوشش کی تاکہ لیفٹینٹ نے کیا کیا اور اسے معلوم نہیں تھا۔ کلائن کا کہنا ہے کہ 'اپہلی بات یہ تھی کہ آگ نے اس طرح کا بر تاؤ نہیں کیا جس طرح ہونا چاہیے تھا۔ باور پی خانے کی آگ کو پانی کا جواب دینا چاہئے۔ یہ نہیں تھا۔' پھر وہ واپس کمرے میں چلے گئے، "کلین نے آگے کہا۔" اس نے مجھے بتایا کہ وہ ہمیشہ اپنے کانوں کو بلند رکھتا ہے کیونکہ وہ یہ جاننا چاہتا ہے کہ آگ کتنی گرم ہے، اور وہ حیران تھا کہ یہ آگ کتنی گرم ہے۔ باور پی خانے کی آگ اتنی گرم نہیں ہونی چاہیے تھی۔ میں نے اس سے پوچھا: "اور کیا؟" اکثر مہارت کی علامت یہ ہوتی ہے کہ کیا نہیں ہوتا ہے، اور دوسری چیز جس نے اسے حیران کیا وہ یہ تھا کہ آگ شور نہیں تھی۔ یہ خاموشی تھی، اور اس بات کا کوئی مطلب نہیں تھا کہ وہاں کتنی گرمی تھی۔

پس منظر میں دیکھیں تو یہ تمام بے قاعد گیاں کامل معنی رکھتی ہیں۔ آگ باور پی خانے میں چھڑ کنے کا جواب نہیں

دے رہی تھی کیونکہ یہ باور پھی خانے میں مرکوز نہیں تھی۔ وہ خاموش تھا کیونکہ یہ فرش سے دبا ہوا تھا۔ لیونگ روم گرم تھا کیونکہ لیونگ روم کے نیچے آگ لگی ہوئی تھی اور گرمی بڑھ رہی تھی۔ تاہم، اس وقت، لیفٹینٹ نے شعوری طور پر ان میں سے کوئی رابطہ نہیں کیا۔ اس کی ساری سوچ اس کے بے ہوش ہونے کے بند دروازے کے پچھے چل رہی تھی۔ یہ عمل میں پتلی کاٹنے کی ایک خوبصورت مثال ہے۔ فائر مین کے اندر ورنی کمپیوٹر نے آسانی سے اور فوری طور پر ایک نمونہ تلاش کیا

افرا تفری۔ لیکن یقینی طور پر اس دن کے بارے میں سب سے جیران کن حقیقت یہ ہے کہ یہ سب تباہی کے کتنے قریب تھا۔ اگر لیفٹینٹ رک جاتا اور اپنے آدمیوں کے ساتھ صورتحال پر تبادلہ خیال کرتا، اگر اس نے ان سے کہا ہوتا، تو آئیے اس پر بات کرتے اور یہ جاننے کی کوشش کرتے کہ کیا ہو رہا ہے، اگر اس نے وہ کیا ہوتا جو ہم اکثر سوچتے ہیں کہ مشکل مسائل کو حل کرنے کے لئے رہنماؤں کو کیا کرنا چاہئے، تو وہ ان کی بصیرت تک پہنچنے کی صلاحیت کو تباہ کر سکتا تھا جس نے ان کی زندگیاں بچائی تھیں۔

ملینیم چیلنج میں، یہ بالکل وہی غلطی ہے جو بلیو ٹیم نے کی تھی۔ ان کے پاس ایک ایسا نظام تھا جس نے ان کے کمانڈروں کو روکنے اور چیزوں پر بات کرنے اور یہ معلوم کرنے پر مجبور کیا کہ کیا ہو رہا ہے۔ یہ ٹھیک ہوتا اگر ان کے سامنے موجود مسئلہ منطق کا مطالبہ کرتا۔ لیکن اس کے بجائے، وان ریپر نے انہیں کچھ مختلف پیش کیا۔ بلیو ٹیم نے سوچا کہ وہ وان ریپر کی بات چیت سن سکتے ہیں۔ لیکن اس نے موڑ سائیکلوں پر کوریر کے ذریعے پیغامات بھیجنے شروع کر دیے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ اپنے طیارے لانچ نہیں کر سکتے۔ لیکن انہوں نے دوسری جنگ عظیم سے ایک بھولی ہوئی تکنیک ادھار لی اور روشنی کے نظام کا استعمال کیا۔ ان کا خیال تھا کہ وہ ان کے جہازوں کا سراغ نہیں لگا سکتے۔ لیکن انہوں نے چھوٹی پیٹی کشتیوں کے ساتھ خلیج میں سیلا ببر پا کر دیا۔ اور پھر، اس لمحے کے زور پر، وان ریپر کے فیلڈ کمانڈروں نے حملہ کیا، اور اچانک بلیو ٹیم نے جس چیز کو معمول کی "باور پی خانے کی آگ" سمجھا وہ کچھ ایسا تھا جسے وہ اپنے مساوات میں بالکل بھی شامل نہیں کر سکتے تھے۔ انہیں بصیرت کے مسئلے کو حل کرنے کی ضرورت تھی، لیکن ان کی بصیرت کی طاقت ختم ہو گئی تھی۔

وین ریپر کہتے ہیں کہ "میں نے جو سناء ہے وہ یہ ہے کہ بلیو ٹیم نے یہ تمام طویل بات چیت کی تھی۔ وہ یہ فیصلہ کرنے کی کوشش کر رہے تھے کہ سیاسی صورتحال کیسی ہے۔ ان کے پاس اوپر تیر اور نیچے تیر والے چارٹ تھے۔ مجھے یاد ہے کہ میں سوچ رہا تھا، ایک منٹ ٹھہر و جب آپ لڑ رہے تھے تو آپ ایسا کر رہے تھے؟ ان کے پاس یہ تمام

مخفف تھے۔ قومی طاقت کے عناصر سفارتی، معلوماتی، فوجی اور معاشی تھے۔ یہ آپ کو ڈی آئی ایم ای دیتا ہے۔ وہ ہمیشہ بلیو ڈی آئی ایم ای کے بارے میں بات کرتے تھے۔ اس کے بعد سیاسی، فوجی، اقتصادی، سماجی، بنیادی ڈھانچے اور معلومات کے آلات، پی ایم ای ایس آئی تھے۔ لہذا ان کے پاس یہ خوفناک بات چیت ہو گی جہاں یہ ہماری ڈی آئی ایم ای بمقابلہ ان کی پی ایم ای ایس آئی ہو گی۔ میں گلا گھونٹنا چاہتا تھا۔ تم کیا بات کر رہے ہو؟ آپ جانتے ہیں، آپ شکلوں میں، میٹر کس میں، کمپیوٹر پروگراموں میں پھنس جاتے ہیں، اور یہ صرف آپ کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ وہ میکانکس اور عمل پر اتنی توجہ مرکوز کرتے تھے کہ انہوں نے کبھی بھی مسئلے کو مجموعی طور پر نہیں دیکھا۔ کسی چیز کو توڑنے کے عمل میں، آپ اس کے معنی کھو دیتے ہیں۔"

جنگی کھیل میں شامل ہے ایف سی او ایم کے سینٹر عہدیداروں میں سے ایک مجر جزل ڈین کیش نے بعد میں اعتراض کیا کہ "آپ پریشل نیٹ اسمنٹ ایک ایسا آلہ تھا جس سے ہم سب کو دیکھ سکتے تھے، سب کچھ جان سکتے تھے۔" ظاہر ہے، یہ ناکام ہو گیا۔"

4. شہر کے مرکزی علاقے سے دو میل مغرب میں واقع شکا گو میں ویسٹ ہیریسن اسٹریٹ پر ای آر میں ایک بحران، پچھلی صدی کے اوائل میں ڈیزائن اور تعمیر کی گئی ایک خوبصورت، بلاک لمبی عمارت ہے۔ ایک سو سال کے بہتر حصے کے لئے، یہ کک کاؤنٹی اسپتال کا گھر تھا۔ یہیں پر دنیا کا پہلا بلڈ بینک کھولا گیا، جہاں کو بالٹ ہیم تھراپی کا آغاز کیا گیا، جہاں سرجنوں نے ایک بار چار کٹی ہوئی انگلیوں کو دوبارہ منسلک کیا، اور جہاں ٹریما سینٹر قائم کیا گیا۔

وہ اتنا مشہور تھا اور آس پاس کے گروہوں کے گولیوں کے زخمیوں اور زخمیوں کے علاج میں اتنا مصروف تھا کہ اس نے ٹیلی ویژن سیریز ای آر کو متاثر کیا۔ تاہم، 1990 کی دہائی کے آخر میں، کک کاؤنٹی اسپتال نے ایک منصوبہ شروع کیا جو ایک دن اسپتال کو اتنی ہی پذیرائی حاصل کر سکتا ہے جتنی کہ ان سابقہ کامیابیوں میں سے کوئی بھی۔ کک کاؤنٹی نے اپنے ڈاکٹروں کے سینے میں درد کی شکایت کرنے والے ای آر میں آنے والے مريضوں کی تشخیص کرنے کے طریقے کو تبدیل کر دیا، اور انہوں نے ایسا کیسے اور کیوں کیا، ملینیم چیلنج میں پال وان ریپر کی غیر متوقع

کامیابی کو سمجھنے کا ایک اور طریقہ پیش کرتا ہے۔ کہ اس نے ٹلی ویژن سیریز ای آر کو ممتاز کیا۔ تاہم، 1990 کی دہائی کے آخر میں، لک کاؤنٹی اسپتال نے ایک منصوبہ شروع کیا جو ایک دن اسپتال کو اتنی ہی پذیرائی حاصل کر سکتا ہے جتنی کہ ان سابقہ کامیابیوں میں سے کوئی بھی۔

کک کاؤنٹی نے اپنے ڈاکٹروں کے سینے میں درد کی شکایت کرنے والے ای آر میں آنے والے مریضوں کی تشخیص کرنے کے طریقے کو تبدیل کر دیا، اور انہوں نے ایسا کیسے اور کیوں کیا، ملینیم چینچ میں پال و ان ریپر کی غیر متوقع کامیابی کو سمجھنے کا ایک اور طریقہ پیش کرتا ہے۔

کک کاؤنٹی کا یہ بڑا تجربہ 1996 میں اس وقت شروع ہوا جب برینڈن ریلی نامی ایک قابل ذکر شخص ہسپتال کے شعبہ طب کا چیئرمین بننے کے لیے شکاگو آیا۔ ریلی کو جو ادارہ و راشٹ میں ملا تھا وہ ایک گر بڑ تھی۔ شہر کے سب سے بڑے سرکاری ہسپتال کی حیثیت سے کک کاؤنٹی شکاگو کے لاکھوں شہریوں کے لیے آخری راستہ تھا جن کے پاس ہیئتہ انشورنس نہیں تھی۔ وسائل کو حد تک بڑھادیا گیا۔ ہسپتال کے کیورنس وارڈ ایک اور صدی کے لئے تعمیر کیے گئے تھے۔ وہاں کوئی نجی کمرے نہیں تھے، اور مریضوں کو کمزور پلائی ووڈ تقسیم کاروں کے ذریعہ الگ کیا گیا تھا۔ کوئی کیفے ٹیریا یا نجی ٹیلی فون نہیں تھا۔ ہال کے آخر میں ہر ایک کے لئے صرف ایک پے فون تھا۔ ایک ممکنہ طور پر سکروہ کہانی میں، ڈاکٹروں نے ایک بار ایک بے گھر شخص کو معمول کے لیبارٹری ٹیسٹ کرنے کی تربیت دی تھی کیونکہ وہاں کوئی اور دستیاب نہیں تھا۔

"پرانے دنوں میں،" اسپتال کے ایک ڈاکٹر کہتے ہیں، "اگر آپ آدمی رات کو کسی مریض کا معائنہ کرنا چاہتے تھے، تو وہاں صرف ایک لائٹ سورچ ہوتا تھا، اس لیے اگر آپ لائٹ آن کرتے تھے، تو پورا اور ڈروشن ہو جاتا تھا۔ یہ ستر کی دہائی کے وسط تک نہیں تھا کہ انفرادی بیڈ لائٹس میں۔ چونکہ یہ ایر کنڈیشنڈ نہیں تھا، لہذا ان کے پاس اتنے بڑے مداح تھے، اور آپ ان کے بنائے ہوئے ریکٹ کا تصور کر سکتے ہیں۔ آس پاس ہر طرح کی پولیس ہو گی کیونکہ کک کاؤنٹی وہ جگہ تھی جہاں وہ جیلوں سے مریضوں کو لاتے تھے، لہذا آپ قیدیوں کو بستریوں پر زنجیروں میں جکڑے ہوئے دیکھیں گے۔ مریض ٹیوی اور ریڈیو لے کر آتے تھے، اور وہ بجتے تھے، اور لوگ دالان میں اس طرح بیٹھتے تھے جیسے وہ گرمیوں کی شام کو برآمدے پر بیٹھے ہوں۔ مریضوں سے بھرے ان

دالانوں کے لئے صرف ایک باتھر دوم تھا، اہذا لوگ اپنے آئی وی کو گھستیتے ہوئے اوپر نیچے چلتے تھے۔ اس کے بعد نرسوں کی گھنٹیاں نج رہی تھیں جو آپ نے نرس حاصل کرنے کے لیے بھی تھیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ وہاں کافی نر سیں نہیں تھیں، اس لیے گھنٹیاں مسلسل بجتی رہتی تھیں اور بجتی رہتی تھیں۔ اس ترتیب میں کسی کے دل یا پھیپھڑوں کو سننے کی کوشش کریں۔ یہ ایک پاگل جگہ تھی۔"

ریلی نے اپنے طبی کیریئر کا آغاز ڈارٹ ماؤنٹھ کالج کے میدی یکل سینٹر سے کیا تھا، جو نیو ہیمپشائر کی ہلکی پھلکی پہاڑیوں میں واقع ایک خوبصورت، خوشحال جدید ترین ہسپتال تھا۔ ویسٹ ہیریسون اسٹریٹ ایک اور دنیا تھی۔ ریلی یاد کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ "میں یہاں پہلا موسم گرما 95 سال کا موسم گرماتھا، جب شکا گو میں گرمی کی لہر تھی جس میں سیکڑوں افراد ہلاک ہو گئے تھے، اور یقیناً اسپتال ایئر کنڈیشنڈ نہیں تھا۔" اسپتال کے اندر گرمی کا انڈیکس ایک سو بیس تھا۔ ہمارے پاس مریض اور بیمار مریض تھے جو اس ماحول میں رہنے کی کوشش کر رہے تھے۔ میں نے سب سے پہلے ایک کام یہ کیا کہ منتظمین میں سے ایک کو پکڑ لیا اور اسے ہال میں لے گیا اور ایک وارڈ کے نیچ میں اس کا کھڑا ہو گیا۔ وہ تقریباً آٹھ سیکنڈ تک جاری رہی۔

ریلی کو جن مسائل کا سامنا کرنا پڑا ان کی فہرست نہ ختم ہونے والی تھی۔ لیکن ایسا لگتا ہے کہ ایئر جنسی ڈپارٹمنٹ (ای ڈی) خصوصی توجہ کے لیے چیخ رہا ہے۔ چونکہ کچھ کاٹنی کے بہت کم مریضوں کے پاس ہیئتہ انتورنس تھی، ان میں سے زیادہ تر ایئر جنسی ڈپارٹمنٹ کے ذریعے اسپتال میں داخل ہوئے، اور ہوشیار مریض صبح سب سے پہلے آتے اور دوپہر کا کھانا اور رات کا کھانا پیک کرتے۔ ہال کے نیچے لمبی قطاریں تھیں۔ کمرے جام ہو گئے تھے۔ ای ڈی کے ذریعے ہر سال ڈھائی لاکھ مریض آتے ہیں۔

"کئی بار،" ریلی کہتی ہیں، "مجھے ای ڈی کے ذریعے چلنے میں بھی دشواری کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ یہ ایک گرنی تھی جو دوسرے کے اوپر تھی۔ ان لوگوں کی دلکشی بھال کرنے کے بارے میں مسلسل دباؤ تھا۔ بیماروں کو اسپتال میں داخل کرنا پڑا، اور تب یہ دلچسپ ہو گیا۔ یہ محدود وسائل والا نظام ہے۔ آپ کو کیسے پتہ چلتا ہے کہ کس کو کس چیز

کی ضرورت ہے؟ آپ یہ کیسے سمجھ سکتے ہیں کہ وسائل کو ان لوگوں تک کیسے پہنچایا جائے جنہیں ان کی سب سے زیادہ ضرورت ہے؟" ان میں سے بہت سے لوگ اس بیماری کا شکار تھے۔

دمہ، کیونکہ شکا گوریا ستمہ متحداً امریکہ میں دمے کے بدترین مسائل میں سے ایک ہے۔ لہذا ریلی نے دمہ کے مریضوں کے موثر علاج کے لئے مخصوص پروٹوکول تیار کرنے اور بے گھر افراد کے علاج کے لئے پروگراموں کا ایک اور سیٹ تیار کرنے کے لئے اپنے عملے کے ساتھ کام کیا۔

لیکن شروع سے ہی یہ سوال سامنے اور مرکز میں تھا کہ ہارت اٹیک سے کیسے نمٹا جائے۔ ایڈی میں داخل ہونے والے لوگوں کی ایک بڑی تعداد، اوس طاً ایک دن میں تقریباً تیس۔ فکر مند تھے کہ انہیں دل کا دورہ پڑ رہا ہے۔ اور ان تیس لوگوں نے اپنے حصے کے بستروں اور نرسوں اور ڈاکٹروں سے زیادہ استعمال کیا اور دوسرے مریضوں کے مقابلے میں بہت زیادہ دیر تک وہاں رہے۔ سینے میں درد کے مریض وسائل سے بھر پور تھے۔ علاج کا پروٹوکول طویل اور وسیع تھا اور سب سے بدترین غیر حتمی تھا۔

ایک مریض اس کے سینے کو کپڑ کر آتا ہے۔ ایک نرس اس کا بلڈ پریشر لے لیتی ہے۔ ایک ڈاکٹر اس کے سینے پر سٹیکھو سکوپ لگاتا ہے اور اس کی مخصوص آواز سنتا ہے جو اسے بتائے گا کہ آیا مریض کے پھیپھڑوں میں سیال ہے یا نہیں۔ یہ اس بات کی یقینی علامت ہے کہ اس کے دل کو پمپنگ کی ذمہ داریوں کو پورا کرنے میں دشواری ہو رہی ہے۔ وہ اس سے سوالات کا ایک سلسلہ پوچھتی ہے: آپ کو کتنے عرصے سے سینے میں درد کا سامنا ہے؟ درد کہاں ہوتا ہے؟ جب آپ ورزش کرتے ہیں تو کیا آپ کو خاص درد ہوتا ہے؟ کیا آپ کو پہلے بھی دل کی تکلیف ہوئی ہے؟ آپ کے کولیسٹرول کی سطح کیا ہے؟ کیا آپ مشیات استعمال کرتے ہیں؟ کیا آپ کو ذیا بیٹس ہے (جس کا دل کی بیماری کے ساتھ ایک طاقتوں تعلق ہے)؟ پھر ایک ٹینکنیشن آتا ہے، ٹرالی پر ڈیسک ٹاپ کمپیوٹر پر نظر کے سائز کے چھوٹے آلے کو دھکا دیتا ہے۔ وہ پلاسٹک کے چھوٹے اسٹیکر لگاتی ہیں جن پر ہک ہوتے ہیں

وہ مریض کے بازوؤں اور سینے پر عین جگہوں پر ہیں۔ ہر اسٹیکر پر ایک الیکٹرولوڈ چسپاں کیا جاتا ہے، جو اس کے دل کی بر قی سر گرمی کو "پڑھتا" ہے اور گلابی گراف پیپر کی شیٹ پر پیٹرنس پرنٹ کرتا ہے۔ یہ الیکٹرولوڈ یو گرام ہے۔

اصولی طور پر، ایک صحت مند مریض کا دل صفحے پر ایک منفرد اور مستقل نمونہ پیدا کرے گا جو پہاڑی سلسلے کی پروفائل کی طرح نظر آتا ہے۔ اور اگر مریض کو دل کی تکلیف ہو رہی ہے، تو نمونہ مسخ ہو جائے گا۔ عام طور پر اور اپنے والی لکیریں اب بچے جا رہی ہیں۔ وہ لکیریں جو کبھی خم دار تھیں اب چھپی یا لمبی یا اوپنی ہو سکتی ہیں، اور اگر مریض دل کے دورے کی زد میں ہے تو، ای سی جی ریڈ آؤٹ کو دو بہت ہی خاص اور قابل شناخت نمونے تشکیل دینے کی توقع کی جاتی ہے۔ تاہم، کلیدی الفاظ "فرض" ہیں۔ ای سی جی کامل سے بہت دور ہے۔ کبھی کبھی ای سی جی کے ساتھ کوئی شخص جو بالکل نارمل نظر آتا ہے سنگین پریشانی میں پڑ سکتا ہے، اور کبھی کبھی ای سی جی والا کوئی شخص جو خوفناک نظر آتا ہے وہ مکمل طور پر صحت مند ہو سکتا ہے۔ مکمل یقین کے ساتھ بتانے کے طریقے موجود ہیں کہ آیا کسی کو دل کا دورہ پڑ رہا ہے، لیکن ان میں مخصوص انزاں کے ٹیسٹ شامل ہیں جن کے نتائج میں گھنٹوں لگ سکتے ہیں۔ اور ایم بر جنسی روم میں ڈاکٹر کا سامنا ایک مریض کے ساتھ ہوتا ہے اور کوریڈور کے بچے قطار میں کھڑے دیگر سو مریضوں کے پاس گھنٹے نہیں ہوتے۔ لہذا جب سینے میں درد کی بات آتی ہے تو ڈاکٹر زیادہ سے زیادہ معلومات جمع کرتے ہیں اور پھر وہ اندازہ لگاتے ہیں۔ ان کے بازو اور سینے ہر اسٹیکر پر ایک الیکٹرولوڈ چسپاں کیا جاتا ہے، جو اس کے دل کی برقی سرگرمی کو "پڑھتا" ہے اور گلابی گراف پپر کی شیٹ پر پیٹرن پرنٹ کرتا ہے۔ یہ الیکٹروکارڈیوگرام ہے۔ اصولی طور پر، ایک صحت مند مریض کا دل صفحے پر ایک منفرد اور مستقل نمونہ پیدا کرے گا جو پہاڑی سلسلے کی پروفائل کی طرح نظر آتا ہے۔ اور اگر مریض کو دل کی تکلیف ہو رہی ہے، تو نمونہ مسخ ہو جائے گا۔ عام طور پر اپنے والی لکیریں اب بچے جا رہی ہیں۔ وہ لکیریں جو کبھی خم دار تھیں اب چھپی یا لمبی یا اوپنی ہو سکتی ہیں، اور اگر مریض دل کے دورے کی زد میں ہے تو، ای سی جی ریڈ آؤٹ کو دو بہت ہی خاص اور قابل شناخت نمونے تشکیل دینے کی توقع کی جاتی ہے۔ تاہم، کلیدی الفاظ "فرض" ہیں۔ ای سی جی کامل سے بہت دور ہے۔ کبھی کبھی ای سی جی کے ساتھ کوئی شخص جو بالکل نارمل نظر آتا ہے سنگین پریشانی میں پڑ سکتا ہے، اور کبھی کبھی ای سی جی والا کوئی شخص جو خوفناک نظر آتا ہے وہ مکمل طور پر صحت مند ہو سکتا ہے۔ قطعی یقین کے ساتھ یہ

بٹانے کے طریقے موجود ہیں کہ آیا کسی کو دل کا دورہ پڑ رہا ہے، لیکن ان میں مخصوص انزانگز کے ٹیسٹ شامل ہیں جو لے سکتے ہیں۔

نتائج کے لئے گھنٹے۔ اور ایمیر جنسی روم میں ڈاکٹر کاسامنا ایک مریض کے ساتھ ہوتا ہے اور کوریڈور کے نیچے قطار میں کھڑے دیگر سو مریضوں کے پاس گھنٹے نہیں ہوتے۔ لہذا جب سینے میں درد کی بات آتی ہے تو ڈاکٹر زیادہ سے زیادہ معلومات جمع کرتے ہیں اور پھر وہ اندازہ لگاتے ہیں۔

تاہم، اس تخمینے کے ساتھ مسئلہ یہ ہے کہ یہ بہت درست نہیں ہے۔ مثال کے طور پر، ریک میں اپنی مهم کے آغاز میں ریلی نے جو کام کیا تھا، ان میں سے ایک یہ تھا کہ سینے میں درد والے لوگوں کی بیس بالکل عام کیس ہسٹریز کو انٹھا کیا گیا اور ڈاکٹروں - کارڈیالوجسٹ، انٹرنیست، ایمیر جنسی روم کے ڈاکٹروں، اور طبی رہائشیوں کے ایک گروپ کو تاریخ دی گئی، دوسرے لفظوں میں، جن کے پاس سینے کے درد کے بارے میں تخمینہ لگانے کا بہت تجربہ تھا۔ نکتہ یہ دیکھنا تھا کہ بیس کیس میں سے کس کو دل کا دورہ پڑ رہا ہے اس بارے میں کتنا تفاق رائے تھا۔ ریلی نے جو پایا وہ یہ تھا کہ واقعی کوئی معاهدہ نہیں تھا۔ اس کے جوابات پورے نقشے پر موجود تھے۔ اسی مریض کو ایک ڈاکٹر کے ذریعہ گھر بھیجا جاسکتا ہے اور دوسرے کے ذریعہ انتہائی نگہداشت میں چیک کیا جاسکتا ہے۔ ریلی کا کہنا ہے کہ 'ہم نے ڈاکٹروں سے کہا کہ وہ صفر سے ایک سو کے پیمانے پر اندازہ لگائیں کہ ہر مریض کو دل کا دورہ پڑنے کا امکان ہے اور اس بات کا امکان ہے کہ اگلے تین دنوں میں ہر مریض کو ایک بڑی جان لیوا پچیدگی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ "ہر معاملے میں، ہمیں جو جواب ملے وہ صفر سے لے کر ایک سو تک تھے۔ یہ غیر معمولی تھا۔"

ڈاکٹروں نے سوچا کہ وہ منطقی فیصلے کر رہے ہیں۔ لیکن حقیقت میں وہ کچھ ایسا بنا رہے تھے جو ایک اندازے کی طرح لگ رہا تھا، اور اندازہ لگانا، یقیناً، غلطیوں کا باعث بتتا ہے۔ امریکی ہسپتالوں میں 2 سے 8 فیصد کے درمیان دل کا حقیقت دورہ پڑنے والے مریض کو گھر بھیج دیا جاتا ہے کیونکہ معائنہ کرنے والا ڈاکٹر کسی وجہ سے سوچتا ہے کہ مریض صحیت مند ہے۔ زیادہ عام طور پر، تاہم، ڈاکٹر احتیاط کے پہلو میں بھاری غلطی کر کے اپنی غیر یقینی صورتحال کو درست کرتے ہیں۔ جب تک کسی کو دل کا دورہ پڑنے کا امکان موجود ہے تو اس کے مسئلے کو نظر انداز کر کے چھوٹا

ساختہ کیوں مول لیں؟

ریلی کا کہنا ہے کہ اکتھے ہیں کہ آپ کے پاس ایک ایسا مریض ہے جو سینے میں شدید درد کی شکایت کرتے ہوئے ای آر کے سامنے پیش ہوتا ہے۔ "وہ بوڑھا ہے اور تمبا کو نوشی کرتا ہے اور اسے ہائی بلڈ پریشر ہے۔ آپ کو سوچنے پر مجبور کرنے کے لئے بہت ساری چیزیں ہیں، جی، یہ اس کا دل ہے۔ لیکن پھر، مریض کا جائزہ لینے کے بعد، آپ کو پتھر چلتا ہے کہ اس کی ای سی جی نارمل ہے۔ آپ کیا کرتے ہیں؟ ٹھیک ہے، آپ شاید اپنے آپ سے کہیں، یہ ایک بوڑھا لڑکا ہے جس میں بہت سارے خطرے کے عوامل ہیں جن کو سینے میں درد ہو رہا ہے۔ میں ای سی جی پر بھروسہ نہیں کروں گا۔ حالیہ برسوں میں یہ مسئلہ اس لیے مزید بڑھ گیا ہے کیونکہ طبی برادری نے لوگوں کو ہارت اٹیک کے بارے میں آگاہ کرنے کا اتنا اچھا کام کیا ہے کہ سینے میں درد کی پہلی علامت پر مریض دوڑتے ہوئے ہسپتال آتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی بد سلوکی کے خطرے نے ڈاکٹروں کو کسی مریض پر خطرہ مول لینے کے لیے کم سے کم تیار کر دیا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان دونوں دل کا دورہ پڑنے کے شبہ میں اسپتال میں داخل ہونے والوں میں سے صرف 10 فیصد کو ہی دل کا دورہ پڑتا ہے۔

پھر یہ ریلی کا مسئلہ تھا۔ وہ ڈارٹ ماڈ تھا یا شکا گو کے شمال کی طرف واقع ایک پرتعیش نجی اسپتال میں واپس نہیں آئے تھے، جہاں پیسے کا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ وہ گک کاؤنٹی میں تھا۔ وہ جو توں کی تار پر شعبہ طب چلا رہے تھے۔ اس کے باوجود، ہر سال، اسپتال نے خود کو ان لوگوں پر زیادہ سے زیادہ وقت اور پیسے خرچ کیا جن کو اصل میں دل کا دورہ نہیں پڑا تھا۔ مثال کے طور پر گک کاؤنٹی کے کورونزی کیسریونٹ میں ایک بستر کی قیمت تقریباً 2000 ڈالر فی رات ہے اور سینے میں درد کا ایک عام مریض تین دن تک رہ سکتا ہے لیکن سینے میں درد کے عام مریض کے ساتھ اس وقت کچھ بھی غلط نہیں ہو سکتا ہے۔ کیا یہ، لک کاؤنٹی کے ڈاکٹروں نے خود سے پوچھا، اسپتال چلانے کا کوئی طریقہ ہے؟

"یہ سارا سلسہ 1996ء میں شروع ہوا تھا،" ریلی کہتے ہیں۔ "ہمارے پاس سینے میں درد کے مریضوں سے نہنٹنے کے

لیے بسروں کی تعداد نہیں تھی۔ ہم مسلسل اس بارے میں لکھ رہے تھے کہ کس مریض کو کس چیز کی ضرورت ہے۔ اس وقت لگ کاٹنی کے کورونری کیسریونٹ میں آٹھ بسٹر تھے، اور ایک اور

اٹر میڈیٹ کورونری کیسر میں بارہ بستر ہیں، جو ایک ایسا وارڈ ہے جو چلانے کے لئے تھوڑا کم سخت اور سستا ہے (2,000 ڈالر کے بجائے ایک رات میں تقریباً 1,000، 1 ڈالر) اور کارڈیو لو جسٹ کے بجائے نرسوں کے ذریعہ عملہ ہے۔ لیکن یہ کافی بستر نہیں تھا۔ ہندا انہوں نے ایک اور سیکیشن کھولا، جسے آبزرولیشن یونٹ کہا جاتا ہے، جہاں وہ مریض کو آدھے دن یا اس سے زیادہ وقت تک انتہائی بنیادی دیکھ بھال کے تحت رکھ سکتے تھے۔ "ہم نے ایک تیسرا، پخی سطح کا آپشن بنایا اور کہا، 'چلو یہ دیکھتے ہیں کہ اس سے مدد ملتی ہے یا نہیں۔ لیکن بہت جلد جو ہوا وہ یہ ہے کہ ہم نے اس بارے میں لڑنا شروع کر دیا کہ مشاہدے کے یونٹ میں کون آئے گا۔" ریلی آگے بڑھ گئی۔ "مجھے مل جائے گا

ساری رات فون کالز آتی رہتی ہیں۔ یہ واضح تھا کہ یہ فیصلہ کرنے کا کوئی معیاری اور منطقی طریقہ نہیں تھا۔

ریلی ایک لمبے قد کا آدمی ہے جس کی ساخت پتلی ہے۔ ان کی پرورش نیو یارک شہر میں ہوئی، جو کلاسیک جیسوٹ تعليم کی پیداوار تھی: ہائی اسکول کے لئے ریجس، جہاں انہوں نے لاطینی اور یونانی کے چار سال گزارے، اور کالج کے لئے فورڈ ہم یونیورسٹی، جہاں انہوں نے قدیم سے لے کر و مگنستائن اور ہائیڈ مگر تک سب کچھ پڑھا اور طب میں سکونت اختیار کرنے سے پہلے فلسفے میں تعلیمی کیریئر کے بارے میں سوچا۔ ایک بارڈارٹ ماؤنٹین میں اسٹینٹ پروفیسر کی حیثیت سے، ریلی اس بات سے مایوس ہو گئے کہ ڈاکٹروں کو بیرونی مریضوں میں پیش آنے والے روزمرہ کے مسائل پر کسی بھی قسم کی منظم نصابی کتاب کی کمی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جیسے چکر آنا، سر درد اور پیٹ میں درد۔ چنانچہ وہ بیٹھ گئے اور اپنی فارغ شام اور اختتام ہفتہ میں اس موضوع پر آٹھ سو صفحات پر مشتمل ایک درسی کتاب لکھی، جس میں ایک عام طبیب کو درپیش سب سے عام مسائل کے لئے دستیاب ثبوت کا بڑی محنت سے جائزہ لیا گیا۔ سینے میں درد کے منصوبے پر ریلی کے ساتھ کام کرنے والے ان کے دوست اور ساتھی آر تھر

ایونز کا کہنا ہے کہ "وہ ہمیشہ مختلف موضوعات کی تلاش کرتے ہیں، چاہے وہ فلسفہ ہو یا اسکا لش شاعری یا طب کی تاریخ۔" وہ عام طور پر ایک ساتھ پانچ کتابیں پڑھتے ہیں، اور جب وہ ڈارٹ ماؤنٹھ میں تھے تو جب انہوں نے چھٹی لی، تو انہوں نے ایک ناول لکھنے میں وقت گزارا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ریلی مشرقی ساحل پر رہ سکتا تھا اور اس یا اس خاص مسئلے پر ایرلنڈ بیشنڈ آرام سے ایک کے بعد ایک مقالہ لکھ سکتا تھا۔ لیکن وہ کگ کاؤنٹی کی طرف راغب ہوئے۔ ایک ایسے ہسپتال کے بارے میں بات جو صرف غریب ترین اور ضرورت مندوں کی خدمت کرتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ اس قسم کی نرسوں اور ڈاکٹروں کو راغب کرتا ہے جو غریب ترین اور ضرورت مندوں کی خدمت کرنا چاہتے ہیں۔ اور ریلی ان میں سے ایک تھا۔ کگ کاؤنٹی کے بارے میں دوسری بات یہ تھی کہ اس کی نسبتاً غربت کی وجہ سے، یہ ایک ایسی جگہ تھی جہاں کچھ انقلابی کوشش کرنا ممکن تھا۔ اور تبدیلی میں دلچسپی رکھنے والے کسی شخص کے لئے اس سے بہتر جگہ کیا ہو سکتی ہے؟

ریلی کا پہلا کام لی گولڈ مین نامی کارڈیالوجسٹ کے کام کی طرف رجوع کرنا تھا۔ 1970 کی دہائی میں، گولڈ مین ریاضی دانوں کے ایک گروپ کے ساتھ شامل ہو گئے جو ذیلی جوہری ذرات جیسی چیزوں کو الگ کرنے کے لئے شماریاتی تواud تیار کرنے میں بہت دلچسپی رکھتے تھے۔ گولڈ مین کو فرکس میں زیادہ دلچسپی نہیں تھی، لیکن اس نے اسے حیرت میں ڈال دیا کہ گروپ اسی ریاضیاتی اصولوں میں سے کچھ یہ فیصلہ کرنے میں مدد گار ثابت ہو سکتے ہیں کہ آیا کسی کو دل کا دورہ پڑا ہے یا نہیں۔ لہذا انہوں نے سیکڑوں مریضوں کو کمپیوٹر میں فیڈ کیا اور دیکھا کہ کس قسم کی چیزوں سے دل کا دورہ پڑنے کی پیش گوئی کی جاسکتی ہے اور انہوں نے ایک الگوریتم تیار کیا جس کے بارے میں ان کا خیال تھا کہ سینے کے درد کا علاج کرنے سے زیادہ تر اندازے لگائے جاسکتے ہیں۔ انہوں نے نتیجہ اخذ کیا کہ ڈاکٹروں کو ایسی جی کے شواہد کو تین فوری خطرے کے عوامل کے ساتھ جوڑنا چاہئے: (1) کیا مریض کو محسوس ہونے والا درد غیر مستخدم انجائنا ہے؟ (2) کیا مریض کے پھیلپھڑوں میں سیال موجود ہے؟ اور (3) کیا مریض کا سسٹوک بلڈ پریشر 100 سے کم ہے؟

خطرے کے عوامل کے ہر امترانج کے لئے، گولڈمن نے ایک فیصلہ درخت تیار کیا جس نے علاج کے آپشن کی سفارش کی۔ مثال کے طور پر، ایک عام ای سی جی والا مریض جو تینوں فوری خطرے کے عوامل پر ثابت تھا وہ امڑ میڈیٹ یونٹ میں جائے گا۔ ایک مریض جس کی ای سی جی نے شدید اشکنیمیا ظاہر کیا (یعنی، دل کے پھوٹوں کو کافی خون نہیں مل رہا تھا) لیکن جس میں یا تو ایک یا کوئی نہیں تھا

خطرے کے عوامل کو کم خطرہ سمجھا جائے گا اور مختصر قیام یونٹ میں چلے جائیں گے۔ کسی ایسے شخص کو ای سی جی پازیٹھ ہو جس میں اسکیمیا اور دویا تین خطرے کے عوامل ہوں تو اسے براہ راست کارڈیک کیسر یونٹ میں بھیجا جائے گا۔

گولڈ مین نے سالوں تک اپنے فیصلے کے درخت پر کام کیا، اسے مستقل طور پر بہتر اور کامل بنایا۔ لیکن ان کے سائنسی مضامین کے آخر میں، ہمیشہ ایک سادہ ساجملہ تھا کہ کلینیکل پریکٹس میں فیصلے کے درخت کو استعمال کرنے سے پہلے کتنی زیادہ دستی، حقیقی دنیا کی تحقیق کرنے کی ضرورت ہے۔ تاہم، جیسے جیسے سال گزرتے گئے، کسی نے بھی رضا کارانہ طور پر یہ تحقیق نہیں کی۔ یہاں تک کہ ہارورڈ میڈیکل اسکول میں بھی نہیں، جہاں گولڈ مین نے اپنا کام شروع کیا، یا سان فرانسکو میں کیلیفورنیا کی اتنی ہی مشہور یونیورسٹی میں، جہاں انہوں نے اسے مکمل کیا۔ ان کے حساب کتاب کی تمام سختیوں کے باوجود، ایسا لگتا تھا کہ کوئی بھی ان کی بات پر یقین نہیں کرنا چاہتا تھا، کہ ایک مساوات ایک تربیت یافتہ طبیب سے بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کر سکتی ہے۔

ستم ظرفی یہ ہے کہ گولڈ مین کی ابتدائی تحقیق کے لیے فنڈز کا ایک بڑا حصہ خود طبی برادری کی طرف سے نہیں بلکہ بحریہ کی طرف سے آیا تھا۔ یہاں ایک شخص ملک کے ہر اسپتال میں زندگیاں بچانے اور دیکھ بھال کے معیار کو بہتر بنانے اور صحت کی دیکھ بھال کے اخراجات میں اربوں ڈالر بچانے کا طریقہ تلاش کرنے کی کوشش کر رہا تھا، اور واحد گروپ جو پر جوش ہوا وہ پینٹا گوں تھا۔ کیوں؟ سب سے اہم وجہات کی بناء پر: اگر آپ سمندر کی تہہ میں آبدوز میں ہیں، دشمن کے پانیوں میں خاموشی سے جاسوسی کر رہے ہیں، اور آپ کے ملاحوں میں سے ایک سینے میں درد میں مبتلا ہونے لگتا ہے، تو آپ واقعی یہ جاننا چاہتے ہیں کہ آیا آپ کو اسے اسپتال لے جانے کے لئے سطح پر اترنے (اور اپنی پوزیشن چھوڑنے) کی ضرورت ہے یا کیا آپ پانی کے اندر رہ سکتے ہیں اور اسے صرف کچھ رو لیڈز کے ساتھ اس کے بنک میں بھیج سکتے ہیں۔

لیکن ریلی نے گولڈ مین کے نتائج کے بارے میں طبی برادری کی کسی بھی تشویش کا اظہار نہیں کیا۔ وہ ایک بحران میں تھا۔ انہوں نے گولڈ مین کا الگورنٹم لیا، اسے کچھ کاؤنٹی ای ڈی کے ڈاکٹروں اور میڈیسین ڈپارٹمنٹ کے ڈاکٹروں کے سامنے پیش کیا، اور اعلان کیا کہ وہ بیک آف پکٹر ہے ہیں۔ پہلے چند مہینوں کے لئے، عملہ سینے کے درد کا اندازہ لگانے میں اپنے فیصلے کا استعمال کرے گا، جس طرح وہ ہمیشہ کرتے تھے۔ پھر وہ گولڈ مین کے الگورنٹم کا استعمال کریں گے، اور دونوں نظاموں کے تحت علاج کیے جانے والے ہر مریض کی تشخیص اور نتیجہ ہو گا۔

مقابلے، دوسال تک، اعداد و شمار جمع کیے گئے، اور آخر میں، نتیجہ قریب بھی نہیں تھا۔ گولڈ مین کے اصول نے دو ستمتوں میں ہاتھ بٹایا: یہ ان مریضوں کی شناخت کرنے کے پرانے طریقہ کا رسے 70 فیصد بہتر تھا جنہیں واقعی دل کا دورہ نہیں پڑا تھا۔ ایک ہی وقت میں، یہ محفوظ تھا۔ سینے میں درد کی پیشگوئی کا پورا نقطہ یہ یقینی بنانا ہے کہ جن مریضوں کو بڑی پیچیدگیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے انہیں فوری طور پر کورونزی اور انٹر میڈیٹ یونٹوں میں تفویض کیا جاتا ہے۔ اپنے آلات پر چھوڑ کر، ڈاکٹروں نے 75 سے 89 فیصد وقت کے درمیان انہائی سنگین مریضوں کے بارے میں درست اندازہ لگایا۔ الگورنٹم نے 95 فیصد سے زیادہ وقت درست اندازہ لگایا۔ ریلی کے لئے، یہ وہ تمام ثبوت تھے جن کی اسے ضرورت تھی۔ وہ ای ڈی کے پاس گیا اور قواعد کو تبدیل کیا۔ 2001 میں، کچھ کاؤنٹی اسپتال سینے کے درد کے لئے گولڈ مین الگورنٹم کے لئے خود کو کل وقتنی وقف کرنے والے ملک کے پہلے طبی اداروں میں سے ایک بن گیا، اور اگر آپ کچھ کاؤنٹی ای آر میں چلتے ہیں تو، آپ کو دیوار پر لگائے گئے دل کے دورے کے فیصلے کے درخت کی ایک کاپی نظر آئے گی۔ اس اصول نے دو ستمتوں میں ہاتھ ملایا: یہ ان مریضوں کی شناخت کرنے کے پرانے طریقہ کا رسے 70 فیصد بہتر تھا جنہیں واقعی دل کا دورہ نہیں پڑا تھا۔ ایک ہی وقت میں، یہ محفوظ تھا۔ سینے میں درد کی پیشگوئی کا پورا نقطہ یہ یقینی بنانا ہے کہ جن مریضوں کو بڑی پیچیدگیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے انہیں فوری طور پر کورونزی اور انٹر میڈیٹ یونٹوں میں تفویض کیا جاتا ہے۔ اپنے آلات پر چھوڑ کر، ڈاکٹروں نے 75 سے 89 فیصد وقت کے درمیان انہائی سنگین مریضوں کے بارے میں درست اندازہ لگایا۔ الگورنٹم نے

95 فیصد سے زیادہ درست اندازہ لگایا

وقت ہے۔ ریلی کے لئے، یہ وہ تمام ثبوت تھے جن کی اسے ضرورت تھی۔ وہ ای ڈی کے پاس گیا اور قواعد کو تبدیل کیا۔ 2001 میں، کک کاؤنٹی اسپتال سینے کے درد کے لئے گولڈ مین الگور تھم کے لئے خود کو کل وقٹی وقف کرنے والے ملک کے پہلے طبی اداروں میں سے ایک بن گیا، اور اگر آپ کک کاؤنٹی ای آر میں چلتے ہیں تو، آپ کو دیوار پر لگائے گئے دل کے دورے کے فیصلے کے درخت کی ایک کاپی نظر آئے گی۔

5۔ جب کم زیادہ ہے تو کک کاؤنٹی کا تجربہ اتنا اہم کیوں ہے؟ کیونکہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ فیصلہ سازوں کے پاس جتنی زیادہ معلومات ہوں گی، وہ اتنے ہی بہتر ہوں گے۔ اگر ہم جس ماہر کو دیکھ رہے ہیں وہ کہتا ہے کہ اسے مزید ٹیکسٹ کرنے یا مزید تفصیل سے ہمارا معاہنہ کرنے کی ضرورت ہے، تو ہم میں سے کچھ لوگ سوچتے ہیں کہ یہ ایک براخیاں ہے۔ ملینیم چیلنج میں، بلیو ٹیم نے اس بات کو تسلیم کیا کہ چونکہ ان کی انگلیوں پر ریڈ ٹیم کے مقابلے میں زیادہ معلومات تھیں، لہذا انہیں کافی فائدہ ہوا۔ یہ بلیو ٹیم کی ناقابل تسلیم کا دوسرا استون تھا۔ وہ وان روپر سے زیادہ منطقی اور منظم تھے، اور وہ زیادہ جانتے تھے۔ لیکن گولڈ مین الگور تھم کیا کہتا ہے؟ اس کے بالکل بر عکس: یہ تمام اضافی معلومات اصل میں ایک فائدہ نہیں ہے۔ در حقیقت، آپ کو ایک پیچیدہ رجحان کے بنیادی دستخط کو تلاش کرنے کے لئے بہت کم جانے کی ضرورت ہے۔ آپ کو صرف ای سی جی، بلڈ پریشر، پھیپھڑوں میں سیال، اور غیر مستخدم انجامنے کے ثبوت کی ضرورت ہے۔

یہ ایک بنیاد پرست بیان ہے۔ مثال کے طور پر ای آر میں آنے والے ایک شخص کے فرضی معاملے کو لے لیجیے جو وقٹی وقٹی سے باہمیں جانب سینے میں درد کی شکایت کرتا ہے جو کبھی کبھار سیڑھیوں پر چڑھنے پر آتا ہے اور یہ پانچ منٹ سے تین گھنٹے تک رہتا ہے۔ ان کے سینے کا معاہنہ، دل کا معاہنہ اور ای سی جی نارمل ہیں، اور ان کا سسٹولک بلڈ پریشر 165 ہے، جس کا مطلب ہے کہ یہ فوری عنصر کے طور پر اہل نہیں ہے۔ لیکن وہ ساٹھ کی دہائی میں ہے۔ وہ ایک سخت چارج کرنے والا ایگزیکٹو ہے۔ وہ مسلسل دباو میں ہے۔ وہ تمباکونو شی کرتا ہے۔ وہ ورزش نہیں کرتا۔ وہ کئی

سالوں سے ہائی بلڈ پریشر کا شکار ہیں۔ اس کا وزن زیادہ ہے۔ دو سال قبل ان کے دل کی سر جری ہوئی تھی۔ اسے پسینہ آ رہا ہے۔ یقینی طور پر ایسا لگتا ہے کہ اسے فوری طور پر کورونزی کیسر پونٹ میں داخل کیا جانا چاہئے۔ لیکن الگورنٹم کا کہنا ہے کہ اسے ایسا نہیں ہونا چاہئے۔ یہ تمام اضافی عوامل یقینی طور پر طویل مدت میں اہمیت رکھتے ہیں۔ مریض کی حالت اور غذا اور طرز زندگی نے اسے اگلے چند سالوں میں دل کی بیماری میں متلا ہونے کے سنگین خطرے میں ڈال دیا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ عوامل اگلے 72 گھنٹوں میں ان کے ساتھ کچھ ہونے کے امکانات کو بڑھانے میں بہت باریک اور پیچیدہ کردار ادا کرتے ہیں۔ گولڈ مین کا الگورنٹم اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ ان دیگر عوامل کا کردار اس بات کا تعین کرنے میں اتنا چھوٹا ہے کہ اس وقت انسان کے ساتھ کیا ہو رہا ہے کہ ان کے بغیر درست تشخیص کی جاسکتی ہے۔ درحقیقت خلچ میں اس دن بیوی ٹیم کے ٹوٹنے کی وضاحت کرنے میں یہ ایک اہم نکتہ ہے کہ اضافی معلومات بیکار سے کہیں زیادہ ہیں۔ یہ نقصان دہ ہے۔ یہ مسائل کو الجھادیتا ہے۔ دل کے دورے کی پیش گوئی کرنے کی کوشش کرتے وقت ڈاکٹروں کو جو چیز پریشان کرتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ بہت زیادہ معلومات کو مد نظر رکھتے ہیں۔

بہت زیادہ معلومات کا مسئلہ اس مطالعے میں بھی سامنے آتا ہے کہ کیوں ڈاکٹر بعض اوقات ہارت ایک سے محروم ہونے کی غلطی کرتے ہیں۔ جب کوئی دل کی بڑی پیچیدگی کے دہانے پر یاد رمیاں میں ہوتا ہے تو یہ پہچانے میں ناکام رہتا ہے۔ یہ پتہ چلا ہے کہ ڈاکٹروں کو خواتین اور اقلیتوں کے ساتھ اس طرح کی غلطی کرنے کا زیادہ امکان ہے۔ ایسا کیوں ہے؟ جب دل کے مسائل کی بات آتی ہے تو جنس اور نسل غیر متعلقہ نہیں ہیں۔ سیاہ فام وں میں سفید فاموں کے مقابلے میں مجموعی طور پر خطرے کی پروفائل مختلف ہوتی ہے، اور خواتین کو مردوں کے مقابلے میں زندگی میں بہت بعد میں دل کا دورہ پڑتا ہے۔ مسئلہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب صنف اور نسل کی اضافی معلومات کو کسی انفرادی مریض کے بارے میں فیصلے میں شامل کیا جاتا ہے۔ یہ صرف ڈاکٹر کو مزید متأثر کرنے کا کام کرتا ہے۔ ڈاکٹران معاملات میں بہتر کام کریں گے اگر وہ اپنے مریضوں کے بارے میں کم جانتے ہیں۔ اگر، یعنی، انہیں

معلوم نہیں تھا کہ وہ جن لوگوں کی تشخیص کر رہے ہیں وہ سفید ہیں یا سیاہ، مرد یا عورت۔

یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ گولڈمن کے لئے اپنے خیالات کو قبول کرنا اتنا مشکل رہا ہے۔ ایسا نہیں لگتا

یہ سمجھنے کے لئے کہ ہم مکمل طور پر درست معلومات کی طرح نظر انداز کر کے بہتر کام کر سکتے ہیں۔ ریلی کا کہنا ہے کہ 'یہی وہ چیز ہے جو فیصلے کے اصول کو تلقید کے لیے کھولتی ہے۔ "یہ بالکل وہی ہے جس پر ڈاکٹروں کو بھروسہ نہیں ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ 'یہ عمل صرف ایسی جی کو دیکھنے اور یہ چند سوالات پوچھنے سے کہیں زیادہ پیچیدہ ہونا چاہیے۔ اس میں یہ کیوں شامل نہیں ہے کہ مریض کو ذیابیطس ہے یا نہیں؟ اس کی عمر کتنی ہے؟ کیا اسے پہلے بھی دل کا دورہ پڑا ہے؟" یہ واضح سوالات ہیں۔

وہ اسے دیکھتے ہیں اور کہتے ہیں، 'یہ بکواس ہے، آپ اس طرح فیصلے نہیں کرتے ہیں۔ آرٹھر ایونز کا کہنا ہے کہ ڈاکٹروں میں ایک طرح کا خود کار رجحان پایا جاتا ہے کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ زندگی یا موت کا فیصلہ ایک مشکل فیصلہ ہونا چاہیے۔ "ڈاکٹروں کا خیال ہے کہ ہدایات پر عمل کرنا دنیوی ہے،" وہ کہتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اپنے طور پر فیصلہ کرنا زیادہ اطمینان بخش ہے۔ کوئی بھی الگوریتم کی پیروی کر سکتا ہے۔ یہ کہنے کا رجحان ہے، 'ٹھیک ہے، یقینی طور پر میں بہتر کر سکتا ہوں۔ یہ اتنا آسان اور موثر نہیں ہو سکتا ہے۔ ورنہ وہ مجھے اتنے پیسے کیوں دے رہے ہیں؟' الگوریتم صحیح محسوس نہیں ہوتا ہے۔ آرٹھر ایونز کا کہنا ہے کہ ڈاکٹروں میں ایک طرح کا خود کار رجحان پایا جاتا ہے کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ زندگی یا موت کا فیصلہ ایک مشکل فیصلہ ہونا چاہیے۔ "ڈاکٹروں کا خیال ہے کہ ہدایات پر عمل کرنا دنیوی ہے،" وہ کہتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اپنے طور پر فیصلہ کرنا زیادہ اطمینان بخش ہے۔ کوئی بھی الگوریتم کی پیروی کر سکتا ہے۔ یہ کہنے کا رجحان ہے، 'ٹھیک ہے، یقینی طور پر میں بہتر کر سکتا ہوں۔ یہ اتنا آسان اور موثر نہیں ہو سکتا ہے۔ ورنہ وہ مجھے اتنے پیسے کیوں دے رہے ہیں؟' الگوریتم صحیح محسوس نہیں ہوتا ہے۔

کئی سال پہلے اسٹورٹ اوسکمپ نامی ایک محقق نے ایک مشہور مطالعہ کیا تھا جس میں انہوں نے ماہرین نفسیات کے ایک گروپ کو اکٹھا کیا تھا اور ان میں سے ہر ایک سے جوزف کڈنامی 29 سالہ جنگ کے سابق فوجی کے معاملے پر غور کرنے کے لئے کہا تھا۔ تجربے کے پہلے مرحلے میں، انہوں نے انہیں کڈ کے بارے میں صرف بنیادی

معلومات دیں۔ پھر انہوں نے انہیں اپنے بچپن کے بارے میں ڈیرڑھ صفحے دیئے۔ تیرے مرحلے میں، انہوں نے ہر شخص کو کڈ کے ہائی اسکول اور کالج کے سالوں کے پس منظر کے مزید دو صفحات دیئے۔ آخر میں، انہوں نے انہیں کڈ کے فوج میں وقت اور اس کے بعد کی سرگرمیوں کا تفصیلی بیان دیا۔ ہر مرحلے کے بعد، ماہرین نفسیات کو کڈ کے بارے میں پچیس آسٹم ملٹی پل چوائس ٹیسٹ کا جواب دینے کے لئے کہا گیا تھا۔ اوسکمپ نے پایا کہ جیسے جیسے انہوں نے ماہرین نفسیات کو کڈ کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات دیں، ان کی تشخیص کی درستگی پر ان کے اعتناد میں ڈرامائی طور پر اضافہ ہوا۔ لیکن کیا وہ واقعی زیادہ درست ہو رہے تھے؟ جیسا کہ پتہ چلا ہے، وہ نہیں تھے۔ اعداد و شمار کے ہر نئے دور کے ساتھ، وہ ٹیسٹ پر واپس جاتے تھے اور آٹھ یا نو یادس سوالات کے اپنے جوابات کو تبدیل کرتے تھے، لیکن ان کی مجموعی درستگی تقریباً 30 فیصد پر مستحکم رہتی تھی۔

"جیسے جیسے انہیں مزید معلومات حاصل ہوئیں،" اوسکمپ نے نتیجہ اخذ کیا، "ان کے اپنے فیصلوں کے بارے میں ان کی یقین دہانی ان فیصلوں کی اصل درستگی کے تناسب سے مکمل طور پر باہر ہو گئی۔ یہ وہی چیز ہے جو ای آر میں ڈاکٹروں کے ساتھ ہوتی ہے۔ وہ واقعی ضرورت سے کہیں زیادہ معلومات جمع کرتے ہیں اور اس پر غور کرتے ہیں کیونکہ یہ انہیں زیادہ پر اعتناد محسوس کرتا ہے۔ اور کسی کی زندگی کے توازن میں ہونے کے ساتھ، انہیں زیادہ اعتناد محسوس کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ تاہم ستمن نظریہ یہ ہے کہ اعتناد کی یہی خواہش ان کے فیصلے کی درستگی کو کمزور کرتی ہے۔ وہ اضافی معلومات کو پہلے سے ہی بھیڑ بھاڑ والے مساوات میں شامل کرتے ہیں جو وہ اپنے ذہنوں میں تعمیر کر رہے ہیں، اور وہ اور بھی زیادہ الجھ جاتے ہیں۔"

کوک کاؤنٹی میں ریلی اور ان کی ٹیم جو کچھ کرنے کی کوشش کر رہی تھی، مختصر میں، ای آر کی خود ساختہ بیت کے لئے کچھ ڈھانچہ فراہم کرنا تھا۔ الگوریتم ایک ایسا قاعدہ ہے جو ڈاکٹروں کو بہت زیادہ معلومات سے بچاتا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے معاهدے کا قاعدہ اسٹیچ پر اٹھنے پر اداکاروں کی حفاظت کرتا ہے۔ الگوریتم ڈاکٹروں کو دیگر تمام فیصلوں میں شرکت کرنے کے لئے آزاد کرتا ہے جو اس لمحے کی گرمی میں کرنے کی ضرورت ہوتی ہے: اگر مریض

کے پاس ایسا نہیں ہے

دل کا دورہ، اس کے ساتھ کیا غلط ہے؟ کیا مجھے اس مریض کے ساتھ زیادہ وقت گزارنے کی ضرورت ہے یا اپنی توجہ کسی زیادہ سنگین مسئلے والے شخص کی طرف موڑنے کی ضرورت ہے؟ مجھے اس سے کیسے بات کرنی چاہئے اور اس سے کیسے تعلق رکھنا چاہئے؟ اس شخص کو بہتر ہونے کے لئے مجھ سے کیا ضرورت ہے؟

ایوانز کا کہنا ہے کہ "برینڈن گھر کے عملے کو جو کچھ بتانے کی کوشش کرتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ مریضوں سے بات کرنے اور ان کی بات سننے میں محتاط رہے اور بہت محتاط اور مکمل جسمانی معائے کی مہارت فراہم کرے جسے بہت سے تربیتی پروگراموں نے نظر انداز کر دیا ہے۔" وہ پختہ طور پر محسوس کرتا ہے کہ ان سرگرمیوں کی آپ کو کسی دوسرے شخص سے جوڑنے کے معاملے میں داخلی اہمیت ہے۔ وہ سوچتا ہے کہ کسی کی دیکھ بھال کرنا ناممکن ہے جب تک کہ آپ ان کے حالات کے بارے میں نہیں جانتے۔ ان کے گھر، ان کے پڑوس، ان کی زندگی۔ ان کا خیال ہے کہ طب کے بہت سے سماجی اور نفسیاتی پہلو ہیں جن پر ممالجین کافی توجہ نہیں دیتے ہیں۔ ریلی کامانہ ہے کہ ایک ڈاکٹر کو مریض کو ایک شخص کے طور پر سمجھنا پڑتا ہے، اور اگر آپ ڈاکٹر اور مریض کے تعلقات میں ہمدردی اور احترام کی اہمیت پر یقین رکھتے ہیں تو، آپ کو اس کے لئے ایک جگہ بنانا ہو گی۔ ایسا کرنے کے لئے، آپ کو دوسرے شعبوں میں فیصلہ سازی کے دباو کو کم کرنا ہو گا۔

میرے خیال میں یہاں دو اہم اسباق ہیں۔ پہلا یہ ہے کہ حقیقی طور پر کامیاب فیصلہ سازی کا انحصار دانستہ اور جلی سوچ کے درمیان توازن پر ہوتا ہے۔ باب گولمب ایک عظیم کار سیلز میں ہے کیونکہ وہ اس وقت اپنے گاہوں کے ارادوں اور ضروریات اور جذبات کو سمجھنے میں بہت اچھا ہے۔ لیکن وہ ایک عظیم سیلز میں بھی ہے کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ اس عمل پر کب بریک لگانی ہے: کب شعوری طور پر کسی خاص قسم کے فوری فیصلے کی مراجحت کرنی ہے۔ اسی طرح لک کاؤنٹی کے ڈاکٹر بھی اسی طرح کام کرتے ہیں جیسا کہ وہ ای آر کے روزمرہ کے رش میں کرتے ہیں کیونکہ لی گولڈ میں اپنے کمپیوٹر پر بیٹھے رہتے تھے اور کئی مہینوں کے دوران بڑی محنت سے ہر ممکنہ معلومات کا جائزہ

لیتے تھے۔ دانستہ سوچ ایک حیرت انگیز آلہ ہے جب ہمارے پاس وقت کی عیش و عشرت، کمپیوٹر کی مدد، اور ایک واضح طور پر متعین کام ہوتا ہے، اور اس قسم کے تجزیے کے ثرات تیزی سے ادراک کے لئے استیج طے کر سکتے ہیں۔

دوسرے سبق یہ ہے کہ اچھی فیصلہ سازی میں کفایت شعاراتی اہمیت رکھتی ہے۔ جان گوٹ مین نے ایک پیچیدہ مسئلہ اٹھایا اور اسے اس کے آسان ترین عناصر تک محدود کر دیا: یہاں تک کہ سب سے زیادہ پیچیدہ تعلقات اور مسائل بھی، انہوں نے ظاہر کیا، ایک قبل شاخت بنیادی نمونہ رکھتے ہیں۔ لی گولڈ مین کی تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ اس طرح کے نمونوں کو چننے میں، کم زیادہ ہے۔ وہ ثابت کرتے ہیں کہ فیصلہ سازوں کو معلومات سے بھر دینے سے اس دستخط کو اٹھانا مشکل ہو جاتا ہے، آسان نہیں۔ ایک کامیاب فیصلہ ساز بننے کے لئے، ہمیں ترمیم کرنا ہو گا۔

جب ہم باریک ٹکڑے کرتے ہیں، جب ہم نمونوں کو پہچانتے ہیں اور فوری فیصلے کرتے ہیں، تو ہم لاشعوری طور پر ترمیم کا یہ عمل کرتے ہیں۔ جب تھامس ہوونگ نے پہلی بار کوروس کو دیکھا، تو اس کی آنکھیں جس چیز کی طرف متوجہ ہوئیں وہ یہ تھی کہ یہ کتنا تازہ لگ رہا تھا۔ فیڈریکو زیری نے فطری طور پر ناخنوں پر توجہ مرکوز کی۔ دونوں صورتوں میں، ہوونگ اور زیری نے مجسمے کی شکل کے بارے میں ایک ہزار دیگر خیالات کو نظر انداز کیا اور ایک مخصوص خصوصیت پر غور کیا جس نے انہیں وہ سب کچھ بتایا جو انہیں جاننے کی ضرورت تھی۔ مجھے لگتا ہے کہ ہم اس وقت مشکل میں پڑ جاتے ہیں جب ایڈینگ کا یہ عمل درہم برہم ہو جاتا ہے۔ جب ہم ترمیم نہیں کر سکتے ہیں، یا ہم نہیں جانتے کہ کیا ترمیم کرنا ہے، یا ہمارا ماہول ہمیں ترمیم کرنے کی اجازت نہیں دیتا ہے۔ جب ہم نمونوں کو پہچانتے ہیں اور اسنیپ فیصلے کرتے ہیں تو ہم غیر شعوری طور پر ترمیم کا یہ عمل کرتے ہیں۔ جب تھامس ہوونگ نے پہلی بار کوروس کو دیکھا، تو اس کی آنکھیں جس چیز کی طرف متوجہ ہوئیں وہ یہ تھی کہ یہ کتنا تازہ لگ رہا تھا۔ فیڈریکو زیری نے فطری طور پر ناخنوں پر توجہ مرکوز کی۔ دونوں صورتوں میں، ہوونگ اور زیری نے مجسمے کی شکل کے بارے میں ایک ہزار دیگر خیالات کو نظر انداز کیا اور ایک مخصوص خصوصیت پر غور کیا جس نے انہیں وہ سب

کچھ بتایا جو انہیں جانے کی ضرورت تھی۔ مجھے لگتا ہے کہ ہم اس وقت مشکل میں پڑ جاتے ہیں جب ایڈینگ کا یہ عمل متاثر ہوتا ہے۔ جب ہم ترمیم نہیں کر سکتے ہیں، یا ہم نہیں جانتے کہ کیا ترمیم کرنا ہے، یا ہمارا ماحول ہمیں ترمیم کرنے کی اجازت نہیں دیتا ہے۔

شینا آنگر کو یاد ہے، انہوں نے اسپیڈ ڈینگ پر تحقیق کی؟ انہوں نے ایک بار ایک اور تجربہ کیا جس میں انہوں نے کلیفورنیا کے مینلو پارک میں واقع گرو سری استور ڈریگر میں مختلف قسم کے غیر ملکی گورمیٹ جام کے ساتھ ایک چکھنے والا بو تھہ قائم کیا۔ کبھی بو تھہ پر چھ مختلف جام ہوتے تھے، اور کبھی آنگر میں چوبیس مختلف جام دکھانے جاتے تھے۔ وہ یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ کیا جام کے انتخاب کی تعداد سے فروخت ہونے والے جام کی تعداد میں کوئی فرق پڑتا ہے۔ روایتی معاشری دانش مندی، یقیناً، یہ کہتی ہے کہ صارفین کے پاس جتنے زیادہ انتخاب ہوں گے، ان کے خریدنے کا امکان اتنا ہی زیادہ ہو گا، کیونکہ صارفین کے لئے جام تلاش کرنا آسان ہے جو ان کی ضروریات کو مکمل طور پر پورا کرتا ہے۔ لیکن آنگر نے اس کے بر عکس کو سچ پایا۔ چھ انتخاب والے بو تھہ کے پاس رکنے والوں میں سے تین فیصد نے کچھ جام خرید لیا، جبکہ بڑے بو تھہ کے پاس رکنے والے صرف تین فیصد لوگوں نے کچھ بھی خریدا۔ ایسا کیوں ہے؟ کیونکہ جام خریدنا ایک فوری فیصلہ ہے۔ آپ اپنے آپ سے کہتے ہیں، فطری طور پر، میں وہ چاہتا ہوں۔ اور اگر آپ کو بہت زیادہ اختیارات دیئے جاتے ہیں، اگر آپ کو اپنے لاشور سے کہیں زیادہ سوچنے پر مجبور کیا جاتا ہے تو، آپ مفلوج ہو جاتے ہیں۔ فوری فیصلے ایک جھٹکے میں کیے جاسکتے ہیں کیونکہ وہ کفایت شعراً ہیں، اور اگر ہم اپنے فوری فیصلوں کی حفاظت کرنا چاہتے ہیں، تو ہمیں اس کفایت شعراً کے تحفظ کے لئے اقدامات کرنے ہوں گے۔

یہ وہی ہے جو وان ریپرنے ریڈ ٹیم کے ساتھ سمجھا۔ انہوں نے اور ان کے عملے نے اپنا تجزیہ کیا۔ لیکن انہوں نے جنگ شروع ہونے سے پہلے یہ کام کیا۔ ایک بار دشمنی شروع ہونے کے بعد، وان ریپر محتاط تھا کہ وہ اپنی ٹیم کو غیر متعلقہ معلومات کے ساتھ زیادہ بوجھنے ڈالے۔ ملاقاتیں مختصر تھیں۔ ہیڈ کوارٹر اور فیلڈ میں کمانڈروں کے درمیان مواصلات محدود تھی۔ وہ ایک ایسا ماحول پیدا کرنا چاہتا تھا جہاں تیزی سے ادراک ممکن ہو۔ دریں اشنا بیلو ٹیم معلومات پر غور کر رہی تھی۔ ان کے پاس ایک ڈیٹا بیس تھا، جس میں چالیس ہزار الگ الگ اندرجات تھے۔ ان کے

سامنے کر اپ تھا جو ایک بہت بڑی سکرین تھی جس میں حقیقی وقت میں جنگ کے میدان کو دکھایا گیا تھا۔ امریکی حکومت کے ہر کونے سے ماہرین ان کی خدمت میں موجود تھے۔ وہ جدید ترین انٹر فیس میں چاروں فوجی خدمات کے کمانڈروں سے بغیر کسی رکاوٹ کے منسلک تھے۔ وہ تجزیوں کے ایک سخت سلسلے سے مستفید ہوئے کہ ان کے مخالف کے اگلے اقدامات کیا ہو سکتے ہیں۔

لیکن ایک بار شوٹنگ شروع ہونے کے بعد، یہ تمام معلومات ایک بوجھ بن گئیں۔ وین ریپر کا کہنا ہے کہ "میں سمجھ سکتا ہوں کہ بیلو جو تمام تصورات استعمال کر رہا تھا وہ ملنگی کی منصوبہ بندی میں کیسے تبدیل ہوتا ہے۔" لیکن کیا اس سے اس لمحے میں کوئی فرق پڑتا ہے؟ مجھے یقین نہیں ہے کہ ایسا ہوتا ہے۔ جب ہم تجزیاتی بمقابلہ بدیہی فیصلہ سازی کے بارے میں بات کرتے ہیں تو، نہ تو اچھا ہے اور نہ ہی برا۔ برا یہ ہے کہ اگر آپ ان میں سے کسی ایک کو نامناسب حالات میں استعمال کرتے ہیں۔ فرض کریں کہ آپ نے مشین گن کی فائرنگ سے ایک رائف کمپنی کو چکل دیا تھا۔ اور کمپنی کمانڈر اپنے فوجیوں کو ایک ساتھ بلا تا ہے اور کہتا ہے، "میں فیصلہ سازی کے عمل کے ساتھ کمانڈ اسٹاف سے گزرنा ہو گا۔ یہ پاگل پن ہے۔ اسے موقع پر ہی فیصلہ کرنا چاہئے، اس پر عمل درآمد کرنا چاہئے، اور آگے بڑھنا چاہئے۔ اگر ہمارے پاس بیو کا عمل ہوتا، تو ہم نے جو کچھ بھی کیا اس میں دو گنا، شاید چار گنا زیادہ وقت لگتا۔ یہ حملہ شاید چھ یا آٹھ دن بعد ہوا ہو۔ یہ عمل آپ کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ آپ ہر چیز کو الگ کر دیتے ہیں اور اسے توڑ دیتے ہیں، لیکن آپ کبھی بھی پورے کو کیجا کرنے کے قابل نہیں ہوتے ہیں۔ یہ موسم کی طرح ہے۔ ایک کمانڈر کو بیر و میٹر ک دباؤ یا ہواوی یا یہاں تک کہ درجہ حرارت کو جاننے کی ضرورت نہیں ہے۔ اسے پیش کی جانے کی ضرورت ہے۔ اگر آپ معلومات کی پیداوار میں بہت زیادہ پھنس جاتے ہیں تو، آپ اعداد و شمار میں ڈوب جاتے ہیں۔

پال وان ریپر کے جڑوں بھائی، جیمز نے بھی میرین کو ریٹرومنٹ سے پہلے کریل کے عہدے تک پہنچ گئے، اور، زیادہ تر لوگوں کی طرح جو پال وان ریپر کو اچھی طرح جانتے ہیں، وہ ملینیم چینچ کے

طریقے پر بالکل بھی حیران نہیں تھے۔ کرنل دان رپر کا کہنا ہے کہ 'ان میں سے کچھ نئے مفکرین کا کہنا ہے کہ اگر ہمارے پاس بہتر ذہانت ہے، اگر ہم سب کچھ دیکھ سکتے ہیں تو ہم ہار نہیں سکتے۔ "میرا بھائی ہمیشہ یہی کہتا ہے، ارے، کہو کہ تم شطرنج کے بورڈ کو دیکھ رہے ہو۔ کیا کوئی ایسی چیز ہے جو آپ نہیں دیکھ سکتے؟ نہیں۔ لیکن کیا آپ کو جتنے کی ضمانت ہے؟ بالکل نہیں، کیونکہ آپ نہیں دیکھ سکتے کہ دوسرا آدمی کیا ہے

سوچ رہے ہیں۔ "زیادہ سے زیادہ کمانڈر سب کچھ جاننا چاہتے ہیں، اور وہ اس خیال سے قید ہو جاتے ہیں۔ وہ اندر بند ہو جاتے ہیں۔ لیکن تم کبھی سب کچھ نہیں جان سکتے۔" کیا واقعی اس سے کوئی فرق پڑتا ہے کہ بلیو ٹیم سرخ ٹیم کے سائز سے کئی گنازیادہ تھی؟ کرنل والان رپر کا کہنا ہے کہ 'یہ گلیور کے سفر کی طرح ہے۔" بڑی بڑی کمپنی ان چھوٹے قواعد و ضوابط اور طریقہ کار سے جڑی ہوئی ہے۔ اور چھوٹا لڑکا؟ وہ صرف ادھر ادھر بھاگتا ہے اور وہی کرتا ہے جو وہ چاہتا ہے۔

6. ملینیم چینچ، حصہ دوم

خلیج فارس میں بلیو ٹیم پر ریڈ ٹیم کے اچانک حملے کے ڈیرہ دن بعد جے ایف سی او ایم کی تنصیب پر ایک غیر آرام دہ خاموشی چھائی رہی۔ اس کے بعد جے ایف سی او ایم کا عملہ آگے آیا۔ انہوں نے گھڑی کو پچھے موڑ دیا۔ بلیو ٹیم کے سولہ گمشدہ بحری جہاز، جو خلیج فارس کی تہہ میں پڑے تھے، کو دوبارہ اڑایا گیا۔ اپنے حملے کی پہلی لہر میں، والان رپر نے خلیجی خطے کی مختلف بندرگاہوں پر بارہ تھیٹر بیسٹک میزاں میز انسانوں کو مجذانہ اور پراسرار طور پر ایک نئی قسم کے میزاں میز انسانوں کے ساتھ مار گرا یا گیا ہے۔ والان رپر نے امریکہ نواز رہنماؤں کو قتل کیا تھا۔ خطے کے ممالک اب انہیں بتایا گیا کہ ان قتلوں کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ خلیج فارس میں بلیو ٹیم پر اچانک حملہ، جے ایف سی او ایم کی تنصیب پر ایک غیر آرام دہ خاموشی چھائی۔ اس کے بعد جے ایف سی او ایم کا عملہ آگے آیا۔ انہوں نے گھڑی کو پچھے موڑ دیا۔ بلیو ٹیم کے سولہ گمشدہ بحری جہاز، جو خلیج فارس کی تہہ میں پڑے تھے، کو دوبارہ اڑایا گیا۔ اپنے حملے کی پہلی لہر میں، والان رپر نے خلیجی خطے کی مختلف بندرگاہوں پر بارہ تھیٹر بیسٹک میزاں میز انسانوں کو مجذانہ اور پراسرار طور پر ایک اتر رہے تھے۔ اب جے ایف سی او ایم نے انہیں بتایا کہ ان تمام بارہ میزاں کو مجذانہ اور پراسرار طور پر ایک

نئی قسم کے میزائل دفاع کے ساتھ مار گرایا گیا ہے۔ وان ریپر نے امریکہ نواز رہنماؤں کو قتل کیا تھا۔ خطے کے ممالک اب انہیں بتایا گیا کہ ان قتلوں کا کوئی اثر نہیں ہوا۔

وین ریپر کا کہنا تھا کہ 'حملے کے ایک دن بعد میں کمانڈروم میں داخل ہوا اور دیکھا کہ میرے نمبر دو شخص میری ٹیم کو بالکل مختلف ہدایات دے رہے ہیں۔ " یہ ریڈار کو بند کرنے جیسی چیزیں تھیں تاکہ بلیو فورس میں مداخلت نہ کی جائے۔ زمینی افواج کو حرکت دیں تاکہ میریز بغیر کسی مداخلت کے اتر سکیں۔ میں نے پوچھا، 'کیا میں ایک وی بائیس کو گولی مار سکتا ہوں؟' اس نے کہا، 'نہیں، آپ کسی بھی وی بائیس کو گولی نہیں مار سکتے۔ میں نے کہا، 'یہاں کیا ہو رہا ہے؟ انہوں نے کہا، 'سر، مجھے پروگرام ڈائریکٹر کی طرف سے بالکل مختلف ہدایات دینے کے لئے رہنمائی دی گئی ہے۔ دوسرا راؤنڈ سکرپٹ کیا گیا تھا، اور اگر انہیں وہ نہیں ملا جو انہیں پسند تھا، تو وہ اسے دوبارہ چلانیں گے۔'

میں چیلنج، سیکوئل، بلیو ٹیم نے شکست میں جیت لیا۔ دوسری بار کوئی تعجب کی بات نہیں تھی، کوئی بصیرت کی پہلیاں نہیں تھیں، پینٹا گون کے تجربے پر حقیقتی دنیا کی پیچیدگیوں اور الجھنوں کا کوئی موقع نہیں تھا۔ اور جب سیکوئل ختم ہوا تو جہے ایف سی اور ایم اور پینٹا گون کے تجزیہ کار خوش تھے۔ جنگ کی دھنڈ چھٹ گئی تھی۔ فوج تبدیل ہو چکی تھی اور اس کے ساتھ ہی پینٹا گون نے اعتماد کے ساتھ اپنی توجہ حقیقی خلیج فارس کی طرف مبذول کر لی تھی۔ ایک بد معاش ڈکٹیٹر خطے کے استحکام کو خطرے میں ڈال رہا تھا۔ وہ شدید طور پر امریکہ مخالف تھا۔ اس کے پاس مضبوط مذہبی اور نسلی وفاداریوں کی وجہ سے کافی طاقت تھی اور خیال کیا جاتا تھا کہ وہ دہشت گرد تنظیموں کو پناہ دے رہا تھا۔ انہیں تبدیل کرنے اور ان کے ملک کو استحکام کی طرف بحال کرنے کی ضرورت تھی، اور اگر انہوں نے یہ صحیح طریقے سے کیا۔ اگر ان کے پاس کراپ اور پی ایم ای ایس آئی اور ڈی آئی ایم ای تھے۔ تو یہ کتنا مشکل ہو سکتا ہے؟

باب پنجم

کینا کا مختصہ: لوگوں سے پوچھنے کا صحیح اور غلط طریقہ کہ وہ کیا چاہتے ہیں

کینا کے نام سے مشہور راک موسیقار ورجینیا نیچ میں پروان چڑھا، جو ایک ہوپیا کے تار کیں وطن کا بچہ تھا۔ ان کے والد نے کیبرن جیونیورسٹی سے ڈگری حاصل کی اور معاشیات کے پروفیسر تھے۔ ایک خاندان کے طور پر، انہوں نے پیٹر جیننگز اور سی این این کو دیکھا، اور اگر موسیقی بجايا جاتا تھا تو وہ کینی راجرز تھے۔ کینا بتاتی ہیں کہ 'میرے والد کینی راجرز سے محبت کرتے ہیں کیونکہ ان کے پاس اس گانے 'دی گیمبلر' میں بتانے کے لیے ایک پیغام تھا۔ "سب کچھ سبق اور پیسہ سکھنے کے بارے میں تھا اور دنیا کیسے کام کرتی ہے۔ میرے والدین چاہتے تھے کہ میں ان سے بہتر کام کروں۔ کبھی کبھار، کینا کے چچا کینا سے ملنے جاتے تھے اور انہیں مختلف چیزوں سے آگاہ کرتے تھے، جیسے ڈسکو یار قص یا مائیکل جیکسن۔ اور کینا اس کی طرف دیکھتا اور کہتا، "مجھے سمجھ نہیں آتی۔ کینا کی بنیادی دلچسپی اسکیٹ بورڈنگ تھی۔ انہوں نے صحن میں ایک ریمپ بنایا، اور وہ گلی کے اس پار سے ایک لڑکے کے ساتھ کھیلتے تھے۔ پھر ایک دن اس کے پڑوں نے اسے اپنا بیڈروم دکھایا اور دیواروں پر ایسے بینڈز کی تصاویر تھیں جن کے بارے میں کینا نے کبھی نہیں سناتھا۔ لڑکے نے کینا کو یو2 کے جوشوا ٹری کی ایک ٹیپ دی۔ "میں نے اس ٹیپ کو تباہ کر دیا، میں نے اسے بہت زیادہ بجا�ا،" کینا کہتی ہیں۔ "میں نہیں جانتا تھا۔ مجھے کبھی یہ احساس نہیں ہوا کہ موسیقی ایسی ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ میں گیارہ یا بارہ سال کا تھا، اور یہی تھا۔ موسیقی نے دروازہ کھول دیا۔

کینا بہت لمبا اور حیرت انگیز طور پر خوبصورت ہے، جس کا سر منڈوا ہوا ہے اور اس کا گوٹی ہے۔ وہ ایک راک اسٹار کی طرح نظر آتے ہیں، لیکن ان کے پاس راک اسٹار کی جھنجھلاہٹ، فخر اور جمود میں سے کوئی نہیں ہے۔ اس کے

بارے میں کچھ نرم ہے۔ وہ شائستہ اور فکر مند اور غیر متوقع طور پر شائستہ ہے، اور وہ ایک گریجویٹ طالب علم کی خاموشی سے بات کرتا ہے۔ جب کینا نے اپنا پہلا بڑا اوقفہ حاصل کیا اور مشہور بینڈ نوڈاؤٹ کے راک لنسٹر میں اوپنگ کی، تو وہ یا تو سامعین کو اپنا نام بتانا بھول گئے (جیسا کہ ان کا مینیجر اسے بتاتا ہے) یا انہوں نے خود کو شاخت نہ کرنے کا فیصلہ کیا (اسی طرح وہ اسے بتاتے ہیں)۔ "تم کون ہو؟" آخر میں مداح چیخ رہے تھے۔ کینا ایک ایسا شخص ہے جو آپ کی توقعات سے مسلسل اختلاف کرتا ہے، اور یہ دونوں چیزوں میں سے ایک ہے جو اسے اتنا لچسپ بناتی ہے اور ان چیزوں میں سے ایک ہے جس نے اس کے کیریئر کو اتنا مشکل بنادیا ہے۔

اپنے وسط تک کینا نے خود کو پیانو بجانا سکھایا تھا۔ وہ گانا سیکھنا چاہتا تھا، لہذا اس نے اسٹیوی وندر اور مارون گئے کو سننا۔ انہوں نے ایک ٹینٹ شو میں داخلہ لیا۔ آڈیشن میں ایک پیانو تھا لیکن شو میں نہیں تھا، لہذا وہ استیچ پر کھڑے ہوئے اور برائیں میک نائٹ کا گانا ایک کیپیلا گایا۔ انہوں نے مو سیقی لکھنا شروع کر دیا۔ انہوں نے اسٹوڈیو کرائے پر لینے کے لئے کچھ پیسے جمع کیے۔ اس نے ایک ڈیبوریکارڈ کیا۔ ان کے گانے مختلف تھے۔ عجیب نہیں، بالکل، بلکہ مختلف تھے۔ ان کی درجہ بندی کرنا مشکل تھا۔ کبھی کبھی لوگ کینا کو تال اور بیوز کے زمرے میں ڈالنا چاہتے ہیں، جس سے وہ ناراض ہو جاتا ہے کیونکہ وہ سوچتا ہے کہ لوگ ایسا صرف اس لئے کرتے ہیں کیونکہ وہ سیاہ فام ہے۔ اگر آپ کچھ انٹرنیٹ سروز کو دیکھتے ہیں جو گانے ذخیرہ کرتے ہیں تو، آپ کبھی کبھی تبادل سیکشن میں اور کبھی الیکٹرانک سیکشن میں اور کبھی کبھی غیر کلاسیفایڈ سیکشن میں اس کی مو سیقی تلاش کر سکتے ہیں۔ راک کے ایک ماہر نقاد نے اپنی مو سیقی کو 1980 کی دہائی کی برطانوی نئی لہر کی مو سیقی اور ہپ ہاپ کے درمیان کراس قرار دے کر اس مسئلے کو حل کرنے کی کوشش کی ہے۔

کینا کی درجہ بندی کیسے کی جائے یہ ایک مشکل سوال ہے، لیکن، کم از کم شروع میں، یہ ایسا نہیں تھا جس کے بارے میں انہوں نے بہت زیادہ سوچا تھا۔ ہائی اسکول کے ایک دوست کے ذریعے، وہ مو سیقی کے کاروبار میں کچھ لوگوں کو جاننے کے لئے کافی خوش قسمت تھا۔ "میری زندگی میں، ایسا لگتا ہے کہ سب کچھ ٹھیک ہو گیا ہے،" کینا

کہتے ہیں۔ ان کے گانے ایک نام نہاد اے اینڈ آر مین کے ہاتھوں میں اترے جو ایک ریکارڈ کمپنی کے ٹینک اسکاؤٹ تھے اور اس رابطے کے ذریعے ان کی ڈیمو سی ڈی اٹلانٹک ریکارڈز کے شریک صدر کریگ کلمین کے ہاتھوں میں پہنچ گئی۔ یہ ایک خوش قسمت وقفہ تھا۔ کلمان دولاکھ ریکارڈز اور سی ڈیز کے ذاتی مجموعے کے ساتھ ایک خود ساختہ میوزک کے دیوانے ہیں۔ ایک کے دوران

ہر ہفتے، انہیں نئے فنکاروں کی طرف سے ایک سو سے دو سو کے درمیان گانے دیے جاسکتے ہیں، اور ہر ہفتے کے آخر میں وہ گھر پر بیٹھ کر انہیں ایک کے بعد ایک سنتے رہتے ہیں۔ ان میں سے زیادہ تر، انہیں ایک لمحے میں احساس ہوتا ہے، کام نہیں کرنے والے ہیں: پانچ سے دس سینکڑے میں، وہ انہیں اپنے سی ڈی پلیئر سے باہر نکال دیں گے۔ لیکن ہر ہفتے کے آخر میں، کم از کم ممٹھی بھر لوگ ہوتے ہیں جو ان کے کانوں کو پکڑتے ہیں، اور ایک بار نیلے چاند میں، کوئی گلوکار یا گانا ہوتا ہے جو انہیں اپنی نشست سے چھلانگ لگانے پر مجبور کرتا ہے۔ کینا یہی تھا۔ کلمان یاد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "میں جیران رہ گیا تھا۔" میں نے سوچا، مجھے اس شخص سے ملنا ہے۔ میں اسے فوری طور پر نیویارک لے آیا۔ وہ لفظی طور پر میرے لیے اس طرح گاتا تھا اور یہاں کلمان اپنے ہاتھ سے اشارے کرتا ہے تاکہ دوفٹ سے زیادہ کی جگہ کی نشاندہی کی جاسکے۔ ان میں سے زیادہ تر، انہیں ایک لمحے میں احساس ہوتا ہے، کام نہیں کرنے والے ہیں: پانچ سے دس سینکڑے میں، وہ انہیں اپنے سی ڈی پلیئر سے باہر نکال دیں گے۔ لیکن ہر ہفتے کے آخر میں، کم از کم ممٹھی بھر لوگ ہوتے ہیں جو ان کے کانوں کو پکڑتے ہیں، اور ایک بار نیلے چاند میں، کوئی گلوکار یا گانا ہوتا ہے جو انہیں اپنی نشست سے چھلانگ لگانے پر مجبور کرتا ہے۔ کینا یہی تھا۔ کلمان یاد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "میں جیران رہ گیا تھا۔" میں نے سوچا، مجھے اس شخص سے ملنا ہے۔ میں اسے فوری طور پر نیویارک لے آیا۔ انہوں نے لفظی طور پر میرے لیے اس طرح گایا اور یہاں کلمان نے اپنے ہاتھ سے اشارے کیے تاکہ دوفٹ سے زیادہ کی جگہ کی نشاندہی کی جاسکے۔

بعد میں، کینا اپنے ایک دوست کے ساتھ ایک ریکارڈنگ اسٹوڈیو میں تھا، جو ایک پر وڈیو سر ہے۔ وہاں ڈینی ویر نامی ایک شخص تھا جس نے فریڈ ڈرسٹ کے ساتھ کام کیا، جو لیپہر کٹ نامی بینڈ کے مرکزی گلوکار تھے، جو اس وقت ملک کے مقبول ترین راک گروپوں میں سے ایک تھا۔ ڈینی نے کینا کی مو سیقی سنی۔ اسے داخل کیا گیا۔ اس نے ڈرسٹ کو فون کیا اور فون پر کینا کا ایک گانا "فری ٹائم" چلایا۔ ڈرسٹ نے کہا، "اس پر دستخط کرو!" اس کے بعد دنیا کے سب سے بڑے راک بینڈ انڈرٹو کے منیجر پال میک گنیز نے کینا کا ریکارڈ سنا اور انہیں ملاقات کے لیے آئر لینڈ لے گئے۔ اس کے بعد کینا نے اپنے ایک گانے کے لئے ایک میوزک ویڈیو بنائی اور اسے ایم ٹی وی 2، ایم ٹی وی چینل پر لے گیا، جو زیادہ سنجیدہ مو سیقی سے محبت کرنے والوں کے لئے ہے۔ ریکارڈ کمپنیاں پر و موشن پر لاکھوں ڈالر خرچ کرتی ہیں، اپنی ویڈیو یوز کو ایم ٹی وی پر لانے کی کوشش کرتی ہیں اور اگر وہ انہیں ایک سویا دوسرا نشر کروا سکتی ہیں تو وہ خود کو بہت خوش قسمت سمجھتی ہیں۔ کینا نے اپنی ویڈیو خود ایم ٹی وی پر چلانی، اور ایم ٹی وی نے اگلے چند مہینوں میں اسے 475 بار چلایا۔ اس کے بعد کینا نے ایک مکمل البم بنایا۔ اس نے اسے دوبارہ کلمین کو دیا، اور کلمین نے یہ البم اٹلانٹک میں اپنے تمام ایگریکٹو ز کو دیا۔ "ہر کوئی یہی چاہتا تھا،" کلمان یاد کرتے ہیں۔ "یہ حیرت انگیز طور پر غیر معمولی ہے۔" نو ڈاؤٹ کے لئے کینا کی کامیابی کے فوراً بعد، ان کے منیجروں کو لاس اینجلس کے ایک نائٹ کلب روکسی سے فون آیا جو شہر کے راک میوزک منظر نامے میں نمایاں ہے۔ کیا کینا اگلی رات کھلینا چاہتا تھا؟ جی ہاں، اس نے کہا، اور پھر اپنی ویب سائٹ پر ایک پیغام پوسٹ کیا، جس میں اس کی ظاہری شکل کا اعلان کیا گیا۔ یہ شو سے ایک دن پہلے ساڑھے چار بجے کی بات ہے۔ "اگلی سہ پہر تک، ہمیں روکسی کا فون آیا۔ وہ لوگوں کو دور کر رہے تھے۔ میں نے سوچا تھا کہ ہمارے پاس زیادہ سے زیادہ سولوگ ہوں گے،" کینا کہتی ہیں۔ "یہ کچھ بھر اہوا تھا، اور سامنے والے لوگ تمام گیتوں کے ساتھ گارہے تھے۔ اس نے مجھے باہر نکال دیا۔"

دوسرے لفظوں میں، وہ لوگ جو واقعی مو سیقی کو جانتے ہیں (اس طرح کے لوگ جو ریکارڈ لیبل چلاتے ہیں، کلمبوں میں جاتے ہیں، اور کاروبار کو اچھی طرح جانتے ہیں) کینا سے محبت کرتے ہیں۔ وہ ان کا ایک گانا سنتے ہیں، اور پیک

جھکتے ہی سوچتے ہیں، واہ! زیادہ واضح طور پر، وہ کینا کو سنتے ہیں اور ان کی جبٹ یہ ہے کہ وہ اس طرح کا فنکار ہے جسے دوسرے لوگ - موسيقی کے خریداروں کے بڑے پیمانے پر سامعین - پسند کرنے جا رہے ہیں۔ لیکن یہ وہ جگہ ہے جہاں کینا کو ایک مسئلہ درپیش ہے، کیونکہ جب بھی اس کی تصدیق کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

جلبت کہ دوسرے لوگ اسے پسند کریں گے، دوسرے لوگ اسے پسند نہیں کرتے ہیں۔

جب کینا کا ال بم نیو یارک میں گردش کر رہا تھا، جس پر میوزک انڈسٹری کے ایگزیکٹو غور کر رہے تھے، تو تین مختلف موقع پر اسے ایک بیرونی مارکیٹ ریسرچ فرم کو دیا گیا تھا۔ یہ صنعت میں عام عمل ہے۔ کامیاب ہونے کے لئے، ایک فنا کار کو ریڈیو پر بجانا پڑتا ہے۔ اور ریڈیو اسٹیشن صرف چند گانوں کو چلانیں گے جو مارکیٹ کی تحقیق سے ثابت ہوئے ہیں تاکہ وہ اپنے سامعین کو فوری طور پر اور زبردست طور پر اپنی طرف راغب کر سکیں۔ لہذا، اس سے پہلے کہ وہ کسی فنا کار کو سائنس کرنے کے لئے لاکھوں ڈالر کا وعدہ کریں، ریکارڈ کمپنیاں ریڈیو اسٹیشنوں کی طرح ہی تکنیک کا استعمال کرتے ہوئے، پہلے اس کی موسیقی کی جائج کرنے کے لئے چند ہزار ڈالر خرچ کریں گی۔

مثال کے طور پر، ایسی کمپنیاں ہیں جو ویب پرنٹ کرنے کے لئے پوسٹ کرتی ہیں اور پھر ویب سائٹ پر جانے اور موسیقی سننے والے کسی بھی شخص کی درجہ بندی جمع اور تجزیہ کرتی ہیں۔ دوسری کمپنیاں فون پر گانے چلاتی ہیں یا نمونے کی سی ڈیز ریٹریٹ کے اسٹیبل کو بھیجنتی ہیں۔ سیکڑوں میوزک سامعین مخصوص گانوں پر ووٹ دیتے ہیں، اور سالوں میں درجہ بندی کا نظام غیر معمولی طور پر نفیس ہو گیا ہے۔ مثال کے طور پر واشنگٹن ڈی سی سے باہر ایک ریٹنگ سروس میں دو لاکھ افراد موسیقی کی درجہ بندی کرتے ہیں، اور انہوں نے سیکھا ہے کہ اگر ٹاپ 40 ریڈیو (سامعین 18 سے 24) پر کسی گانے کا ہدف 1 سے 4 کے اسکور پر 3.0 سے اوپر ہوتا ہے (جہاں 1 کا مطلب ہے "میں گانا ناپسند کرتا ہوں")۔ اس بات کا تقریباً 85 فیصد امکان ہے کہ یہ ہٹ ہو گی۔

یہ وہ خدمات ہیں جن کو کینا کا ریکارڈ دیا گیا تھا۔ اور نتائج مایوس کن تھے۔ کلیفورنیا میں قائم ایک فرم میوزک ریسرچ نے کینا کی سی ڈی عمر، جنس اور نسل کی بنیاد پر پہلے سے منتخب ہونے والے بارہ سو افراد کو بھیجی۔ اس کے بعد انہوں نے تین دن بعد انہیں فون کیا اور 0 سے 4 کے پیمانے پر کینا کی موسیقی کے بارے میں ان کے خیالات کے

بارے میں زیادہ سے زیادہ انٹرویو کیے۔ اس کا جواب، جیسا کہ پچیس صفحات پر مشتمل "کینا" رپورٹ کے اختتام پر شانستگی کے ساتھ کہا گیا تھا، "زیر اثر" تھا۔ ان کے سب سے زیادہ امید افزائگانوں میں سے ایک، "فری ٹائم" راک اسٹیشنوں کے سامعین میں 1.3 اور آر اینڈ بی اسٹیشنوں کے سامعین میں 8 پر آیا۔ البتہ کے ہر گانے کو منتخب کریں، جس میں دوسکورنگ اوسٹریلنگ اور آٹھ اوسط سے کم اسکور کرتے ہیں۔ اس بار نتیجہ اور بھی واضح تھا: "کینا، ایک آرٹسٹ کے طور پر، اور ان کے گانوں میں بنیادی سامعین کی کمی ہے اور ان میں اہم ریڈیو ایئر پلے حاصل کرنے کی محدود صلاحیت ہے۔

"کینا ایک بار ایک لنسٹر میں یو2 کے مینیجر پال میک گنیز سے بیک اسٹیچ پر گئے تھے۔ یہ آدمی یہیں ہے۔"

میک گنیس نے کینا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا، "وہ دنیا کو تبدیل کرنے جا رہا ہے۔ یہ ان کا فطری احساس تھا اور یو2 جیسے بینڈ کا مینیجر ایک ایسا شخص ہے جو مو سیقی جانتا ہے۔ لیکن جن لوگوں کی دنیا کینا کو بدلا تھی، ایسا لگتا تھا کہ وہ اس سے زیادہ اختلاف نہیں کر سکتے تھے، اور جب صارفین کی تمام تحقیق کے نتائج سامنے آئے، تو کینا کا ایک وقت کا امید افزائیکریٹر اچانک رک گیا۔ ریڈیو پر آنے کے لئے، اس بات کے ٹھوس ثبوت ہونے تھے کہ عوام انہیں پسند کرتے ہیں۔ اور ثبوت موجود نہیں تھے۔ یہ ان کا فطری احساس تھا، اور یو2 جیسے بینڈ کا مینیجر ایک ایسا شخص ہے جو مو سیقی جانتا ہے۔ لیکن جن لوگوں کی دنیا کینا کو بدلا تھی، ایسا لگتا تھا کہ وہ اس سے زیادہ اختلاف نہیں کر سکتے تھے، اور جب صارفین کی تمام تحقیق کے نتائج سامنے آئے، تو کینا کا ایک وقت کا امید افزائیکریٹر اچانک رک گیا۔ ریڈیو پر آنے کے لئے، اس بات کے ٹھوس ثبوت ہونے تھے کہ عوام انہیں پسند کرتے ہیں۔ اور ثبوت موجود نہیں تھے۔

۱۔ اول آفس کے پیچے پہلے تاثرات پر ایک دوسری نظر ڈالتے ہوئے ڈک مورس نے 1977 میں ریاست کے اکتسس سالہ اٹارنی جزل سے ملاقات کے لیے آرکنساس جانے کے بارے میں لکھا ہے، جو بل کلنٹن کے نام سے ایک پر عزم نوجوان ہیں:

میں نے وضاحت کی کہ مجھے یہ خیال اس پولنگ سے ملا جو میرے دوست ڈک ڈریسنر نے فلم انڈسٹری کے لئے کیا تھا۔

جیمز بانڈ کی نئی فلم یا جوز جیسی فلم کا سیکونسل سامنے آنے سے پہلے کسی فلم کمپنی کی خدمات حاصل کی جاتی تھیں۔ ڈریسنر پلات کا خلاصہ پیش کریں اور پھر لوگوں سے پوچھیں کہ کیا وہ فلم دیکھنا چاہتے ہیں۔

Dresner

جواب دہندگان فلم کے بارے میں تجویز کر دہ پی آر بلرز اور نعروں کو پڑھیں گے تاکہ یہ معلوم کیا جاسکے کہ کون سے کام کرتے ہیں۔

بہترین۔ کبھی کبھار وہ ان کے مختلف اختتام بھی پڑھتے تھے یا مختلف جگہوں کو بیان کرتے تھے جہاں ایک ہی ہوتا ہے۔

وہ مناظر دیکھنے کے لئے شوٹ کیے گئے تھے جن کو وہ پسند کرتے تھے۔

"اور آپ ان ٹکنیکوں کو صرف سیاست میں لا گو کرتے ہیں؟" کلنٹن نے پوچھا۔

میں نے وضاحت کی کہ یہ کیسے کیا جاسکتا ہے۔ سیاسی اشتہارات کے ساتھ بھی ایسا ہی کیوں نہ کیا جائے؟ یا تقاریر؟ یا

مسائل کے بارے میں دلائل؟ اور ہر بیان کے بعد، ان سے دوبارہ پوچھیں کہ وہ کس کو ووٹ دینے جا رہے ہیں۔

اس کے بعد آپ دیکھ سکتے ہیں کہ کون سے دلائل کتنے ووٹروں کو منتقل کرتے ہیں اور وہ کون سے ووٹروں کو منتقل کرتے ہیں۔

ہم نے تقریباً چار گھنٹے بات چیت کی اور ان کی میز پر دو پھر کا کھانا کھایا۔ میں نے اٹارنی جزل کے نمونے کے سروے دکھائے میں نے کیا تھا۔

وہ اس عمل سے متاثر تھا۔ یہاں ایک ایسا آلہ تھا جو وہ استعمال کر سکتا تھا، ایک ایسا عمل جو سیاست کے پراسرار طریقوں کو سائنسی جانچ اور تشخیص تک کم کر سکتا تھا۔

جب کلنٹن صدر بنیں تو مورس کلنٹن کے ایک اہم مشیر بن گئے اور بہت سے لوگوں نے انتخابات کے بارے میں ان کے جنون کو انتہائی مسائل کے طور پر دیکھا۔ قیادت فراہم کرنے اور اصول پر عمل کرنے کے لئے منتخب عہدیداروں کی ذمہ داری کی بد عنوانی کے طور پر۔ حقیقت میں، یہ تھوڑا سخت ہے۔ مورس صرف سیاست کی دنیا میں وہی تصورات لارہا تھا جو کاروباری دنیا کی رہنمائی کرتے ہیں۔ ہر کوئی اپنے ارد گرد کی دنیا پر ہمارے پراسرار اور طاقتور رد عمل کو پکڑنا چاہتا ہے۔ وہ لوگ جو فلمیں یا ڈرجنٹ یا کاریں یا مو سیقی بناتے ہیں وہ سب جاننا چاہتے ہیں کہ ہم ان کی مصنوعات کے بارے میں کیا سوچتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مو سیقی کے کاروبار میں ان لوگوں کے لئے کافی نہیں تھا جو کینا سے محبت کرتے تھے کہ وہ اپنے جذبات پر عمل کریں۔ عوام کیا چاہتے ہیں اس کے بارے میں جذبات بہت پر اسرار اور بہت مضمکہ خیز ہیں۔ کینا کو مار کیٹ کے محققین کے پاس بھیجا گیا تھا کیونکہ ایسا لگتا ہے کہ صارفین کسی چیز کے بارے میں کیسا محسوس کرتے ہیں یہ جانے کا سب سے درست طریقہ ان سے براہ راست

پوچھنا ہے۔

لیکن کیا یہ واقعی سچ ہے؟ اگر ہم جان بارگ کے تجربے میں طالب علموں سے پوچھتے کہ وہ شائستگی کا مظاہرہ کرنے کے بعد ہاں میں اتنے صبر سے کیوں کھڑے ہیں، تو وہ ہمیں یہ بتانے کے قابل نہیں ہوتے۔ اگر ہم نے آئیودا کے جواریوں سے پوچھا تھا کہ وہ کارڈ کی حمایت کیوں کر رہے ہیں

نیلے رنگ کے ڈیک، وہ یہ نہیں کہہ سکتے تھے۔ کم از کم اس وقت تک نہیں جب تک کہ انہوں نے اسی کارڈ تیار نہیں کیے تھے۔ سیم گوسلنگ اور جان گوٹ میں نے دریافت کیا کہ لوگ اپنی بادی لینگو تنچ یا چہرے کے تاثرات کا مشاہدہ کر کے یا ان کی کتابوں کی الماریوں اور ان کی دیواروں پر لگی تصاویر کو براہ راست پوچھنے کے بجائے ان کے بارے میں بہت کچھ جان سکتے ہیں۔ اور ویک بریڈن نے دریافت کیا کہ اگرچہ لوگ رضاکارانہ طور پر اپنے اعمال کی وضاحت کرنے کے لئے معلومات فراہم کرنے میں بہت تیار اور بہت اچھے ہیں، لیکن یہ وضاحتیں، خاص طور پر جب لاشعور سے پیدا ہونے والی بے ساختہ رائے اور فیصلوں کی قسموں کی بات آتی ہے، ضروری طور پر درست نہیں ہیں۔ درحقیقت، کبھی کبھی ایسا لگتا ہے جیسے وہ صرف پتلی ہوا سے باہر نکالے گئے ہیں۔ لہذا، جب مارکیٹرز صارفین سے کسی چیز پر اپنا رد عمل دینے کے لئے کہتے ہیں۔ یہ وضاحت کرنے کے لئے کہ آیا نہیں ایک گانا پسند ہے جو ابھی چلا یا گیا تھا یا ایک فلم جو انہوں نے ابھی دیکھی تھی یا ایک سیاست دان جو انہوں نے ابھی سنا ہے۔ ان کے جوابات پر کتنا اعتماد کیا جانا چاہئے؟ یہ معلوم کرنا کہ لوگ را کگانے کے بارے میں کیا سوچتے ہیں ایسا لگتا ہے جیسے یہ آسان ہونا چاہئے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایسا نہیں ہے، اور جو لوگ فوکس گروپس اور رائے عامہ کے سروے چلاتے ہیں وہ ہمیشہ اس حقیقت کے بارے میں حساس نہیں رہے ہیں۔ اس سوال کی تھہ تک پہنچنے کے لئے کہ کینا واقعی کتنا اچھا ہے، ہمارے فوری فیصلوں کی پیچیدگیوں کی مزید تلاش کی ضرورت ہے۔

2. پیپسی کا چینچ 1980 کی دہائی کے اوائل میں کوک کولا کمپنی اپنے مستقبل کے بارے میں بہت پریشان تھی۔ کسی زمانے میں کوک دنیا کا سب سے بڑا سافٹ ڈرینک تھا۔ لیکن پیپسی آہستہ آہستہ کوک کی قیادت سے دور ہوتی جا رہی تھی۔ 1972 میں سافٹ ڈرینک استعمال کرنے والوں میں سے 18 فیصد نے کہا کہ وہ خاص طور پر کوک پیتے ہیں، جبکہ 4 فیصد نے خود کو پیپسی پینے والا کہا۔ 1980 کی دہائی کے اوائل تک، کوک 12 فیصد تک گر گیا تھا اور پیپسی 11 فیصد تک بڑھ گیا تھا۔ اور یہ اس حقیقت کے باوجود کہ کوک پیپسی کے مقابلے میں کہیں زیادہ وسیع پیانا نہ پر

دستیاب تھا اور ہر سال اشتہارات پر کم از کم 100 ملین ڈالرز یادہ خرچ کرتا تھا۔

اس ہپچل کے درمیان پیپسی نے ملک بھر میں ٹیلی ویژن اشتہارات چلانا شروع کر دیے اور کوک کو پیپسی کے ساتھ ملا کر پیپسی چیلنج کا نام دیا۔ کوک پینے والوں کو دو گلاسوں سے ایک گھونٹ پینے کے لیے کہا گیا، ایک پر کیو اور ایک پر ایم کا نشان لگا ہوا تھا۔ انہوں نے کس کو ترجیح دی؟ ہمیشہ، وہ کہتے تھے کہ ایم، اور دیکھو، ایم کو پیپسی کے طور پر ظاہر کیا جائے گا۔ پیپسی چیلنج پر کوک کا ابتدائی رد عمل اس کے نتائج سے اختلاف کرنا تھا۔ لیکن جب انہوں نے نجی طور پر اپنے سر سے سر کے ذاتی کے اندھے ٹیسٹ کیے، تو انہیں ایک ہی چیز ملی: جب کوک اور پیپسی میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنے کے لئے کہا گیا، تو ذاتی لینے والوں کی اکثریت 57 فیصد نے پیپسی کو ترجیح دی۔ 43 فیصد کی برتری بہت زیادہ ہے، خاص طور پر ایک ایسی دنیا میں جہاں لاکھوں ڈالر ایک فیصد پوائنٹ کے دسویں حصے پر لٹکے ہوئے ہیں، اور یہ تصور کرنا مشکل نہیں ہے کہ یہ خبر کو کا کولا انتظامیہ کے لئے کتنی تباہ کن تھی۔ کوک کولا میسٹیک ہمیشہ اپنے مشہور خفیہ فارمولے پر مبنی تھا، کمپنی کے ابتدائی دنوں سے اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ لیکن یہاں ظاہر ناقابل تردید ثبوت موجود تھے کہ کوک کا وقت گزر چکا تھا۔

اس کے بعد کوک کولا کے ایگزیکٹووز نے مارکیٹ کے مزید تحقیقی منصوبوں کا سلسلہ شروع کیا۔ خبر بدتر ہوتی دکھائی دے رہی تھی۔ کمپنی کے امریکی آپریشنز کے سربراہ برائن ڈائسن نے اس وقت کہا تھا کہ 'اشاید کوک کو منفرد بنانے والی بنیادی خصوصیات، جیسے کہ اس کے کاٹنے کو صارفین اب سخت قرار دیتے ہیں۔' اور جب آپ 'گول' اور 'اہموار' جیسے الفاظ کا ذکر کرتے ہیں، تو وہ پیپسی کہتے ہیں۔ شاید ہماری پیاس بجھانے کا طریقہ بدل گیا ہے۔ ان برسوں میں کوک کے کنزیو مر مارکٹینگ ریسرچ ڈپارٹمنٹ کے سربراہ رائے سٹاؤٹ نامی شخص تھے اور اسٹاؤٹ پیپسی چیلنج کے نتائج کو سنجیدگی سے لینے پر کمپنی کے صفوں کے دلکشیوں میں سے ایک بن گئے۔ انہوں نے کوک کی اعلیٰ انتظامیہ سے سوال کیا کہ 'اگر ہمارے پاس دو گنی وینڈنگ مشینیں ہیں، شیلف کی گنجائش زیادہ ہے، اشتہارات پر زیادہ خرچ کرتے ہیں اور مسابقاتی قیمت رکھتے ہیں تو پھر ہم (مارکیٹ) شیر کیوں کھو رہے ہیں؟' آپ

پیسی چلنج کو دیکھیں، اور آپ کو ذائقے کے بارے میں پوچھنا شروع کرنا ہو گا۔"

یہ نیو کوک کے نام سے مشہور ہونے والی چیز کی پیدائش تھی۔ کوک کے سامنے داں واپس گئے اور اس خفیہ فارمولے کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کی تاکہ اسے پیپسی کی طرح تھوڑا سا ہلاکا اور میٹھا بنایا جاسکے۔ فوری طور پر کوک کی مارکیٹ کے محققین نے بہتری دیکھی۔ کچھ ابتدائی پروٹو ٹائمپس کے اندر ہے ذائقوں میں، کوک پیپسی کے ساتھ بھی کھینچا گیا۔ انہوں نے کچھ اور چھیڑ چھاڑ کی۔ ستمبر 1984 میں، انہوں نے واپس جا کر جانچ کی کہ نیو کوک کا حصتی ورژن کیا ہو گا۔ انہوں نے نہ صرف ہزاروں بلکہ پورے شماں امریکہ میں لاکھوں صارفین کو اکٹھا کیا، اور ہیڈل ٹو ہیڈ بلا سندٹیسٹ میں، نیو کوک نے پیپسی کو 6 سے 8 فیصد پوائنٹس سے شکست دی۔ کوک کو لاکے حکام بہت خوش تھے۔ نئے مشروب کو گرین سگنل دے دیا گیا۔ نیو کوک کے اجراء کا اعلان کرتے ہوئے پریس کانفرنس میں کمپنی کے سی ای اور ابرٹو سی گوئزو ٹھانے نئی پروڈکٹ کو "کمپنی کی اب تک کی سب سے یقینی حرکت" قرار دیا اور ان کی بات پر شک کرنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ صارفین سے سب سے آسان اور براہ راست انداز میں ان کا رد عمل پوچھا گیا تھا اور انہوں نے کہا تھا کہ انہیں پرانا کوک زیادہ پسند نہیں ہے لیکن انہیں نیا کوک بہت پسند ہے۔ نیو کوک کیسے ناکام ہو سکتا ہے؟

لیکن ایسا ہوا۔ یہ ایک تباہی تھی۔ کوک پینے والے نیو کوک کے خلاف غصے میں اٹھ کھڑے ہوئے۔ ملک بھر میں مظاہرے ہوئے۔ کوک بحران کا شکار ہو گیا اور چند ماہ بعد ہی کمپنی کو کلاسک کوک کے نام سے اصل فارمولہ واپس لانے پر مجبور ہونا پڑا جس کے بعد نیو کوک کی فروخت تقریباً غائب ہو گئی۔ نیو کوک کی متوقع کامیابی کبھی پوری نہیں ہوئی۔ لیکن اس سے بھی بڑی حیرت تھی۔ پیپسی کا بظاہرنا قابل یقین عروج، جسے مارکیٹ کی تحقیق نے بھی واضح طور پر اشارہ کیا تھا۔ کبھی عملی شکل نہیں دی۔ گزشتہ بیس سالوں سے کوک پیپسی کے ساتھ مل کر ایک ایسی پروڈکٹ کے ساتھ آمنے سامنے ہے جس کے بارے میں ٹیسٹ کا کہنا ہے کہ یہ کم تر ہے اور کوک اب بھی دنیا کا نمبر ون سافٹ ڈرنک ہے۔ دوسرے لفظوں میں نیو کوک کی کہانی اس بات کی ایک اچھی مثال ہے کہ یہ جاننا کتنا

پیچیدہ ہے کہ لوگ واقعی کیا سوچتے ہیں۔

3. اندھے اندھوں کی رہنمائی کرتے ہیں

پیپسی چینچ کے نتائج کی تشریح کرنے میں دشواری اس حقیقت سے شروع ہوتی ہے کہ وہ اس پر مبنی تھے جسے صنعت ایس آئی پی ٹیسٹ یا سی ایل ٹی (سینٹرل لوکیشن ٹیسٹ) کہتی ہے۔ ذائقہ لینے والے پورا ڈبہ نہیں پیتے ہیں۔ وہ ٹیسٹ کیے جانے والے ہر برانڈ کے ایک کپ سے ایک گھونٹ لیتے ہیں اور پھر اپنا انتخاب کرتے ہیں۔ اب فرض کریں کہ میں آپ سے سافٹ ڈرنس کو تھوڑا مختلف طریقے سے آزمانے کے لئے کہوں گا۔ کیا ہو گا اگر آپ مشروب کا ایک کیس گھر لے جائیں اور مجھے بتائیں کہ آپ کچھ ہفتوں کے بعد کیا سوچتے ہیں؟ کیا اس سے آپ کی رائے بدل جائے گی؟ یہ پتہ چلا ہے کہ یہ ہو گا۔ کیروں ڈالرڈ، جنہوں نے پیپسی کے لئے کئی سوالوں تک نہیں مصنوعات کی تیاری میں کام کیا، کہتی ہیں، "میں نے کئی بار دیکھا ہے جب سی ایل ٹی آپ کو ایک نتیجہ دے گا اور گھر یلو استعمال کا ٹیسٹ آپ کو بالکل بر عکس دے گا۔ مثال کے طور پر، سی ایل ٹی میں، صارفین ایک قطار میں تین یا چار مختلف مصنوعات کا ذائقہ لے سکتے ہیں، ہر ایک کا ایک گھونٹ یادو گھونٹ لے سکتے ہیں۔ ایک گھونٹ اپنے طور پر بیٹھنے اور ایک پورا مشروب پینے سے بہت مختلف ہے۔ کبھی کبھی ایک گھونٹ کا ذائقہ اچھا ہوتا ہے اور پوری بوتل کا ذائقہ نہیں ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گھر یلو استعمال کے ٹیسٹ آپ کو بہترین معلومات فراہم کرتے ہیں۔ صارف مصنوعی ترتیب میں نہیں ہے۔ وہ گھر پر ہیں، ٹی وی کے سامنے بیٹھے ہیں، اور اس صورتحال میں وہ جس طرح محسوس کرتے ہیں وہ اس بات کی سب سے زیادہ عکاسی کرتا ہے کہ جب مصنوعات مارکیٹ میں آئے گی تو وہ کس طرح بر تاؤ کریں گے۔ ذائقہ لینے والے پورا ڈبہ نہیں پیتے ہیں۔ وہ ٹیسٹ کیے جانے والے ہر برانڈ کے ایک کپ سے ایک گھونٹ لیتے ہیں اور پھر اپنا انتخاب کرتے ہیں۔ اب فرض کریں کہ میں آپ سے سافٹ ڈرنس کو تھوڑا مختلف طریقے سے آزمانے کے لئے کہوں گا۔ کیا ہو گا اگر آپ مشروب کا ایک کیس گھر لے جائیں اور مجھے

بتابیں کہ آپ کچھ ہفتوں کے بعد کیا سوچتے ہیں؟ کیا اس سے آپ کی رائے بدل جائے گی؟ یہ پتہ چلا ہے کہ یہ ہو گا۔ کیرول ڈالرڈ، جنہوں نے پیپس کے لئے کئی سالوں تک نئی مصنوعات کی تیاری میں کام کیا، کہتی ہیں، "میں نے کئی بار دیکھا ہے جب سی ایلٹی آپ کو ایک نتیجہ دے گا اور گھریلو استعمال کا ٹیکسٹ آپ کو بالکل بر عکس دے گا۔ مثال کے طور پر، سی ایلٹی میں، صارفین ایک قطار میں تین یا چار مختلف مصنوعات کا ذائقہ لے سکتے ہیں، ہر ایک کا ایک گھونٹ یادو گھونٹ لے سکتے ہیں۔ ایک گھونٹ بہت ہے

اپنے طور پر بیٹھ کر پورا مشروب پینے سے مختلف ہے۔ کبھی کبھی ایک گھونٹ کا ذائقہ اچھا ہوتا ہے اور پوری بوتل کا ذائقہ نہیں ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گھریلو استعمال کے ٹیسٹ آپ کو بہترین معلومات فراہم کرتے ہیں۔ صارف مصنوعی ترتیب میں نہیں ہے۔ وہ گھر پر ہیں، ٹی وی کے سامنے بیٹھے ہیں، اور اس صورتحال میں وہ جس طرح محسوس کرتے ہیں وہ اس بات کی سب سے زیادہ عکاسی کرتا ہے کہ جب مصنوعات مارکیٹ میں آئے گی تو وہ کس طرح بر تاؤ کریں گے۔

مثال کے طور پر، ڈالرڈ کا کہنا ہے کہ ایک سپ ٹیسٹ میں تعصبات میں سے ایک مٹھاں کی طرف ہے: "اگر آپ صرف ایک سپ ٹیسٹ میں ٹیسٹ کرتے ہیں تو، صارفین میٹھی مصنوعات کو پسند کریں گے۔ لیکن جب انہیں ایک پوری بوتل یا کین پینی پڑتی ہے، تو یہ مٹھاں واقعی بہت زیادہ ہو سکتی ہے یا کپڑے پہن سکتی ہے۔ پیپسی کوک سے زیادہ میٹھا ہے، لہذا فوری طور پر ایک سپ ٹیسٹ میں اس کا بڑا فائدہ تھا۔ پیپسی کوک کے زیادہ کشمش والے ونیلا ذائقے کے بر عکس ایک ترش ذائقہ پھٹنے کی بھی خصوصیت ہے۔ لیکن یہ پھٹنا پورے کین کے دوران ختم ہو جاتا ہے، اور یہ ایک اور وجہ ہے کہ کوک کو موازنہ کرنا پڑا۔ پیپسی، مختصر میں، ایک مشروب ہے جو ایک سیپ ٹیسٹ میں چمکنے کے لئے بنایا گیا ہے۔ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ پیپسی چیلنج ایک دھوکہ تھا؟ بلکل بھی نہیں۔ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ ہمارے پاس کولا کے لئے دو مختلف رد عمل ہیں۔ ایک گھونٹ پینے کے بعد ہمارے پاس ایک رد عمل ہوتا ہے، اور پورا ڈبہ پینے کے بعد ہمارا دوسرا رد عمل ہوتا ہے۔ لوگوں کے کولا فیصلوں کو سمجھنے کے لئے، ہمیں سب سے پہلے یہ فیصلہ کرنے کی ضرورت ہے کہ ان دونوں رد عمل میں سے کون سا ہمیں سب سے زیادہ دلچسپی رکھتا ہے۔

اس کے بعد یہ مسئلہ ہے جسے سنسنی کی منتقلی کہا جاتا ہے۔ یہ ایک تصور ہے جو بیسویں صدی کی مارکیٹنگ کی عظیم شخصیات میں سے ایک، لوئس چیسکن نامی ایک شخص نے تیار کیا تھا، جو اس صدی کے اختتام پر یو کرین میں پیدا ہوا

تھا اور بچپن میں ریاستہائے متحدة امریکہ ہجرت کر گیا تھا۔ چیسکن کو یقین تھا کہ جب لوگ سپرمارکیٹ یا ڈپارٹمنٹ اسٹور میں خریدی جانے والی کسی چیز کا اندازہ دیتے ہیں تو، اس کا احساس کیے بغیر، وہ مصنوعات کی پیکچنگ کے بارے میں اپنے احساسات یا تاثرات کو مصنوعات میں منتقل کرتے ہیں۔ اسے دوسرے طریقے سے کہنے کے لئے، چیسکن کا خیال تھا کہ ہم میں سے زیادہ تر پیکچج اور مصنوعات کے درمیان لاشعوری سطح پر فرق نہیں کرتے ہیں۔ مصنوعات پیکچج اور مصنوعات مشترک ہے۔

چیسکن نے جن منصوبوں پر کام کیا ان میں سے ایک مارجرین تھا۔ 1940 کی دہائی کے آخر میں، مارجرین بہت مقبول نہیں تھی۔ صارفین کو اسے کھانے یا خریدنے میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ لیکن چیسکن مجسس تھا۔ لوگ مارجرین کو کیوں پسند نہیں کرتے؟ کیا مارجرین کے ساتھ ان کا مسئلہ کھانے میں ہی شامل تھا؟ یا یہ مارجرین کے ساتھ لوگوں کی واپسی کے ساتھ ایک مسئلہ تھا؟ اس نے جاننے کا فیصلہ کیا۔ اس زمانے میں مارجرین سفیدرنگ کی تھی۔ چیسکن نے اسے پیلارنگ دیا تاکہ یہ مکھن کی طرح نظر آئے۔ اس کے بعد انہوں نے گھریلو خواتین کے ساتھ دوپہر کے کھانے کا ایک سلسلہ پیش کیا۔ چونکہ وہ لوگوں کو بے خبر کپڑنا چاہتا تھا، اس لیے اس نے لپچ کو مارجرین ٹیسٹنگ لپچ نہیں کہا۔ انہوں نے صرف خواتین کے ایک گروپ کو ایک تقریب میں مدعو کیا۔ ڈیوس ماسٹن کا کہنا ہے کہ "میری شرط یہ ہے کہ تمام خواتین نے سفید دستانے پہن رکھے تھے۔" [چیسکن] اسپیکر لے کر آیا اور کھانا پیش کیا، اور کچھ کے لئے مکھن کے چھوٹے تھپ اور دوسروں کے لئے مارجرین کے چھوٹے تھپ تھے۔ مارجرین پیلے رنگ کی تھی۔ اس کے تناظر میں، انہوں نے لوگوں کو یہ نہیں بتانے دیا کہ کوئی فرق ہے۔ اس کے بعد، ہر ایک کو اسپیکر اور کھانے کی درجہ بندی کرنے کے لئے کہا گیا، اور یہ ختم ہوا کہ لوگوں نے سوچا کہ 'مکھن' ٹھیک ہے۔ مارکیٹ ریسرچ نے کہا تھا کہ مارجرین کا کوئی مستقبل نہیں ہے۔ لوئس نے کہا، 'چلو اس پر مزید بالواسطہ طور پر چلتے ہیں۔'

اب یہ سوال بہت واضح تھا کہ مارجرین کی فروخت میں اضافہ کیسے کیا جائے۔ چیسکن نے اپنے کلاسٹ سے کہا کہ وہ

اپنی مصنوعات کو امپیریل مارجرین کہیں، تاکہ وہ پیکچر پر ایک متاثر کن نظر آنے والا تاج رکھ سکیں۔ جیسا کہ انہوں نے دوپہر کے کھانے میں سیکھا تھا، رنگ اہم تھا: انہوں نے انہیں بتایا کہ مارجرین پیلے رنگ کی ہونی چاہئے۔ پھر اس نے ان سے کہا کہ وہ اسے ورق میں لپیٹ دیں، کیونکہ ان دونوں ورق اعلیٰ معیار سے وابستہ تھا۔ اور یقینی طور پر، اگر وہ کسی کوروٹی کے دو ایک جیسے ٹکڑے دیتے ہیں۔ ایک سفید مارجرین کے ساتھ مکھن اور دوسرا ورق سے لپٹا ہوا پیلا امپیریل مارجرین سے مکھن۔ روٹی کا دوسرا ٹکڑا ہر بار ذائقے کے ٹیسٹ میں ہاتھ سے جیت جاتا ہے۔ "تم

کبھی بھی کسی سے نہ پوچھیں، "کیا آپ ورق چاہتے ہیں یا نہیں؟" کیونکہ جواب ہمیشہ یہ ہوتا ہے کہ "میں نہیں جانتا" یا "میں کیوں کروں گا؟" ماسٹن کہتے ہیں۔ "آپ صرف ان سے پوچھتے ہیں کہ کون ساذ ائقہ بہتر ہے، اور اس بالواسطہ طریقے سے آپ کو ایک تصویر ملتی ہے کہ ان کے حقیقی حرکات کیا ہیں۔"

چیسکن کمپنی نے چند سال قبل سنسنی کی منتقلی کی ایک خاص طور پر خوبصورت مثال کا مظاہرہ کیا، جب انہوں نے سستے برانڈی کے دو مسابقاتی برانڈز، کر سچن برادرز اور ای اینڈ جے کامطالعہ کیا (جن میں سے موخر الذکر، مارکیٹ کے اس حصے کے بارے میں کچھ اندازہ دینے کے لئے، جس سے دونوں کا تعلق ہے، اس کے گاہوں کو ایزی جیسیں کے نام سے جانا جاتا ہے)۔ ان کے کلائسٹ کر سچن برادرز یہ جاننا چاہتے تھے کہ اس زمرے میں غالب برانڈ ہونے کے کئی سالوں کے بعد، یہ ای اینڈ جے کے ہاتھوں مارکیٹ شیئر کیوں کھو رہا ہے۔ ان کی برانڈی زیادہ مہنگی نہیں تھی۔ اسے تلاش کرنا مشکل نہیں تھا

دکان۔ اور ان کی تشویش نہیں کی جا رہی تھی (کیونکہ برانڈی سیگمنٹ کے اس سرے پر بہت کم اشتہارات ہیں)۔ تو، وہ زمین کیوں کھو رہے تھے؟ اشتہار دیا گیا (چونکہ برانڈی سیگمنٹ کے اس سرے پر بہت کم اشتہارات ہیں)۔ تو، وہ زمین کیوں کھو رہے تھے؟

چیسکن نے دو سو برانڈی پینے والوں کے ساتھ ایک اندازا ائقہ ٹیسٹ قائم کیا۔ دونوں برانڈیز تقریباً ایک جیسے سامنے آئے۔ اس کے بعد چیسکن نے کچھ قدم آگے بڑھنے کا فیصلہ کیا۔ کمپنی کے ایک اور پرنسپل، ڈیرل ریابتاتے ہیں، "اہم باہر گئے اور دو سو مختلف لوگوں کے ساتھ ایک اور ٹیسٹ کیا۔" اس بارہم نے لوگوں کو بتایا کہ کون سا گلاس کر سچن برادرز ہے اور کون سا گلاس ای اینڈ جے ہے۔ اب آپ کے نام سے سنسنی کی منتقلی ہو رہی ہے، اور اس بار کر سچن برادرز کے نمبر بڑھ گئے ہیں۔ واضح طور پر لوگوں کا ای اینڈ جے کے مقابلے میں کر سچن برادرز کے نام سے زیادہ ثابت تعلق تھا۔ اس نے صرف اس راز کو مزید گھرا کر دیا، کیونکہ اگر کر سچن برادرز کے پاس ایک

مضبوط بر انڈ تھا، تو وہ مار کیت شیئر کیوں کھور رہے تھے؟" لہذا، اب ہم مزید دو سو لوگوں کے ساتھ کام کر رہے ہیں۔ اس بارہ بر انڈ کی اصل بوتلیں پس منظر میں ہیں۔ ہم پیکچوں کے بارے میں نہیں پوچھتے ہیں، لیکن وہ وہاں ہیں۔ اور کیا ہوتا ہے؟ اب ہمیں ای اینڈ جے کے لئے شماریاتی ترجیح ملتی ہے۔ لہذا ہم کر سچن برادرز کا مسئلہ الگ تحلیگ کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ مسئلہ مصنوعات نہیں ہے اور یہ بر انڈ نگ نہیں ہے۔ یہ پیچ ہے۔" ریانے ان دونوں نظر آنے والی دو بر انڈی بوتلوں کی ایک تصویر نکالی۔ کر سچن برادرز شراب کی ایک بوتل کی طرح لگ رہے تھے: اس میں ایک لمبا، پتلا اسپاؤٹ اور ایک سادہ سا آف وائٹ لیبل تھا۔ اس کے بر عکس، ای اینڈ جے کے پاس کہیں زیادہ خوبصورت بوتل تھی: زیادہ اسکوٹ، ڈینکنٹ کی طرح، دھونکیں والے شیشے کے ساتھ، اسپاؤٹ کے ارد گرد ورق پٹا ہوا تھا، اور ایک سیاہ، بھر پور ساخت والا لیبل تھا۔ اپنی بات کو ثابت کرنے کے لیے ریا اور ان کے ساتھیوں نے ایک اور ٹیسٹ کیا۔ انہوں نے دو سو لوگوں کو ای اینڈ جے بوتل سے کر سچن برادرز بر انڈی اور کر سچن برادرز کی بوتل سے ای اینڈ جے بر انڈی کی خدمت کی۔ کون سا بر انڈی جیت گیا؟ کر سچن برادرز، سب سے بڑے فرق سے نیچے۔ اب ان کے پاس صحیح ذائقہ، صحیح بر انڈ اور صحیح بوتل تھی۔ کمپنی نے ان کی بوتل کو ای اینڈ جے کی طرح دوبارہ ڈیزاائن کیا، اور، یقینی طور پر، ان کا مسئلہ حل ہو گیا تھا۔

چیسکن کے دفاتر سان فرانسکو کے بالکل باہر ہیں، اور ہماری بات چیت کے بعد، ما سٹن اور ریا مجھے سڑک کے نیچے نوب ہل فارمز کی ایک سپر مارکیٹ میں لے گئے، جو ان چمکدار، خوبصورت کھانے کے ایمپوریا میں سے ایک ہے جو امریکی مضافات میں آباد ہے۔ "ہم نے تقریباً ہر گلی میں کام کیا ہے،" ما سٹن نے اندر جاتے ہوئے کہا۔ ہمارے سامنے مشروبات کا سیکشن تھا۔ ریانے جھک کر سیوں اپ کا ذبہ اٹھایا۔ "ہم نے سیوں اپ کا ٹیسٹ کیا۔ ہمارے پاس متعددور ژن تھے، اور ہم نے جو پایا وہ یہ ہے کہ اگر آپ پیکچ پر سبز میں پندرہ فیصد زیادہ پیلا شامل کرتے ہیں۔ اگر آپ اسے سبز لیتے ہیں اور زیادہ پیلا ڈالتے ہیں۔ تو لوگوں کی رپورٹ یہ ہے کہ ذائقے کے تجربے میں بہت زیادہ لیموں یا لیموں کا ذائقہ ہوتا ہے۔ اور لوگ پریشان تھے۔" تم میرے سیوں اپ کو تبدیل کر رہے ہو! مجھ پر انیو

کوک 'مرت کرو۔ یہ بالکل ایک ہی مصنوعات ہے، لیکن بوتل سے احساسات کا ایک مختلف سیٹ منتقل کیا گیا ہے، جو اس معاملے میں لازمی طور پر ایک اچھی چیز نہیں ہے۔

ٹھنڈے مشروبات کے سیکشن سے، ہم ڈبہ بند سامان کے گلی میں گھومتے رہے۔ ماسٹن نے شیف بویارڈی رویولی کا ایک کین اٹھایا اور کین کے لیبل پر شیف کی تصویر کی طرف اشارہ کیا۔ "اس کا نام، ہیکٹر ہے۔ ہم اس طرح کے لوگوں کے بارے میں بہت کچھ جانتے ہیں، جیسے اورول ریڈن باکر یا بیٹی کرو کر یا سن میڈ رائسن پیکچ پر موجود خاتون۔ عام اصول یہ ہے کہ صارفین کھانے کے جتنے قریب پہنچیں گے، اتنے ہی زیادہ صارفین قدامت پسند ہوں گے۔ ہیکٹر کے لئے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس معاملے میں اسے بہت لغوی نظر آنے کی ضرورت ہے۔ آپ چاہتے ہیں کہ چہرہ ایک قابل شناخت انسان کے طور پر ہو جس سے آپ تعلق رکھ سکیں۔ عام طور پر، چہرے کے کلوڑ اپ پورے جسم کے شاٹس کے مقابلے میں بہتر کام کرتے ہیں۔ ہم نے ہیکٹر کو متعدد مختلف طریقوں سے آزمایا۔ کیا آپ اسے تبدیل کر کے راویولی کا ذائقہ بہتر بناسکتے ہیں؟ زیادہ تر آپ اسے اڑاسکتے ہیں، جیسے اسے کارٹون کی شخصیت بناؤ۔ ہم نے اسے فوٹو گرافی کے تناظر میں دیکھا اور کارٹون کردار کی قسم کی چیزوں تک۔ جتنا زیادہ آپ کارٹون کرداروں کی طرف جاتے ہیں، ہیکٹر جتنا زیادہ تجربیدی ہوتا جاتا ہے، اتنا ہی آپ راویولی کے ذائقے اور معیار کے بارے میں کم سے کم موثر ہوتے ہیں۔

ماسٹن نے ہارمل ڈبہ بند گوشت کا ایک ڈبہ اٹھایا۔ "ہم نے بھی ایسا ہی کیا۔ ہم نے ہارمل لوگوں کی جانچ کی۔ انہوں نے آر اور ایم کے درمیان پارسلے کے چھوٹے سے ٹکڑے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا، "پارسلے کا یہ چھوٹا سا ٹکڑا ڈبہ بند کھانے میں تازگی لانے میں مدد کرتا ہے۔

ریانے کلاسیکو ٹماٹر کی چٹنی کی ایک بوتل پکڑی اور مختلف قسم کے کنٹیزز سے جڑے معنی کے بارے میں بات کی۔ جب ڈیل موٹی نے آڑو کو ٹین سے نکال کر شیشے کے کنٹیزز میں ڈال دیا، تو لوگوں نے کہا، 'آہ، یہ کچھ ایسا ہی ہے جو میری دادی بنایا کرتی تھیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ آڑو کا ذائقہ اس وقت بہتر ہوتا ہے جب وہ شیشے کے جار میں آتے ہیں۔ یہ مستطیل پیچ کے بر عکس سلنڈر کنٹیزز میں آس کریم کی طرح ہے۔ لوگ توقع کرتے ہیں کہ اس کا ذائقہ

بہتر ہو گا اور وہ صرف اس پیکچ کی طاقت پر پانچ، دس سینٹ زیادہ ادا کرنے کو تیار ہیں۔

مسٹین اور ریا کمپنیوں کو یہ بتاتے ہیں کہ ہمارے پہلے تاثرات کو کس طرح تبدیل کرنا ہے، اور ان کی کوششوں کے بارے میں کچھ بے چینی محسوس کرنا مشکل ہے۔ اگر آپ چاکلیٹ چپ آئس کریم میں چس کا سائز دو گنا کرتے ہیں اور پیکچ پر کہتے ہیں، "نیا! بڑے چاکلیٹ چس!" اور پانچ سے دس سینٹ زیادہ چارج کریں، یہ ایماندار اور منصفانہ لگتا ہے۔ لیکن اگر آپ اپنی آئس کریم کو مستطیل کنٹیز کے بجائے ایک گول میں ڈالتے ہیں اور پانچ سے دس سینٹ زیادہ چارج کرتے ہیں تو ایسا لگتا ہے کہ آپ لوگوں کی آنکھوں پر اون کھینچ رہے ہیں۔ اگر آپ اس کے بارے میں سوچتے ہیں، تو ان دونوں چیزوں کے درمیان واقعی کوئی عملی فرق نہیں ہے۔ جب آئس کریم کا ذائقہ آتا ہے تو ہم اس کے لئے زیادہ قیمت ادا کرنے کے لئے تیار ہیں

بہتر، اور گول کنٹیز میں آئس کریم ڈالنے سے ہمیں یقین ہوتا ہے کہ اس کا ذائقہ اتنا ہی بہتر ہے جتنا چاکلیٹ چپ آئس کریم میں چس کو بڑا بنانا ہوتا ہے۔ یقیناً، ہم ایک بہتری کے بارے میں آگاہ ہیں اور دوسرے کے بارے میں آگاہ نہیں ہیں، لیکن یہ فرق کیوں اہم ہونا چاہئے؟ آئس کریم کمپنی صرف ان بہتریوں سے فائدہ اٹھانے کے قابل کیوں ہونی چاہئے جن کے بارے میں ہم آگاہ ہیں؟ آپ کہہ سکتے ہیں، "ٹھیک ہے، وہ ہماری پیٹھ کے پیچھے جا رہے ہیں۔ لیکن ہماری پیٹھ کے پیچھے کون جا رہا ہے؟ آئس کریم کمپنی؟ یا ہمارا اپنالاشور؟ چاکلیٹ چپ آئس کریم میں بڑی چس کرتی ہیں۔ یقیناً، ہم ایک بہتری کے بارے میں آگاہ ہیں اور دوسرے کے بارے میں آگاہ نہیں ہیں، لیکن یہ فرق کیوں اہم ہونا چاہئے؟ آئس کریم کمپنی صرف ان بہتریوں سے فائدہ اٹھانے کے قابل کیوں ہونی چاہئے جن کے بارے میں ہم آگاہ ہیں؟ آپ کہہ سکتے ہیں، "ٹھیک ہے، وہ ہماری پیٹھ کے پیچھے جا رہے ہیں۔ لیکن ہماری پیٹھ کے پیچھے کون جا رہا ہے؟ آئس کریم کمپنی؟ یا ہمارا اپنالاشور؟

نہ ہی ما سٹن اور نہ ہی ریا اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ چالاک پیکچنگ ایک کمپنی کو خراب ذائقہ والی مصنوعات پیش کرنے کی اجازت دیتی ہے۔ مصنوعات کا ذائقہ خود بہت اہمیت رکھتا ہے۔ ان کی بات صرف یہ ہے کہ جب ہم

کسی چیز کو اپنے منہ میں ڈالتے ہیں اور پک جھکتے ہی فیصلہ کرتے ہیں کہ اس کا ذائقہ اچھا ہے یا نہیں، تو ہم نہ صرف اپنے ذائقے کی کلیوں اور لعاب کے غدوں سے ملنے والے شواہد پر رد عمل ظاہر کر رہے ہیں بلکہ اپنی آنکھوں، یادوں اور تصورات کے ثبوت پر بھی رد عمل ظاہر کر رہے ہیں، اور یہ ایک کمپنی کی حماقت ہے۔

ایک جہت کی خدمت کریں اور دوسرے کو نظر انداز کریں۔

اس تناظر میں نیوکوک کے ساتھ کوکاکولا کی غلطی مزید سنگین ہو جاتی ہے۔ یہ صرف اتنا نہیں تھا کہ انہوں نے ایس آئی پی ٹیسٹ پر بہت زیادہ زور دیا۔ یہ تھا کہ اندھے ذائقے کے ٹیسٹ کا پورا اصول مضخکہ خیز تھا۔ انہیں اس بات کی اتنی پرواہ نہیں کرنی چاہیے تھی کہ وہ پرانے کوک کے ساتھ اندھے ذائقے کے ٹیسٹ کھور ہے ہیں، اور ہمیں بالکل بھی حیران نہیں ہونا چاہئے کہ اندھے ذائقے کے ٹیسٹ میں پیپسی کا غالبہ حقیقی دنیا میں کبھی زیادہ ترجمہ نہیں ہوا۔ کیوں نہیں؟ کیونکہ حقیقی دنیا میں کوئی بھی اندھا ہو کر کوکاکولا نہیں پیتا۔ ہم کوکاکولا کے بارے میں اپنے احساس کو برانڈ، تصویر، کین اور یہاں تک کہ لوگوں کے واضح سرخرنگ کے بارے میں ہمارے پاس موجود تمام لاشعوری وابستگیوں کو تبدیل کرتے ہیں۔ ریا کہتی ہیں، "کوکاکولا نے جو غلطی کی، وہ یہ تھی کہ انہوں نے اپنے حصص میں کمی کا ذمہ دار پیپسی کو دیا۔ لیکن کولا میں جو چیز بہت زیادہ اہمیت رکھتی ہے وہ برانڈ ایمجری ہے، اور انہوں نے اس پر نظریں کھو دیں۔ ان کے تمام فیصلے پر وڈکٹ کو تبدیل کرنے پر ہی کیے گئے تھے جبکہ پیپسی نوجوانوں پر توجہ دے رہی تھی اور مائیکل جیکسن کو اپنا ترجمان بنارہی تھی اور بہت سے اچھے برانڈنگ کے کام کر رہی تھی۔ یقینی طور پر، لوگ سپ ٹیسٹ میں میٹھی مصنوعات کو پسند کرتے ہیں، لیکن لوگ سپ ٹیسٹ پر اپنی مصنوعات کے فیصلے نہیں کرتے ہیں۔ کوک کا مسئلہ یہ ہے کہ سفید لیب کوٹ پہنے ہوئے لوگوں نے ذمہ داری سنبھال لی۔

کیا کینا کے معاملے میں سفید لیبارٹری کوٹ پہنے ہوئے لوگوں نے بھی ذمہ داری سنبھالی تھی؟ مارکیٹ ٹیسٹرز نے فرض کیا کہ وہ ٹیلی فون یا انٹرنیٹ پر کسی کے لئے صرف ان کے گانوں میں سے ایک یا ان کے گانوں میں سے ایک کا حصہ چلا سکتے ہیں اور سامعین کا رد عمل اس بات کے لئے ایک قابل اعتماد رہنماء کے طور پر کام کرے گا کہ موسیقی کے خریدار گانے کے بارے میں کیا محسوس کریں گے۔ ان کی سوچ یہ تھی کہ موسیقی سے محبت کرنے

والے چند سینئروں میں ایک نئے گانے کو باریک کاٹ سکتے ہیں، اور اصولی طور پر اس خیال میں کچھ بھی غلط نہیں ہے۔ لیکن باریک کاٹنے کا کام سیاق و سباق میں کیا جانا چاہیے۔ شادی کی صحت کی فوری تشخیص ممکن ہے۔ لیکن آپ صرف ایک جوڑے کو پنگ پونگ کھیلتے ہوئے نہیں دیکھ سکتے ہیں۔ آپ کو ان کا مشاہدہ کرنا ہو گا جب وہ اپنے تعلقات سے متعلق کسی چیز پر تبادلہ خیال کر رہے ہوں۔ بات چیت کے ایک چھوٹے سے ٹکڑے کی بنیاد پر سرجن کے خلاف بدسلوکی کا مقدمہ دائر کیے جانے کے خطرے کو کم کرنا ممکن ہے۔ لیکن یہ ایک مریض کے ساتھ بات چیت ہونی چاہئے۔ کینا سے گرم جوشی رکھنے والے سبھی لوگوں کے پاس اس طرح کا سیاق و سباق تھا۔ روکسی اور نو ڈاؤٹ کنسٹرٹ میں موجود لوگوں نے اسے جسم میں دیکھا۔ کریگ کلمسن نے کینا کو اپنے دفتر میں اس کے لئے گایا۔ فریڈ ڈرسٹ نے کینا کو اپنے ایک قابل اعتماد ساتھی کے جوش و خروش کے چشمے سے سنا۔ ایم ٹی وی کے ناظرین جنہوں نے کینا سے بار بار درخواست کی تھی انہوں نے ان کی ویدیو دیکھی تھی۔ اس اضافی معلومات کے بغیر کینا کا فیصلہ کرنا لوگوں کو اندھے ذاتے کے ٹیسٹ میں پیپسی اور کوک میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنے کے مترادف ہے۔

4. کئی سال قبل فرنچ بر بنے والی کمپنی ہر من ملرانکار پوری ڈیڑھ نے بل سٹمپ نامی صنعتی ڈیزائنسر کی خدمات حاصل کی تھیں تاکہ وہ ایک نئی آفس کر سی تیار کر سکیں۔ سٹمپ نے اس سے پہلے ہر من ملر کے ساتھ کام کیا تھا، خاص طور پر دو سابقہ کر سیوں پر جسے ارگن اور ایکوا کہا جاتا ہے۔ اس کے باوجود سٹمپ اپنی پچھلی دو کوششوں سے مطمئن نہیں تھا۔ دونوں اچھی طرح فروخت ہوئے تھے، لیکن سٹمپ نے سوچا کہ ایر گون اندازی ہے۔ ایک ناپختہ کوشش۔ ایکوا بہتر تھا، لیکن اس کے بعد سے اسے اتنی دوسری کمپنیوں نے نقل کیا تھا کہ یہ اب اس کے لئے خاص نہیں لگتا تھا۔ سٹمپ کہتے ہیں کہ "میں نے پہلے جو کر سیاں بنائی تھیں وہ سب ایک جیسی لگ رہی تھیں۔" میں کچھ ایسا کرنا چاہتا تھا جو مختلف نظر آئے۔ انہوں نے اپنے نئے منصوبے کو ایر ون کا نام دیا، اور ایر ون کی کہانی لوگوں کے رد عمل کی پیاس کرنے کی کوشش کے ساتھ ایک دوسرے، گھرے مسئلے کی وضاحت کرتی ہے: ہمارے لئے ناواقف

چیزوں کے بارے میں اپنے احساسات کی وضاحت کرنا مشکل ہے۔

سمپ کا خیال یہ تھا کہ سب سے زیادہ درست کرسی کو تصور کے قابل بنانے کی کوشش کی جائے۔ اس نے ایکوا کے ساتھ ایسا کرنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن ایرون کے ساتھ وہ اس سے بھی آگے چلا گیا۔ مثال کے طور پر کرسی کے پچھلے حصے کو کرسی ڈیزائنرز سے جوڑنے والے میکانزم میں بہت زیادہ کام کیا گیا۔

سیٹ پین کہتے ہیں۔ ایک عام کرسی میں، دونوں کو جوڑنے والا ایک سادہ ہنگ ہوتا ہے تاکہ آپ کرسی پر والپس جھک سکیں۔ لیکن ہنگ کے ساتھ مسئلہ یہ ہے کہ کرسی ہمارے کوہوں کے محور سے مختلف انداز میں گھومتی ہے، لہذا جھکا ہوا جھکنا قمیض کو ہماری پتلون سے باہر کھینچتا ہے اور ڈال دیتا ہے۔

ہماری پیٹھ پر غیر ضروری دباؤ۔ ایرون پر، سیٹ پین اور کرسی کا پچھلا حصہ ایک پیچیدہ میکانزم کے ذریعے آزادا نہ طور پر حرکت کرتا تھا۔ اور بھی بہت کچھ تھا۔ ہر من ملر کی ڈیزائنس ٹیم مکمل طور پر ایڈ جسٹ ہونے والے ہتھیار چاہتی تھی، اور یہ آسان تھا اگر کرسی کے بازو ایرون کے پچھلے حصے سے منسلک ہوں، نہ کہ سیٹ پین کے نیچے، جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے۔ وہ کندھوں کے لئے زیادہ سے زیادہ حمایت کرنا چاہتے تھے، لہذا کرسی کا پچھلا حصہ نیچے کے مقابلے میں اوپر کی طرف وسیع تھا۔ یہ زیادہ تر کرسیوں کے بالکل بر عکس تھا، جو نیچے چوڑی ہیں اور اوپر سے ٹپپر ہیں۔ آخر میں، وہ چاہتے تھے کہ کرسی ان لوگوں کے لئے آرام دہ ہو جو طویل عرصے سے ان کی میزوں پر پھنسنے ہوئے تھے۔ سٹمپ کہتے ہیں کہ "میں نے اسٹراؤپیاں اور وکر فرنیچر جیسی دیگر چیزوں کو دیکھا۔" میں نے ہمیشہ کپڑے میں ڈھکی فوم کرسیوں سے نفرت کی ہے، کیونکہ وہ گرم اور چمکی لگ رہی تھیں۔ جلد ایک عضو ہے، یہ سانس لیتا ہے۔ اسٹراؤپی جیسی سانس لینے کے قابل چیز حاصل کرنے کا یہ خیال میرے لئے دلچسپ تھا۔ انہوں نے جس چیز پر سکونت اختیار کی وہ ایک خاص طور پر تیار کردہ، پتلی چکدار جالی تھی، جو پلاسٹک کے فریم پر مضبوطی سے پھیلی ہوئی تھی۔ اگر آپ جالی کے ذریعے دیکھیں تو آپ کو لیور اور میکانزم اور سخت پلاسٹک کے اجزاء نظر آئیں گے جو سیٹ پین کے نیچے سادہ نظر آتے ہیں۔ پیچیدہ میکانزم، اور بھی بہت کچھ تھا۔ ہر من ملر کی ڈیزائنس ٹیم مکمل طور پر ایڈ جسٹ ہونے والے ہتھیار چاہتی تھی، اور یہ آسان تھا اگر کرسی کے بازو ایرون کے پچھلے حصے سے منسلک ہوں، نہ کہ سیٹ پین کے نیچے، جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے۔ وہ کندھوں کے لئے زیادہ سے زیادہ حمایت کرنا چاہتے تھے، لہذا کرسی کا پچھلا حصہ نیچے کے مقابلے میں اوپر کی طرف وسیع تھا۔ یہ زیادہ تر کرسیوں کے بالکل

بر عکس تھا، جو نیچے چوڑی ہیں اور اوپر سے ٹپر ہیں۔ آخر میں، وہ چاہتے تھے کہ کرسی ان لوگوں کے لئے آرام دہ ہو جو طویل عرصے سے ان کی میزوں پر بخنسے ہوئے تھے۔ سٹمپ کہتے ہیں کہ 'میں نے اسٹرالوپیاں اور وکر فرنچر جیسی دیگر چیزوں کو دیکھا۔' میں نے ہمیشہ کپڑے میں ڈھکی فوم کر سیوں سے نفرت کی ہے، کیونکہ وہ گرم اور چکلی لگ رہی تھیں۔ جلد ایک عضو ہے، یہ سانس لیتا ہے۔ اسٹرولوپی جیسی سانس لینے کے قابل چیز حاصل کرنے کا یہ خیال میرے لئے دلچسپ تھا۔ انہوں نے جس چیز پر سکونت اختیار کی وہ ایک خاص طور پر تیار کردہ، پتلی چکدار جائی تھی، جو پلاسٹک کے فریم پر مضبوطی سے پھیلی ہوئی تھی۔ اگر آپ جائی کے ذریعے دیکھیں تو آپ کو لیور اور میکانزم اور سخت پلاسٹک کے اجزاء نظر آئیں گے جو سیٹ پین کے نیچے سادہ نظر آتے ہیں۔

ہر من ملر کے صارفین کے ساتھ بیٹھنے پر کام کرنے کے سالوں میں، انہوں نے پایا تھا کہ جب دفتر کی کرسیوں کا انتخاب کرنے کی بات آتی ہے، تو زیادہ تر لوگ خود بخوبی سے زیادہ فرضی حیثیت کے ساتھ کرسی کی طرف راغب ہو جاتے ہیں۔ کچھ سینیٹریا تخت کی طرح، موٹی تختی اور اونچی، مضبوط پیٹھ کے ساتھ۔ ایروں کیا تھا؟ یہ بالکل اس کے بر عکس تھا: سیاہ پلاسٹک کا ایک پتلہ، شفاف مرکب اور عجیب و غریب پروٹو بنس اور جائی جو کسی بڑے تاریخی کیڑے کے ایکسو سکلیٹن کی طرح لگ رہا تھا۔ سٹمپ کا کہنا ہے کہ 'امریکہ میں کفرٹ لازبوائے ریکلائزر سے بہت زیادہ مشروط ہے۔' جرمنی میں وہ مذاق اڑاتے ہیں کہ امریکی اپنی گاڑیوں کی سیٹوں پر بہت زیادہ پیدنگ چاہتے ہیں۔ ہمارے پاس نرمی پر یہ تعین ہے۔ میں ہمیشہ اس دستانے کے بارے میں سوچتا ہوں جو ڈزنی نے کمی ماوس کے ہاتھ پر رکھا تھا۔ اگر ہم نے اس کا حقیقی پنجہ دیکھا ہوتا تو کوئی بھی اسے پسند نہ کرتا۔ ہم جو کچھ کر رہے تھے وہ نرمی کے اس خیال کے بر عکس تھا۔

مئی 1992 میں، ہر من ملنے وہ کرنا شروع کیا جسے وہ استعمال کی جائچ کہتے ہیں۔ وہ مغربی مشی گن کی مقامی کمپنیوں کو ایروں کے پروٹو ٹائپ لے گئے اور لوگوں کو کم از کم آدھے دن تک ان میں بٹھایا۔ شروع میں، جواب

ثبت نہیں تھا۔ ہر من ملنے لوگوں سے کہا کہ وہ کرسی کے آرام کو 1 سے 10 کے پیچے پر درجہ بندی کریں۔ جہاں 10 کامل ہے، اور کم از کم 7.5 وہ جگہ ہے جہاں آپ واقعی مارکیٹ میں جانے سے پہلے رہنا پسند کریں گے۔ اور ایرون کے ابتدائی پروٹو ٹائپ تقریباً 4.75 پر آئے۔ ہر من ملر کے عملے میں سے ایک نے مذاق پر کرسی کی تصویر لگادی۔

ایک سپر مارکیٹ ٹیبلائیڈ کا سرورق، جس کی سرنخی موت کی کرسی ہے: اس میں بیٹھنے والا ہر شخص مر جاتا ہے اور اسے ابتدائی ایرون تحقیقی رپورٹوں میں سے ایک کا سرورق بنادیا جاتا ہے۔ لوگ اس فریم کو دیکھتے تھے اور سوچتے تھے کہ کیا یہ انہیں پکڑے گا، اور پھر جالی کو دیکھتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ کیا یہ کبھی آرام دہ ہو سکتا ہے۔ اس وقت ہر من ملر کے ریسرچ اینڈ ڈیزائن کے سینئر نائب صدر روب ہاروے کا کہنا ہے کہ کسی کو کسی ایسی چیز پر بٹھانا بہت مشکل ہے جو صحیح نظر نہیں آتی۔ ان کا کہنا تھا کہ "اگر آپ ایسی کرسی بناتے ہیں جس کا فریم خراب ہو تو لوگوں کا خیال یہ ہوتا ہے کہ وہ انہیں نہیں پکڑے گی۔ وہ اس میں بیٹھنے کے بارے میں بہت عارضی ہو جاتے ہیں۔ بیٹھنا ایک بہت ہی گہری چیز ہے۔ جسم ایک کرسی کے ساتھ قریبی رابطے میں آتا ہے، لہذا بہت سارے بصری اشارے ہیں جیسے درجہ حرارت اور سختی جو لوگوں کے تصورات کو چلاتے ہیں۔ لیکن جیسے جیسے ہر من ملنے ڈیزائن میں تبدیلی کی، نئے اور بہتر پر ٹوٹاپ تیار کیے، اور لوگوں کو اپنی پریشانیوں پر قابو پانے کے لئے تیار کیا، اسکور میں اضافہ ہونا شروع ہوا۔ جب تک ہر من ملر مارکیٹ میں جانے کے لئے تیار تھا، کفرٹ اسکور، حقیقت میں، اوپر تھا۔

8. یہ اچھی خبر تھی۔ بری خبر؟ تقریباً ہر کسی نے سوچا کہ کرسی ایک مضخلہ خیز کرسی ہے۔ ایرون پر تحقیق کے سربراہ بل ڈوویل کا کہنا ہے کہ "شروع سے ہی جمالیاتی اسکور کفرٹ اسکور سے بہت پچھے رہ گئے تھے۔" یہ ایک بے ترتیبی تھی۔ ہم نے کرسیوں پر بیٹھے ہزاروں لوگوں کا تجربہ کیا ہے، اور ہم نے ہمیشہ سب سے مضبوط تعلق پایا ہے وہ آرام اور جمالیات کے درمیان ہے۔ لیکن یہاں ایسا نہیں ہوا۔ کفرٹ اسکور آٹھ سے اوپر چلا گیا، جو غیر معمولی ہے۔ لیکن جمالیاتی اسکور دو سے تین کے درمیان شروع ہوا اور ہمارے کسی بھی پر ٹوٹاپ میں کبھی بھی چھ سے اوپر نہیں پہنچا۔ ہم کافی پریشان تھے اور بے فکر نہیں تھے۔ ہمارے پاس ایکوا کرسی تھی۔ یہ کرسی بھی متنازعہ تھی۔ لیکن اسے ہمیشہ خوبصورت کے طور پر دیکھا جاتا تھا۔

1993 کے اوآخر میں، جب انہوں نے چینیز لائچ کرنے کی تیاری کی تو، ہر من ملر نے ملک بھر میں فوکس گروپوں کا ایک سلسلہ تشکیل دیا۔ وہ قیمت اور مارکینگ کے بارے میں کچھ خیالات حاصل کرنا چاہتے تھے اور اس بات کو یقینی بنانا چاہتے تھے کہ اس تصور کے لئے عام حمایت موجود ہے۔ انہوں نے آرکیٹیکٹس اور ڈیزائنرز کے پینل سے آغاز کیا، اور وہ عام طور پر قبول کرتے تھے۔ ڈوویل نے کہا، "وہ سمجھ گئے کہ کرسی کتنی بنیاد پرست ہے۔" یہاں تک کہ اگر وہ اسے خوبصورتی کی چیز کے طور پر نہیں دیکھتے تھے، تو وہ سمجھتے تھے کہ اسے اسی طرح دیکھنا ہو گا جیسے یہ تھا۔" پھر انہوں نے اس کرسی کو سہولت کے مینیجرز اور ایر گونوک ماہرین کے گروپوں کے سامنے پیش کیا۔ اس قسم کے لوگ جو بالآخر کرسی کو تجارتی کامیابی بنانے کے ذمہ دار ہوں گے۔

اس بار استقبالیہ انتہائی ٹھنڈا تھا۔ ڈوویل کہتے ہیں کہ 'وہ جمالیاتی چیزوں کو بالکل نہیں سمجھتے تھے۔ ہر من ملر کو کہا گیا تھا کہ وہ ایرون کو ٹھوس کپڑے سے ڈھانپ دیں اور اسے کارپوریٹ گاہوں کو فروخت کرنا ممکن ہو گا۔ ایک سہولت مینیجر نے کرسی کا موازنہ لانے کے فرنچسیا پر اనے زمانے کے کارسیٹ کو رسمی کیا۔

ایک اور نے کہا کہ ایسا لگتا ہے کہ یہ رو بو کوپ کے سیٹ سے آیا ہے، اور دوسرے نے کہا کہ ایسا لگتا ہے جیسے یہ مکمل طور پر ری سائیکل شدہ مواد سے بنایا گیا ہے۔ ڈوویل یاد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ 'مجھے سٹینفورڈ کے ایک پروفیسر یاد ہیں جنہوں نے اس تصور اور اس کے کام کی تصدیق کی تھی لیکن کہا تھا کہ جب ہم 'جمالیاتی طور پر بہتر پروٹو ٹائپ' پر پہنچیں گے تو وہ واپس مد عکرنا چاہتے ہیں۔' ہم شیشے کے پیچھے یہ کہہ رہے تھے کہ 'جمالیاتی طور پر بہتر پروٹو ٹائپ' نہیں ہو گا! یہ مکمل طور پر ری سائیکل شدہ مواد سے بنایا گیا تھا۔ ڈوویل یاد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ 'مجھے سٹینفورڈ کے ایک پروفیسر یاد ہیں جنہوں نے اس تصور اور اس کے کام کی تصدیق کی تھی لیکن کہا تھا کہ جب ہم 'جمالیاتی طور پر بہتر پروٹو ٹائپ' پر پہنچیں گے تو وہ واپس مد عکرنا چاہتے ہیں۔' ہم شیشے کے پیچھے یہ کہہ رہے تھے، 'جمالیاتی طور پر بہتر پروٹو ٹائپ' نہیں ہونے جا رہا ہے!"

ایک لمحے کے لئے اپنے آپ کو ہر من ملر کے جوتے میں رکھیں۔ آپ نے اپنے آپ کو ایک برانڈ کے لئے وقف کر

- دیا ہے

نئی مصنوعات۔ آپ نے اپنے فرنچر فیکٹری کو دوبارہ چلانے کے لئے بہت زیادہ رقم خرچ کی ہے، اور پھر بھی اس بات کو یقینی بنانا ہے کہ، مثال کے طور پر، ایرون پر لگی جائی اس میں بیٹھنے والے لوگوں کے پیچھے نہ جائے۔ لیکن اب آپ کو پتہ چلتا ہے کہ لوگوں کو جائی پسند نہیں ہے۔ درحقیقت، وہ سوچتے ہیں کہ پوری کرسی بد صورت ہے، اور اگر آپ کاروبار میں سالوں اور سالوں سے ایک چیز جانتے ہیں، تو وہ یہ ہے کہ لوگ کر سیاں نہیں خریدتے ہیں جو ان کے خیال میں بد صورت ہیں۔ تو آپ کیا کرتے ہیں؟ آپ کرسی کو مکمل طور پر ختم کر سکتے ہیں۔ آپ واپس جاسکتے ہیں اور اسے جھاگ کی ایک اچھی جانی پہچانی پر ت میں ڈھانپ سکتے ہیں۔ یا آپ اپنی جبلت پر بھروسہ کر سکتے ہیں اور آگے غوطہ لگاسکتے ہیں۔

ہر من ملر نے تیسرا کورس کیا۔ وہ آگے بڑھے، اور کیا ہوا؟ شروع میں، زیادہ نہیں۔ آخر کار، ایرون بد صورت تھا۔ تاہم، کچھ دیر پہلے، کرسی نے ڈیزائن کمیونٹی کے کچھ انتہائی جدید عناصر کی توجہ اپنی طرف مبذول کرنا شروع کر دی۔ اس نے انڈسٹریل ڈیزائنز سوسائٹی آف امریکہ سے دہائی کے ڈیزائن کا ایوارڈ جیتا۔ کیلی فور نیا اور نیو یارک میں، ایڈورٹائزنگ کی دنیا میں اور سلیکون ولی میں، یہ ایک قسم کی کلٹ آبجیکٹ بن گئی جو نئی معیشت کی جمالياتي ساخت سے مماثلت رکھتی ہے۔ یہ فلموں اور ٹیلی ویژن اشتہارات میں ظاہر ہونا شروع ہوا، اور وہاں سے اس کی پروفائل بنی اور بڑھتی اور پھولی۔ 1990 کی دہائی کے آخر تک، فروخت سالانہ 50 سے 70 فیصد بڑھ رہی تھی، اور ہر من ملر کے لوگوں کو اچانک احساس ہوا کہ ان کے ہاتھوں میں جو کچھ تھا وہ کمپنی کی تاریخ میں سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کرسی تھی۔ کچھ عرصہ پہلے، کوئی دفتری کرسی نہیں تھی جس کی وسیع پیمانے پر نقل کی گئی ہو۔ ہر کوئی ایک ایسی کرسی بنانا چاہتا تھا جو کسی بڑے پرانے کیڑے کے ایکسو سکلیٹن کی طرح نظر آئے۔ اور آج جمالياتي اسکور کیا ہیں؟ ایرون اب 8 ہے۔ جو چیز کبھی بد صورت تھی وہ اب خوبصورت ہو گئی ہے۔

بلا سند پسی ٹیسٹ کی صورت میں، پہلے تاثرات کام نہیں کرتے ہیں کیونکہ کولا کو اندھا نہیں سمجھا جاتا ہے۔ اندھے

سپ ٹیسٹ کوک کو پتلا کرنے کے لئے غلط سیاق و سباق ہے۔ ایرون کے ساتھ، صارفین کے پہلے تاثرات کو جمع کرنے کی کوشش قدرے مختلف وجہ سے ناکام ہو گئی: اپنے پہلے تاثرات کی اطلاع دینے والے لوگوں نے اپنے احساسات کی غلط تشریح کی۔ انہوں نے کہا کہ وہ اس سے نفرت کرتے ہیں۔ لیکن ان کا اصل مطلب یہ تھا کہ کرسی اتنی نئی اور غیر معمولی تھی کہ وہ اس کے عادی نہیں تھے۔ یہ ہر اس چیز کے بارے میں سچ نہیں ہے جسے ہم بد صورت کہتے ہیں۔ فورڈ موٹر کمپنی کی 1950 کی دہائی کی مشہور فلاپ فلم ایڈسل ناکام ہو گئی کیونکہ لوگوں نے سوچا کہ یہ مضجعہ خیز لگ رہا ہے۔ لیکن دو یا تین سال بعد، ہر دوسری کار ساز کمپنی نے اچانک ایسی کاریں بنانا شروع نہیں کیں جو ایڈسل کی طرح نظر آتی تھیں، جس طرح ہر کوئی ایرون کی نقل کرنا شروع کرتا تھا۔ ایڈسل بد صورت شروع ہوا، اور یہ اب بھی بد صورت ہے۔ اسی طرح، ایسی فلمیں بھی ہیں جن سے لوگ نفرت کرتے ہیں جب وہ انہیں پہلی بار دیکھتے ہیں، اور وہ دو یا تین سال بعد بھی ان سے نفرت کرتے ہیں۔ ایک بری فلم ہمیشہ ایک بری فلم ہوتی ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ جن چیزوں سے ہم نفرت کرتے ہیں ان میں دفن مصنوعات کا ایک طبقہ ہے جو صرف اس زمرے میں ہیں کیونکہ وہ عجیب ہیں۔ وہ ہمیں پریشان کرتے ہیں۔ وہ کافی مختلف ہیں کہ ہمیں یہ سمجھنے میں کچھ وقت لگتا ہے کہ ہم واقعی انہیں پسند کرتے ہیں۔

ڈو میل کا کہنا ہے کہ "جب آپ مصنوعات کی ترقی کی دنیا میں ہوتے ہیں تو، آپ اپنی چیزوں میں ڈوب جاتے ہیں، اور اس حقیقت کو ذہن میں رکھنا مشکل ہے کہ آپ جن گاہوں کو باہر جاتے ہیں اور دیکھتے ہیں وہ آپ کی مصنوعات کے ساتھ بہت کم وقت گزارتے ہیں۔" وہ اس وقت اور وہاں کے تجربے کو جانتے ہیں۔ لیکن ان کے پاس اس کے ساتھ کوئی تاریخ نہیں ہے، اور ان کے لئے اس کے ساتھ مستقبل کا تصور کرنا مشکل ہے، خاص طور پر اگر یہ کچھ بہت مختلف ہے۔ ایرون کرسی کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔ لوگوں کے ذہنوں میں دفتر کی کریں ایک خاص جمالياتی تھیں۔ انہیں تنگ کیا گیا اور ان کی حفاظت کی گئی۔ یقیناً ایرون کرسی نہیں ہے۔ یہ مختلف لگ رہا تھا۔ اس کے بارے میں کچھ بھی جانا پہچانا نہیں تھا۔ ہو سکتا ہے کہ لفظ 'بد صورت' اصرف 'مختلف' کے لئے ایک پر اکسی تھا۔

مارکیٹ ریسرچ کے ساتھ مسئلہ یہ ہے کہ اکثر یہ اٹھانے کے لئے بہت کچھ تیلی آہے ہوتا ہے۔

برے اور صرف مختلف کے درمیان یہ فرق۔ 1960 کی دہائی کے آخر میں، اسکرین رائٹر نارمن لیسترنے آل ان دی فیملی نامی ایک شو کے لئے ایک ٹیلی ویژن سیٹ کوم پائلٹ تیار کیا۔ یہ اس وقت ٹیلی ویژن پر اس طرح کے کرایوں سے ایک انقلابی انحراف تھا: یہ مزاحیہ اور سیاسی تھا، اور اس نے سماجی مسائل سے نمٹا تھا جن سے اس وقت کا ٹیلی ویژن گریز کرتا تھا۔ لیستر اسے اے بی سی میں لے گیا۔ انہوں نے ہالی ووڈ کے ایک تھیٹر میں احتیاط سے منتخب چار سوناظرین کے سامنے اسے مارکیٹ میں آزمایا تھا۔ ناظرین نے سوالات میں بھرے اور شودیدکھتے ہوئے ایک ڈائل کو "بہت سست"، "بے حس"، "منصفانہ"، "اچھا" اور "بہت اچھا" قرار دیا، جس کے بعد ان کے جوابات کو 1 سے 100 کے درمیان اسکور میں تبدیل کیا گیا۔ ایک ڈرامے کے لئے، ایک اچھا اسکور 60 کی دہائی میں ایک تھا۔ ایک کامیڈی کے لئے، 70 کی دہائی کے وسط میں۔ فیملی کے سبھی لوگوں نے 40 کی دہائی سے کم عمر میں اسکور کیا۔ اے بی سی نے انکار کر دیا۔ لیستر اس شو کو سی بی ایس میں لے گئے۔ انہوں نے اسے اپنے مارکیٹ ریسرچ پروٹوکول کے ذریعے چلا�ا، جسے پروگرام اپنالائزر کہا جاتا ہے، جس میں سامعین کو سرخ اور سبز ہٹن دبانے کی ضرورت ہوتی ہے، جس میں وہ جو شوز دیکھ رہے تھے اس کے تاثرات کو ریکارڈ کرتے ہیں۔ نتائج غیر متأثر کن تھے۔ ریسرچ ڈپارٹمنٹ کی سفارش یہ تھی کہ آرچی بنکر کو ایک نرم مزاج اور پرورش کرنے والے والد کے طور پر دوبارہ لکھا جائے۔ سی بی ایس نے آل ان دی کو فروغ دینے کی زحمت بھی نہیں اٹھائی۔

خاندان اپنے پہلے سیزن سے پہلے۔ کیا بات تھی؟ اس کی واحد وجہ یہ تھی کہ کمپنی کے صدر رابرٹ ووڈ اور پروگرامنگ کے سربراہ فریڈ سلور مین نے اسے پسند کیا اور نیٹ ورک اس وقت اتنا غالب تھا کہ اسے لگا کہ وہ شو میں خطرہ مول لے سکتا ہے۔ اپنے پہلے موسم سے پہلے۔ کیا بات تھی؟ اس کی واحد وجہ یہ تھی کہ کمپنی کے صدر رابرٹ ووڈ اور پروگرامنگ کے سربراہ فریڈ سلور مین نے اسے پسند کیا اور نیٹ ورک اس وقت اتنا غالب تھا کہ اسے لگا کہ وہ شو میں خطرہ مول لے سکتا ہے۔

اسی سال، سی بی ایس ایک نئے کامیڈی شو پر بھی غور کر رہا تھا جس میں میری ٹائلر مور نے اداکاری کی تھی۔ یہ بھی ٹیلی ویژن کے لیے ایک روائی تھی۔ مرکزی کردار، میری رچرڈز، ایک نوجوان، اکیلی عورت تھی جو خاندان شروع کرنے میں دلچسپی نہیں رکھتی تھی۔ جیسا کہ عملی طور پر ہر پچھلی ٹیلی ویژن ہیر وَن تھی۔ بلکہ اپنے کیریئر کو آگے بڑھانے میں دلچسپی رکھتی تھی۔ سی بی ایس نے پہلا شو پروگرام اینالائزر کے ذریعے چلا یا۔ نتائج تباہ کن تھے۔ مریم ایک "شکست خور دہ" تھی۔ ان کی ہمسایہ روڈا مور گنسٹرن "بہت بد تمیز" تھیں اور شو میں ایک اور اہم خاتون کردار، فلیلیس لندسٹروم کو "قابل اعتماد نہیں" کے طور پر دیکھا گیا تھا۔ میری ٹائلر مور شو کے زندہ رہنے کی واحد وجہ یہ تھی کہ جب تک سی بی ایس نے اس کا تجربہ کیا، اس وقت تک یہ نشریات کے لئے پہلے ہی شیدول تھا۔ سیلی بیڈیل اس متھے اپنی سوانح حیات سلوو میں اپ دی ٹیوب میں لکھتی ہیں کہ 'اگر ایم ٹی ایم مھض پاکٹ ہوتا تو اس طرح کے انتہائی منفی تبصرے اسے دفن کر دیتے۔

فیملی اور میری ٹائلر مور شو میں، دوسرے لفظوں میں، ایرون کرسی کے ٹیلی ویژن مساوی تھے۔ ناظرین کا کہنا تھا کہ وہ ان سے نفرت کرتے ہیں۔ لیکن، جتنی جلدی یہ واضح ہو گیا کہ یہ سیٹ کو میں ٹیلی ویژن کی تاریخ کے دو کامیاب ترین پروگراموں میں سے دو بن گئے، ناظرین نے اصل میں ان سے نفرت نہیں کی۔ وہ صرف ان سے حیران تھے۔ اور سی بی ایس میں مارکیٹ کے محققین کی فوجوں کے ذریعہ استعمال کی جانے والی تمام بلی ہوڈ تکنیک ان دو بہت ہی مختلف جذبات کے درمیان فرق کرنے میں مکمل طور پر ناکام رہی ہیں۔

مارکیٹ ریسرچ ہمیشہ غلط نہیں ہے، یقیناً۔ اگر آل ان دی فیملی زیادہ روایتی ہوتی اور اگر ایرون اس سے پہلے آنے والی کرسی پر مھض ایک معمولی تبدیلی ہوتی تو صارفین کے رد عمل کی پیمائش کرنا اتنا مشکل نہ ہوتا۔ لیکن حقیقی طور پر انقلابی مصنوعات یا خیالات کی جانچ کرنا ایک اور معاملہ ہے، اور سب سے زیادہ کامیاب کمپنیاں وہ ہیں جو سمجھتی ہیں کہ ان معاملات میں، ان کے صارفین کے پہلے تاثرات کو تشریح کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہم مارکیٹ ریسرچ کو پسند کرتے ہیں کیونکہ یہ یقین فراہم کرتا ہے۔ ایک اسکور، ایک پیشگوئی۔ اگر کوئی ہم سے پوچھتا ہے

ہم نے یہ فیصلہ کیوں کیا، ہم ایک تعداد کی طرف اشارہ کر سکتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ سب سے اہم فیصلوں کے لئے، کوئی یقین نہیں ہو سکتا ہے۔ کینا نے خراب کار کردگی کا مظاہرہ کیا جب اسے مارکیٹ ریسرچ کا نشانہ بنایا گیا۔ لیکن پھر کیا؟ ان کی مو سیقی نئی اور مختلف تھی، اور یہ نیا اور مختلف ہے جو ہمیشہ مارکیٹ کی تحقیق کے لئے سب سے زیادہ کمزور ہوتا ہے۔

5. مہارت کا تحفہ موسم گرم کے ایک روشن دن، میں نے دونوں خواتین کے ساتھ دوپھر کا کھانا کھایا جو نیوجرسی میں سنسری سپیکٹرم نامی ایک کمپنی چلاتی ہیں۔ ان کے نام گیل و نیس سول اور جوڈی، ہیلیون ہیں، اور وہ گزر بسر کے لئے کھانے کا ذائقہ چکھتے ہیں۔ مثال کے طور پر، اگر فریبو-لی کے پاس ایک نئی قسم کی ٹورٹیلا چپ ہے تو، انہیں یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ ان کا چپ پروٹو ٹائپ ٹورٹیلا چپ پیٹھیوں میں کھاں فٹ بیٹھتا ہے: یہ ان کی دیگر ڈوریٹو اقسام سے کتنا مختلف ہے؟ یہ کیپ کوڈ ٹورٹیلا چپس سے کس طرح موازنہ کرتا ہے؟ کیا انہیں تھوڑا سا نمک شامل کرنے کی ضرورت ہے؟ سول اور ہیلیون وہ لوگ ہیں جن کو وہ اپنی چپس بھیجتے ہیں۔

پیشہ ورانہ کھانے کے ذائقہ لینے والوں کے ساتھ دوپھر کا کھانا، یقیناً، ایک مشکل تجویز ہے۔ بہت سوچ بچار کے بعد میں نے میں ہیٹھن کے مرکزی علاقے میں لی مادری نامی ایک ریستوراں کا فیصلہ کیا، جو اس طرح کی جگہ ہے جہاں روزانہ کی خصوصی چیزوں کی فہرست پڑھنے میں پانچ منٹ لگتے ہیں۔ جب میں وہاں پہنچا تو، ہیلیون اور سو لے بیٹھے ہوئے تھے، کاروباری سوٹ میں ملبوس دو اسٹائلش پیشہ ورانہ تین۔ وہ پہلے ہی ویٹر سے بات کر چکے تھے۔ سول نے مجھے یادوں کی خاص باتیں بتائیں۔ واضح طور پر دوپھر کے کھانے کے انتخاب میں بہت سوچ بچار کی گئی۔ ہیلیون نے پاستا پر سکونت اختیار کی اور اس کے بعد سیلری اور پیاز کے چھڑکاؤ کے ساتھ بھنے ہوئے کدو چاؤ ڈر کا استعمال کیا، جسے کریم فرتیچے اور بیکن بریڈ کرین بیری پھلیوں کے ساتھ تیار کیا گیا جو کدو، تلی ہوئی سسج اور ٹو سٹڈ کدو کے بیجوں سے سجائی گئی تھیں۔ سولے نے سلااد کھایا، اس کے بعد پرنس ایڈ ورڈ آئی لینڈ مسلز اور منیلا کلیمز کے ساتھ ریسوٹو

کھایا، جسے اسکو نہ سیاہی کے ساتھ ختم کیا گیا۔ (لی مدرسی میں نایاب وہ پکوان ہے جو کسی طرح سے "ختم" نہیں ہوتا ہے یا کسی قسم کی "کمی" سے سجا ہوا ہوتا ہے۔ جب ہم نے حکم دیا تو ویٹر اپنے سوپ کے لیے ایک چمچہ، ہیلمون لے کر آیا۔ سول نے اپنا ہاتھ دوسرے کے لیے اٹھایا۔ "ہم سب کچھ شیر کرتے ہیں،" اس نے اسے بتایا۔

ہیلمون نے کہا، "جب ہم حسی لوگوں کے ایک گروپ کے ساتھ باہر جاتے ہیں تو آپ کو ہمیں دیکھنا چاہئے۔" ہم اپنی روٹی کی پلیٹیں لیتے ہیں اور انہیں چاروں طرف منتقل کرتے ہیں۔ آپ کو جو کچھ واپس ملتا ہے وہ آپ کا آدھا کھانا ہے اور باقی سب کا تھوڑا سا۔

سوپ آگیا۔ ان دونوں نے کھدائی کی۔ "اوہ، یہ شاندار ہے،" سول نے کہا اور اپنی آنکھیں آسمان کی طرف ڈال دیں۔ اس نے اپنا چمچہ مجھے تھما دیا۔ "اس کا مزہ چکھو۔" ہیلمون اور سولے دونوں نے چھوٹے، فوری کامٹنے کے ساتھ کھانا کھایا، اور جب وہ کھاتے تھے تو وہ پرانے دوستوں کی طرح ایک دوسرے کو روکتے ہوئے بات کرتے تھے، ایک موضوع سے دوسرے موضوع پر چھلانگ لگاتے تھے۔ وہ بہت مضکلہ خیز تھے اور بات کرتے تھے بہت جلدی۔ لیکن بات چیت نے کھانے کو کبھی متاثر نہیں کیا۔ اس کے برعکس سچ تھا: ایسا لگتا تھا کہ وہ صرف اگلے کامٹنے کے بارے میں اپنی توقعات کو بڑھانے کے لئے بات کر رہے تھے، اور جب اگلا کاشنا آیا، تو ان کے چہرے مکمل طور پر جذب ہو گئے۔ ہیلمون اور سول صرف کھانے کا ذائقہ نہیں لیتے ہیں۔ وہ کھانے کے بارے میں سوچتے ہیں۔ وہ کھانے کے خواب دیکھتے ہیں۔ ان کے ساتھ دوپھر کا کھانا کھانے کا مطلب یو یوما کے ساتھ سیلوشاپنگ پر جانا یا ایک صبح جیور جیوارمانی کو چھوڑنا ہے جب وہ فیصلہ کر رہے ہیں کہ کیا پہنانا ہے۔ سولے نے کہا کہ 'میرے شوہر کا کہنا ہے کہ میرے ساتھ رہنا ایک منٹ کے سفر کی طرح ہے۔" یہ میرے خاندان کے سبھی لوگوں کو پاگل کر دیتا ہے۔ اس کے بارے میں بات کرنا بند کرو! کیا آپ فلم کے ڈیلی کا وہ منظر جانتے ہیں جب ہیری نے سیلی سے ملاقات کی تھی؟ کھانے کے بارے میں مجھے ایسا ہی محسوس ہوتا ہے جب یہ واقعی اچھا ہوتا ہے۔ اگلے کامٹنے کے بارے میں ان کی توقعات کو بڑھانے کے لیے، اور جب اگلا کاشنا آتا ہے، تو ان کے چہروں پر مکمل طور پر جذب

ہونے کی جھلک نظر آتی ہے۔ مسلمون اور رسول صرف کھانے کا ذائقہ نہیں لیتے ہیں۔ وہ کھانے کے بارے میں سوچتے ہیں۔ وہ کھانے کے خواب دیکھتے ہیں۔ ان کے ساتھ دوپہر کا کھانا کھانے کا مطلب یو یوما کے ساتھ سیلو شاپنگ پر جانا یا ایک صحیح جیوارمانی کو چھوڑنا ہے جب وہ فیصلہ کر رہے ہیں کہ کیا پہنانا ہے۔ سولے نے کہا کہ 'میرے شوہر کا کہنا ہے کہ میرے ساتھ رہنا ایک منٹ کے سفر کی طرح ہے۔" یہ میرے خاندان کے سبھی لوگوں کو پاگل کر دیتا ہے۔ روکنا

اس کے بارے میں بات کر رہے ہیں! کیا آپ فلم کے ڈیلی کاؤنٹر منظر جانتے ہیں جب ہیری نے سلی سے ملاقات کی تھی؟ جب یہ واقعی اچھا ہوتا ہے تو میں کھانے کے بارے میں یہی محسوس کرتا ہوں۔

ویٹر مٹھائی پیش کرنے آیا: کریم بروی، آم اور چاکلیٹ شربت، یا اسٹر ابیری زعفران اور میٹھے مکئی و نیلا جیلاٹو۔ ہیلمون کے پاس و نیلا جیلاٹو اور آم کا شربت تھا لیکن اس سے پہلے کہ وہ کریم بروی کے بارے میں سخت سوچے۔ انہوں نے کہا، "کریم بروی کسی بھی ریستوراں کا امتحان ہے۔" یہ و نیلا کے معیار پر آتا ہے۔ مجھے اپنے کریم بروی میں ملاوٹ پسند نہیں ہے، کیونکہ پھر آپ اجزاء کے معیار کے مطابق ذاتِ قدر نہیں لے سکتے ہیں۔ "سول کے لیے ایک ایسپریسو آیا۔ جیسے ہی اس نے اپنا پہلا گھونٹ پیا، اس کے چہرے پر ایک ناقابل فہم مسکراہٹ پھیل گئی۔" یہ اچھا ہے، اچھا نہیں، "اس نے کہا۔" یہ پوری شراب کی ساخت سے محروم ہے۔ یہ تھوڑا سا زیادہ لکڑی کا ہے۔

اس کے بعد، ہیلمون نے "ری ورک" کے بارے میں بات کرنا شروع کر دی، جو کچھ فوڈ فیکٹریوں میں ایک پروڈکٹ نیچ سے دوسرے پروڈکٹ نیچ میں نجج جانے والے یا مسترد شدہ اجزاء کو ری سائیکل کرنے کا رواج ہے۔ "مجھے کچھ کو کیز اور کر کر دے دو،" انہوں نے کہا، "اور میں آپ کونہ صرف یہ بتا سکتی ہوں کہ وہ کس فیکٹری سے آئے تھے، بلکہ وہ کس کام کا استعمال کر رہے تھے۔ سول نے چھلانگ لگا دی۔ انہوں نے کہا کہ ابھی پچھلی رات ہی انہوں نے دو کو کیز کھائی تھیں اور یہاں انہوں نے دو معروف برانڈز کا نام لیا تھا۔" میں دوبارہ کام کا مزہ کچھ سکتی تھی،" اس نے کہا اور ایک اور چہرہ بنایا۔ "ہم نے ان مہارتوں کو فروغ دینے میں سالوں اور سالوں صرف کیے ہیں،" انہوں نے آگے کہا۔ "بیس سال۔ یہ طبی تربیت کی طرح ہے۔ آپ اپنی انٹرن شپ کرتے ہیں، اور پھر آپ رہائشی بن جاتے ہیں۔ اور آپ یہ کرتے ہیں اور اسے اس وقت تک کرتے ہیں جب تک کہ آپ کسی چیز کو دیکھ کر بہت معروضی انداز میں نہ کہہ سکیں کہ یہ کتنا میٹھا ہے، کتنا کڑوا ہے، یہ کتنا کار ملائیزڈ ہے، اس میں کتنا تریش کردار ہے۔ اور سٹریس کے لحاظ سے، اتنا لیموں، اتنا چونا، اتنا انگور، اتنا نارنگی۔"

دوسرے لفظوں میں، ہیلمن اور رسول ماہرین ہیں۔ کیا انہیں پیسپی چیلنج سے بیو تو ف بنایا جائے گا؟ بالکل نہیں۔ نہ، ہی وہ کہ سچن برادرز کی پیکینگ سے گمراہ ہوں گے، یا کسی ایسی چیز کے درمیان فرق سے آسانی سے الجھن میں پڑ جائیں گے جو وہ واقعی پسند نہیں کرتے ہیں اور جس چیز کو وہ غیر معمولی سمجھتے ہیں۔ ان کی مہارت کا تحفہ یہ ہے کہ یہ انہیں اپنے لاشمور کے بند دروازے کے پیچھے کیا ہوتا ہے اس کی بہتر تفہیم حاصل کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ یہ کینا کی کہانی کا آخری اور سب سے اہم سبق ہے، کیونکہ یہ وضاحت کرتا ہے کہ انڈسٹری کے اندر وہ افراد، روکسی میں ہجوم اور ایم ٹی ڈی 2 کے ناظرین کے پروجئیس ریسٹریکٹ کے نتائج کو اتنا زیادہ ترجیح دینا اتنی غلطی کیوں تھی۔ ماہرین کے پہلے تاثرات مختلف ہیں۔ اس سے میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ ماہرین ہم میں سے باقی لوگوں کے مقابلے میں مختلف چیزوں کو پسند کرتے ہیں۔ حالانکہ اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے۔ جب ہم کسی چیز میں ماہر ہو جاتے ہیں، تو ہمارے ذائقے زیادہ مخفی اور پیچیدہ ہو جاتے ہیں۔ میرا مطلب یہ ہے کہ یہ صرف ماہرین ہیں جو اپنے رد عمل کا قابل اعتماد طور پر حساب دینے کے قابل ہیں۔

جونا تھن اسکولر، جسے میں نے پچھلے باب میں متعارف کرایا تھا۔ نے ایک بار ٹمو تھی ولسن کے ساتھ ایک تجربہ کیا جو اس فرق کو خوبصورتی سے بیان کرتا ہے۔ اس میں اسٹر ابیری جام شامل تھا۔ کنزیو مر رپورٹ نے کھانے کے ماہرین کا ایک پینل اکٹھا کیا اور انہیں ساخت اور ذائقے کے انتہائی مخصوص اقدامات کے مطابق اوپر سے نیچے تک اسٹر ابیری جام کے چوالیس مختلف برانڈز کی درجہ بندی کی۔ ولسن اور اسکولرنے پہلی، گیارہویں، چوبیسویں، بیسویں اور چوالیس ویں درجہ بندی والے جیمز نوٹ کے بیری فارم، الفابیٹا، فیدرویٹ، ایکٹنی اور سورل رج کو لیا اور انہیں کالج کے طالب علموں کے ایک گروپ کو دے دیا۔ ان کا سوال یہ تھا کہ طلبہ کی درجہ بندی ماہرین کے کتنے قریب آئے گی؟ جواب ہے، بہت قریب۔ طالب علموں نے نوٹ کے بیری فارم کو دوسرے اور الفابیٹا کو پہلے نمبر پر رکھا (پہلے دو جام کے ترتیب کو الٹ دیا)۔ ماہرین اور طلبہ دونوں نے اس بات پر اتفاق کیا کہ فیدرویٹ تیسرے نمبر پر ہے۔ اور، ماہرین کی طرح، طالب علموں کا خیال تھا کہ ایکمے اور سورل رج دوسروں سے واضح طور پر

کم تر ہیں، حالانکہ ماہرین کا خیال تھا کہ

سوریل رج یکنے سے بھی بدتر تھا، جبکہ طالب علموں کے پاس اس کے بر عکس آرڈر تھا۔ سائنس دان اس بات کی پیمائش کرنے کے لئے باہمی تعلق نامی چیز کا استعمال کرتے ہیں کہ ایک عنصر دوسرے عنصر کی کتنی قریب سے پیش گوئی کرتا ہے، اور مجموعی طور پر، طلباء کی درجہ بندی ماہرین کی درجہ بندی کے ساتھ 55 سے منسلک ہے، جو کافی زیادہ باہمی تعلق ہے۔ دوسرے لفظوں میں، یہ کہتا ہے کہ ہمارے جام رد عمل کافی اچھے ہیں: یہاں تک کہ ہم میں سے جو جام کے ماہر نہیں ہیں وہ بھی اچھا جام جانتے ہیں جب ہم اس کا ذائقہ لیتے ہیں۔

لیکن اگر میں آپ کو ایک سوالنامہ دوں اور آپ سے ایک جام کو دوسرے پر ترجیح دینے کی وجوہات بیان کرنے کے لئے کہوں تو کیا ہو گا؟ آفت۔ ولسن اور اسکولرنے طالب علموں کا ایک اور گروپ اپنی درجہ بندی کے لئے تحریری وضاحت فراہم کی، اور انہوں نے ماہرین کے مطابق نوٹ کے بیری فارم کو دوسرے سے آخری اور سوریل رج، ماہرین کے بدترین جام، تیسرے نمبر پر رکھا۔ مجموعی طور پر باہمی تعلق اب 11 تک گر گیا تھا، جس کا مطلب ہے کہ تمام ارادوں اور مقاصد کے لئے طلباء کی تشخیص کا ماہرین کی تشخیص سے کوئی لینا دینا نہیں تھا۔ یہ اسکولر کے تجربات کی یاددالاتا ہے جو میں نے وان روپر کی کہانی میں بیان کیا تھا، جس میں خود اعتمادی نے لوگوں کی بصیرت کے مسائل کو حل کرنے کی صلاحیت کو تباہ کر دیا تھا۔ لوگوں کو جام کے بارے میں سوچنے پر مجبور کر کے ولسن اور اسکولرنے انہیں جام بیو قوف بنادیا۔

تاہم، پچھلی بحث میں، میں ان چیزوں کا حوالہ دے رہا تھا جو مسائل کو حل کرنے کی ہماری صلاحیت کو منتاثر کرتی ہیں۔ اب میں اس سے کہیں زیادہ بنیادی صلاحیت کے نقصان کے بارے میں بات کر رہا ہوں، یعنی ہمارے اپنے ذہن کو جاننے کی صلاحیت۔ مزید برآں، اس معاملے میں ہمارے پاس اس بارے میں زیادہ واضح وضاحت ہے کہ کیوں خود اعتمادی ہمارے رد عمل کو خراب کرتی ہے۔ یہ ہے کہ ہمارے پاس جام کے بارے میں اپنے احساسات کی وضاحت کرنے کا کوئی طریقہ نہیں ہے۔ ہم لا شوری طور پر جانتے ہیں کہ اچھا جام کیا ہے: یہ نوٹ کا بیری فارم

ہے۔ لیکن اچانک ہم سے کہا جاتا ہے کہ شرائط کی ایک فہرست کے مطابق، ہم ایسا کیوں سوچتے ہیں، اور شرائط ہمارے لئے بے معنی ہیں۔ مثال کے طور پر، ساخت۔ اس کا کیا مطلب ہے؟ ہو سکتا ہے کہ ہم نے پہلے کبھی کسی جام کی ساخت کے بارے میں نہ سوچا ہو، اور ہم یقینی طور پر یہ نہیں سمجھتے ہیں کہ ساخت کا مطلب کیا ہے، اور ساخت ایسی چیز ہو سکتی ہے جس کے بارے میں ہم، گہری سطح پر، خاص طور پر پرواہ نہیں کرتے ہیں۔ لیکن اب ساخت کا خیال ہمارے ذہن میں پیدا ہو چکا ہے، اور ہم اس کے بارے میں سوچتے ہیں اور فیصلہ کرتے ہیں کہ، ٹھیک ہے، ساخت تھوڑی عجیب لگتی ہے، اور حقیقت میں شاید ہمیں یہ جام پسند نہیں ہے۔ جیسا کہ ولسن کہتے ہیں، ہوتا یہ ہے کہ ہم کسی چیز کو کیوں پسند یا ناپسند کر سکتے ہیں، اس کی معقول وجہ کے ساتھ آتے ہیں، اور پھر ہم اپنی حقیقی ترجیح کو اس قابل قبول وجہ کے مطابق ایڈ جسٹ کرتے ہیں۔ میں ایک بہت زیادہ بنیادی صلاحیت کے نقصان کے بارے میں بات کر رہا ہوں، یعنی ہمارے اپنے ذہن کو جاننے کی صلاحیت۔ مزید برآں، اس معاملے میں ہمارے پاس اس بارے میں زیادہ واضح وضاحت ہے کہ کیوں خود اعتمادی ہمارے رد عمل کو خراب کرتی ہے۔ یہ ہے کہ ہمارے پاس جام کے بارے میں اپنے احساسات کی وضاحت کرنے کا کوئی طریقہ نہیں ہے۔ ہم لاشعوری طور پر جانتے ہیں کہ اچھا جام کیا ہے: یہ نوٹ کا بیری فارم ہے۔ لیکن اچانک ہم سے کہا جاتا ہے کہ شرائط کی ایک فہرست کے مطابق، ہم ایسا کیوں سوچتے ہیں، اور شرائط ہمارے لئے بے معنی ہیں۔ مثال کے طور پر، ساخت۔ اس کا کیا مطلب ہے؟ ہو سکتا ہے کہ ہم نے پہلے کبھی کسی جام کی ساخت کے بارے میں نہ سوچا ہو، اور ہم یقینی طور پر یہ نہیں سمجھتے ہیں کہ ساخت کا مطلب کیا ہے، اور ساخت ایسی چیز ہو سکتی ہے جس کے بارے میں ہم، گہری سطح پر، خاص طور پر پرواہ نہیں کرتے ہیں۔ لیکن اب ساخت کا خیال ہمارے ذہن میں پیدا ہو چکا ہے، اور ہم اس کے بارے میں سوچتے ہیں اور فیصلہ کرتے ہیں کہ، ٹھیک ہے، ساخت تھوڑی عجیب لگتی ہے، اور حقیقت میں شاید ہمیں یہ جام پسند نہیں ہے۔ جیسا کہ ولسن کہتے ہیں، ہوتا یہ ہے کہ ہم کسی چیز کو کیوں پسند یا ناپسند کر سکتے ہیں، اس کی معقول وجہ کے ساتھ آتے ہیں، اور پھر ہم اپنی حقیقی ترجیح کو اس قابل قبول وجہ کے مطابق ایڈ جسٹ کرتے ہیں۔

تاہم، جام کے ماہرین کو جام کے بارے میں اپنے احساسات کی وضاحت کرنے میں ایک ہی مسئلہ نہیں ہے۔ ماہر کھانے کا ذائقہ لینے والوں کو ایک بہت ہی مخصوص الفاظ سکھائے جاتے ہیں، جو انہیں مخصوص کھانوں پر اپنے رد عمل کو واضح طور پر بیان کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ مثال کے طور پر، مايونیز کو ظاہری شکل کے چھ طول و عرض (رنگ، رنگ کی شدت، کروم، چمک، لمپنیس، کے ساتھ جانچا جانا چاہئے،

اور بلبلے)، ساخت کی دس جہتیں (ہونٹوں سے چپکنا، مضبوطی، گھنپن، وغیرہ) اور ذاتی کی چودہ جہتیں، جو تین ذیلی گروہوں میں تقسیم ہوتی ہیں۔ خوشبویات (انڈے، سرسوں، وغیرہ)؛ بنیادی ذاتی (نمکین، کھٹا اور میٹھا)؛ اور کیمیائی احساس کے عوامل (جلنے، تیز، سخت)۔ ان عوامل میں سے ہر ایک کا 15 نکاتی پیمانے پر جائزہ لیا جاتا ہے۔ لہذا، مثال کے طور پر، اگر ہم کسی چیز کی زبانی ساخت کو بیان کرنا چاہتے ہیں تو، ایک خصوصیت جسے ہم دیکھیں گے وہ پھسلن ہے۔ اور 15 نکاتی پھسلن کے پیمانے پر، جہاں 0 بالکل پھسلن والا نہیں ہے اور 15 بہت پھسلن والا ہے، گر بر کا بیف اور بیف گریوی بچے کا کھانا 2 ہے، وٹنی کا ونیلا دہی 7.5 ہے، اور میر کل وہ پ 13 ہے۔ اگر آپ کسی ایسی چیز کا ذاتیہ چکھتے ہیں جو مجذہ وہ پ کی طرح پھسلن والی نہیں ہے لیکن وٹنی کے ونیلا دہی سے زیادہ پھسلن والی ہے تو، آپ اسے 10 دے سکتے ہیں۔ یا کرپسی لیں۔ کوئی کم چربی والے چیزوں چاکلیٹ چنک گرینولا بارز 2، کیبلر کلب پار ٹنرز کریکر ز 5 اور کیلوگ کے کارن فلکس 14 ہیں۔ سپر مارکیٹ میں موجود ہر مصنوعات کا تجزیہ ان خطوط پر کیا جاسکتا ہے، اور ایک ٹیسٹر کے سالوں تک ان پیمانوں کے ساتھ کام کرنے کے بعد، وہ ذاتیہ لینے والے کے لاشور میں سراحت کر جاتے ہیں۔ سیلمون نے کہا، "ہم نے صرف اور یوس کیا، اور ہم نے انہیں ظاہری شکل، ذاتیہ اور ساخت کی نوے خصوصیات میں توڑ دیا۔ وہ رک گئی، اور میں بتا سکتا تھا کہ وہ اپنے ذہن میں دوبارہ تخلیق کر رہی تھی کہ اور یو کیسا محسوس ہوتا ہے۔" یہ پتہ چلا ہے کہ گیارہ خصوصیات ہیں جو شاید اہم ہیں۔"

ہمارے لاشوری رد عمل ایک بند کمرے سے نکلتے ہیں، اور ہم اس کمرے کے اندر نہیں دیکھ سکتے۔ لیکن تجربے کے ساتھ ہم اپنے طرز عمل اور اپنی تربیت کو استعمال کرنے میں ماہر بن جاتے ہیں تاکہ ہمارے فوری فیصلوں اور پہلے تاثرات کے پچھے کیا پوشیدہ ہے۔ یہ بالکل اسی طرح ہے جو لوگ نفسیاتی تجزیہ میں ہوتے ہیں: وہ تربیت یافتہ تھراپسٹ کی مدد سے اپنے لاشور کا تجزیہ کرنے میں سالوں گزارتے ہیں جب تک کہ انہیں احساس نہ ہو کہ ان کا دماغ کس طرح کام کرتا ہے۔ سیلمون اور سول نے ایک ہی کام کیا ہے۔ صرف انہوں نے اپنے جذبات کا نفسیاتی

تجزیہ نہیں کیا ہے۔ انہوں نے میونیز اور اریو کو کیز کے لئے اپنے احساسات کا نفسیاتی تجزیہ کیا ہے۔

تمام ماہرین رسمی یا غیر رسمی طور پر ایسا کرتے ہیں۔ گومین جوڑوں کے بارے میں اپنے فطری رد عمل سے خوش نہیں تھا۔ لہذا اس نے ہزاروں مردوں اور عورتوں کی ویڈیو بنائی، ٹیپ کے ہر سینٹ کو توڑا اور کمپیوٹر کے ذریعے ڈیٹا چلایا اور اب وہ ایک ریستوراں میں ایک جوڑے کے بغل میں بیٹھ کر اعتماد کے ساتھ ان کی شادی کو باریک کر سکتا ہے۔ ٹینس کوچ ویک بریڈن اس حقیقت سے مایوس تھے کہ وہ جانتے تھے کہ کب کوئی ڈبل غلطی کرنے والا ہے لیکن وہ نہیں جانتے تھے کہ وہ کیسے جانتے ہیں۔ اب وہ بائیو میکانکس کے کچھ ماہرین کے ساتھ مل کر کام کر رہے ہیں جو پیشہ ور ٹینس کھلاڑیوں کو خدمات انجام دینے کے عمل میں فلم اور ڈیجیٹل تجزیہ کرنے جا رہے ہیں تاکہ وہ یہ معلوم کر سکیں کہ کھلاڑیوں کی ڈیلویوری میں کیا ہے جو بریڈن لا شعوری طور پر اٹھا رہا ہے۔ اور تھامس ہوونگ کو ان ابتدائی دو سینٹوں میں اتنا لقین کیوں تھا کہ گیٹی کوروس جعلی تھا؟ کیونکہ، اپنی زندگی کے دوران، انہوں نے ان گنت قدیم مجسموں کا تجربہ کیا تھا اور اس پہلے تاثر کو سمجھنا اور اس کی تشریح کرنا سیکھا تھا جو اس کے ذہن میں آیا تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ انیویارک میں میٹرو پولیٹن میوزیم آف آرٹ (میٹ) میں کام کرنے کے دوسرے سال میں میری خوش قسمتی رہی کہ اس پورپی کیوریٹر نے میرے ساتھ آکر تقریباً ہر چیز کا سامنا کیا۔ "ہم نے شام کے بعد چیزوں کو معاملوں سے باہر نکالنے اور انہیں میز پر رکھنے میں گزارا۔ ہم اسٹور روم میں تھے۔ ہزاروں چیزوں تھیں۔ میرا مطلب ہے، ہم ہر رات دس بجے تک وہاں موجود تھے، اور یہ صرف ایک معمول کی نظر نہیں تھی۔ یہ واقعی چیزوں پر چھڑ کا و اور چھڑ کا و تھا۔ وہ ان راتوں میں سٹور روم میں جو کچھ بنارہا تھا، وہ اس کے لا شعور میں ایک طرح کا ڈیٹا بیس تھا۔ وہ سیکھ رہا تھا کہ کسی شے کے بارے میں اس کے احساس کو اس کے انداز، پس منظر اور قدر کے بارے میں رسمی طور پر سمجھا جانے والا احساس کیسے ملایا جائے۔ جب بھی ہمارے پاس کوئی ایسی چیز ہوتی ہے جس میں ہم اچھے ہوتے ہیں جس کی ہم پرواہ کرتے ہیں تو وہ تجربہ اور جذبہ بنیادی طور پر ہمارے پہلے تاثرات کی نوعیت کو تبدیل کر دیتا ہے۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جب ہم اپنے جذبے اور تجربے کے علاقوں سے باہر ہوتے ہیں تو ہمارے رد عمل ہوتے ہیں۔

ہمیشہ غلط ہے۔ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ وہ اوچھے ہیں۔ ان کی وضاحت کرنا مشکل ہے اور آسانی سے خلل پڑتا ہے۔ وہ حقیقی تفہیم پر مبنی نہیں ہیں۔ مثال کے طور پر، کیا آپ کو لگتا ہے کہ آپ کوک اور پیپسی کے درمیان فرق کو درست طور پر بیان کر سکتے ہیں؟ یہ واقعی حیرت انگیز طور پر مشکل ہے۔ سول اور ہیلیون جیسے کھانے کا ذائقہ لینے والے ایک ہی زمرے میں مصنوعات کا موازنہ کرنے کے لئے ڈی اوڈی (ڈگری آف ڈیفرنس) اسکیل کا استعمال کرتے ہیں۔ یہ 0 سے 10 تک جاتا ہے، جہاں 10 دو چیزوں کے لئے ہے جو مکمل طور پر مختلف ہیں اور 1 یا 2 صرف ایک ہی مصنوعات کے دو بیچوں کے درمیان پیداوار کی حد کے فرق کی وضاحت کر سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر، وائز اور لی کے نمک اور سر کہ آلو چسپ میں 8 کا ڈی اوڈی ہوتا ہے۔ "اوہم گوڈ، وہ بہت مختلف ہیں،" ہیلیون کہتے ہیں۔ "عقل مند اندھیرا ہے، اور لی کارنگ یکساں اور ہلکا ہے۔" 5 یا 6 کے ڈی اوڈی والی چیزیں بہت قریب ہیں لیکن پھر بھی الگ بتانا ممکن ہے۔ کوک اور پیپسی، اگرچہ، صرف 4 ہیں، اور کچھ معاملات میں فرق اس سے بھی کم ہو سکتا ہے، خاص طور پر اگر کولا کی عمر تھوڑی زیادہ ہو گئی ہو اور کار بنیشن کی سطح کم ہو گئی ہو اور ونیلا تھوڑا زیادہ واضح اور پروپنی بن گیا ہو۔ حقیقی تفہیم پر مبنی نہیں ہیں۔ مثال کے طور پر، کیا آپ کو لگتا ہے کہ آپ کوک اور پیپسی کے درمیان فرق کو درست طور پر بیان کر سکتے ہیں؟ یہ واقعی حیرت انگیز طور پر مشکل ہے۔ سول اور ہیلیون جیسے کھانے کا ذائقہ لینے والے ایک ہی زمرے میں مصنوعات کا موازنہ کرنے کے لئے ڈی اوڈی (ڈگری آف فرق) اسکیل کا استعمال کرتے ہیں۔ یہ 0 سے 10 تک جاتا ہے، جہاں 10 دو چیزوں کے لئے ہے جو مکمل طور پر مختلف ہیں اور 1 یا 2 صرف ایک ہی مصنوعات کے دو بیچوں کے درمیان پیداوار کی حد کے فرق کی وضاحت کر سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر، وائز اور لی کے نمک اور سر کہ آلو چسپ میں 8 کا ڈی اوڈی ہوتا ہے۔ "اوہم گوڈ، وہ بہت مختلف ہیں،"

ہیلمون کہتے ہیں۔ "عقل مند اندھیرا ہے، اور لی کارنگ یکساں اور ہلکا ہے۔" 5 یا 6 کے ڈی او ڈی والی چیزیں بہت قریب ہیں لیکن پھر بھی الگ بتانا ممکن ہے۔ کوک اور پیپسی، اگرچہ، صرف 4 ہیں، اور کچھ معاملات میں فرق اس سے بھی کم ہو سکتا ہے، خاص طور پر اگر کولا کی عمر تھوڑی زیادہ ہو گئی ہو اور کاربنیشن کی سطح کم ہو گئی ہو اور ونیلا تھوڑا زیادہ واضح اور پروپنی بن گیا ہو۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ہمیں کوک اور پیپسی کے بارے میں اپنے خیالات دینے کے لئے کہا جائے تو، ہمارے زیادہ تر جوابات بہت مفید نہیں ہوں گے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہمیں یہ پسند ہے یا نہیں۔ ہم کاربنیشن یا ذائقہ یا مٹھاں اور کھٹائی کی سطح کے بارے میں کچھ مبہم اور عام تبصرے کر سکتے ہیں۔ لیکن 4 کے ڈی او ڈی کے ساتھ، صرف کولا میں تعلیم حاصل کرنے والا کوئی شخص ہی ہر سافت ڈرنک کو الگ کرنے والی باریک باریکیوں کو جاننے کے قابل ہو گا۔

میں تصور کرتا ہوں کہ آپ میں سے کچھ، خاص طور پر وہ لوگ جو ڈائی ہارڈ کولا پیتے ہیں، اس موقع پر پریشان ہو رہے ہیں۔ میں تھوڑا سا تو ہیں کر رہا ہوں۔ آپ کو لگتا ہے کہ آپ واقعی پیپسی اور کوک کے ارد گرد اپناراستہ جانتے ہیں۔ ٹھیک ہے، آئیے تسلیم کرتے ہیں کہ آپ پیپسی سے کوک کو قابل اعتماد طریقے سے بتا سکتے ہیں، یہاں تک کہ جب ڈی او ڈی 4 کے آس پاس ہوتا ہے۔ در حقیقت، میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ اپنے آپ کو آزمائیں۔ کسی دوست کو ایک گلاں میں پیپسی اور دوسرے گلاں میں کوک ڈالیں اور انہیں الگ الگ بتانے کی کوشش کریں۔ فرض کریں کہ آپ کامیاب ہیں۔ مبارک ہو۔ اب آئیے تھوڑا سا مختلف شکل میں دوبارہ ٹیسٹ کی کوشش کریں۔ اس بار آپ کے ٹیسٹر آپ کو تین گلاں دیں گے، جن میں سے دو کولا میں سے ایک سے بھرے ہوئے ہیں اور تیسرا دوسرے سے بھرے ہوئے ہیں۔ مشروبات کے کاروبار میں، اسے مثلث ٹیسٹ کہا جاتا ہے۔ اس بار، میں نہیں چاہتا کہ آپ شناخت کریں کہ کون سا کوک ہے اور کون سا پیپسی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ

آپ صرف یہ کہیں کہ تین مشروبات میں سے کون سادوسرے دو مشروبات کی طرح نہیں ہے۔ یقین کریں یا نہ کریں، آپ کو یہ کام ناقابل یقین حد تک مشکل لگے گا۔ اگر ایک ہزار افراد اس ٹیکسٹ کو آزمائیں تو صرف ایک تہائی سے زیادہ لوگ صحیح اندازہ لگائیں گے۔ جو موقع سے کہیں زیادہ بہتر نہیں ہے۔ ہم بھی صرف اندازہ لگاسکتے ہیں۔

جب میں نے پہلی بار مثلث ٹیکسٹ کے بارے میں سنا، تو میں نے اپنے دوستوں کے ایک گروپ پر اسے آذانے کا فیصلہ کیا۔ ان میں سے کسی نے بھی اسے صحیح نہیں سمجھا۔ یہ سب اچھی طرح سے تعلیم یافتہ، سوچنے والے لوگ تھے، جن میں سے زیادہ تر باقاعدگی سے کو لاپینے والے تھے، اور انہیں یقین نہیں آ رہا تھا کہ کیا ہوا تھا۔ وہ اوپر نیچے کو دپڑے۔

انہوں نے مجھ پر دھوکہ دینے کا الزام لگایا۔ انہوں نے دلیل دی کہ مقامی پیپسی اور کوک بو تلوں کے بارے میں کچھ مضنکہ خیز ضرور ہوا ہو گا۔ ان کا کہنا تھا کہ میں نے ان کے لیے مزید مشکل بنانے کے لیے تینوں شیشوں کے آڑوں میں ہیرا پھیری کی تھی۔ ان میں سے کوئی بھی سچائی کو تسلیم نہیں کرنا چاہتا تھا: کولاکے بارے میں ان کا علم ناقابل یقین حد تک کم تھا۔ دو کولاکے ساتھ، ہمیں صرف دو پہلے تاثرات کا موازنہ کرنا ہے۔ لیکن تین گلاسوں کے ساتھ، ہمیں پہلے اور پھر دوسرے کولاکے ذات کو اپنی یادداشت میں بیان کرنے اور برقرار رکھنے کے قابل ہونا ہو گا اور کسی طرح، اگرچہ مختصر طور پر، ایک عارضی حسی احساس کو کسی مستقل چیز میں تبدیل کرنا ہو گا۔ اور ایسا کرنے کے لئے ذات کے الفاظ کے علم اور تفہیم کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہیلمون اور سولے اڑتے ہوئے رنگوں کے ساتھ مثلث کا امتحان پاس کر سکتے ہیں، کیونکہ ان کا علم ان کے پہلے تاثرات فراہم کرتا ہے۔ میرے دوست اتنے خوش قسمت نہیں تھے۔ وہ بہت زیادہ کولاپی سکتے ہیں، لیکن وہ کبھی بھی کولاکے بارے میں نہیں سوچتے ہیں۔ وہ کولاکے ماہر نہیں ہیں، اور انہیں مجبور کرنا کہ وہ ان میں سے بہت زیادہ پوچھیں۔ ان کے رد عمل کو پیکار بنادیتا ہے۔

کیا کینا کے ساتھ ایسا ہی نہیں ہوا؟

6. "ریکارڈ کمپنیاں آپ کے ساتھ کیا کر رہی ہیں" سالوں کے آغاز اور اختتام کے بعد، آخر کار کو لمبیا ریکارڈ ڈن نے کینا پر دستخط کیے۔ انہوں نے نیو سیکریٹڈ کاؤنٹ کے نام سے ایک الہم جاری کیا۔ پھر وہ اپنے پہلے دورے پر گئے، پورے امریکی مغرب اور مڈ ولیٹ کے چودہ شہروں میں کھیلے۔ یہ ایک معمولی آغاز تھا: انہوں نے ایک اور بینڈ کے لئے کھولا اور پینتیس منٹ تک کھیلا۔ سامعین میں سے بہت سے لوگوں کو یہ احساس بھی نہیں تھا کہ وہ بل پر ہیں۔ لیکن ایک بار جب انہوں نے اسے کھیلتے ہوئے سنا، تو وہ پر جوش ہو گئے۔ انہوں نے اپنے ایک گانے کی ویڈیو بھی بنائی، جسے وی ایچ دن پر ایوارڈ کے لیے نامزد کیا گیا تھا۔ کانج کے ریڈ یو اسٹیشنوں نے نیو سیکریٹڈ کاؤنٹ بجانا شروع کیا،

اور یہ کالج کے چارٹ پر چڑھنے لگا۔ اس کے بعد انہوں نے ٹیلی ویژن ٹاک شوز میں کچھ شرکت کی۔ لیکن اس بڑے انعام نے اسے اب بھی نظر انداز کر دیا۔ ان کا الیم شروع نہیں ہوا کیونکہ وہ ٹاپ 40 ریڈیو پر اپنا پہلا سنگل نہیں چلا سکے۔

یہ وہی پرانی کہانی تھی۔ گیل ویس سول اور جوڈی ہیلمن کے مساوی کیناس سے محبت کرتے تھے۔ کریگ کلمان نے اس کا ڈیمو ٹیپ سنا اور فون پر آکر کہا، "میں اب اسے دیکھنا چاہتا ہوں۔ فریڈرست نے ٹیلی فون پر ان کا ایک گانا سنا اور فیصلہ کیا کہ یہ وہی ہے۔ پال میک گنیز اسے آئر لینڈ لے گئے۔ جن لوگوں کے پاس اپنے پہلے تاثرات کو تشکیل دینے کا ایک طریقہ تھا، ان کو پکڑنے کے لئے الفاظ کا ذخیرہ، اور انہیں سمجھنے کا تجربہ تھا، وہ کینا سے محبت کرتے تھے، اور ایک کامل دنیا میں، جومار کیٹ کی تحقیق کے مشکوک نتائج سے کہیں زیادہ شمار کیا جاتا تھا۔ لیکن ریڈیو کی دنیا اتنی سمجھدار نہیں ہے جتنی کھانے کی دنیا یا ہر من ملر کے فرنچر بنانے والوں کی ہے۔ وہ ایک ایسے نظام کو ترجیح دیتے ہیں جو اس کی پیمائش نہیں کر سکتا ہے جس کی پیمائش کرنے کا وعدہ کرتا ہے۔ فریڈرست نے ٹیلی فون پر ان کا ایک گانا سنا اور فیصلہ کیا کہ یہ وہی ہے۔ پال میک گنیز اسے آئر لینڈ لے گئے۔ جن لوگوں کے پاس اپنے پہلے تاثرات کو تشکیل دینے کا ایک طریقہ تھا، ان کو پکڑنے کے لئے الفاظ کا ذخیرہ، اور انہیں سمجھنے کا تجربہ تھا، وہ کینا سے محبت کرتے تھے، اور ایک کامل دنیا میں، جومار کیٹ کی تحقیق کے مشکوک نتائج سے کہیں زیادہ شمار کیا جاتا تھا۔ لیکن ریڈیو کی دنیا اتنی سمجھدار نہیں ہے جتنی کھانے کی دنیا یا ہر من ملر کے فرنچر بنانے والوں کی ہے۔ وہ ایک ایسے نظام کو ترجیح دیتے ہیں جو اس کی پیمائش نہیں کر سکتا ہے جس کی پیمائش کرنے کا وعدہ کرتا ہے۔

مجھے لگتا ہے کہ وہ اپنے فوکس گروپس میں چلے گئے ہیں، اور فوکس گروپس نے کہا ہے، انہیں، یہ ہٹ نہیں ہے۔ وہ کسی ایسی چیز میں پیسہ نہیں لگانا چاہتے جو اچھی طرح سے ٹیکسٹ نہ کرے، "کینا کہتی ہیں۔" لیکن یہ مو سیقی اس طرح کام نہیں کرتی ہے۔ اس مو سیقی میں ایمان کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور ایمان وہ نہیں ہے جو مو سیقی کا کاروبار اب ہے۔ یہ بالکل مایوس کن ہے، اور یہ زبردست بھی ہے۔ میں سو نہیں سکتا۔ میرا دماغ چل رہا ہے۔ لیکن اگر کچھ

اور نہیں، تو مجھے کھلنے کا موقع ملتا ہے، اور پھر کی طرف سے رد عمل بہت بڑا ہے اور

خوبصورت ہے کہ یہ مجھے اگلے دن اٹھنے اور دوبارہ لڑنے پر مجبور کرتا ہے۔ شوکے بعد نچے میرے پاس آتے ہیں اور کہتے ہیں، 'ریکارڈ کمپنیاں آپ کے ساتھ کیا کر رہی ہیں۔ لیکن ہم یہاں آپ کے لئے ہیں، اور ہم سب کو بتا رہے ہیں۔"

چھٹا باب

برونکس میں سات سینٹ: ذہن پڑھنے کا نا扎ک فرن

ساوئے تھے برونکس کے ساؤنڈ ویو محلے میں ویلر ایونیو کا 1100 بلاک دو منزلہ مکانات اور اپارٹمنٹس کی ایک تنگ گلی ہے۔ ایک سرے پرویسٹ چسٹر ایونیو کی ہلچل ہے، جو پڑوس کی مرکزی تجارتی پٹی ہے، اور وہاں سے، بلاک تقریباً دو سو گز پر محیط ہے، جس کے ارد گرد درخت اور کھڑی گاڑیوں کی جڑوں قطاریں ہیں۔ یہ عمارتیں پچھلی صدی کے اوائل میں تعمیر کی گئی تھیں۔ ان میں سے بہت سے لوگوں کے سامنے سرخ اینٹوں کا ایک خوبصورت چہرہ ہوتا ہے، جس کے سامنے والے دروازے کی طرف چار یا پانچ سیڑھیاں ہوتی ہیں۔ یہ ایک غریب اور محنت کش طبقے کا محلہ ہے، اور 1990 کی دہائی کے اوآخر میں، اس علاقے میں نشیات کا کاروبار، خاص طور پر پرویسٹ چسٹر ایونیو اور ایلڈر ایونیو کی ایک گلی میں، تیزی سے ہوا تھا۔ ساؤنڈ ویو صرف ایک ایسی جگہ ہے جہاں آپ جائیں گے اگر آپ نیویارک شہر میں تارکین وطن تھے جو کسی سستے اور سب وے کے قریب رہنے کی تلاش میں تھے، یہی وجہ ہے کہ امادو ڈیالو نے وہیلر ایونیو کا راستہ بنایا۔

ڈیالو کا تعلق گنی سے تھا۔ 1999 میں، وہ باسیں سال کا تھا اور لوئر مین ہیٹن میں ایک فروش کے طور پر کام کرتا تھا، چودھویں اسٹریٹ کے ساتھ فٹ پاٹھ سے ویڈیو ٹیپ، موزے اور دستاں نے فروخت کرتا تھا۔ وہ پانچ فٹ چھ اور 150 پاؤنڈ کا تھا اور وہ گلی کے ایک تنگ اپارٹمنٹ گھر کی دوسری منزل پر 1157 وہیلر پر رہتا تھا۔ 3 فروری، 1999 کی رات کو، ڈیالو آدمی رات سے ٹھیک پہلے اپنے اپارٹمنٹ میں گھروالیں آیا، اپنے روم میٹس سے بات کی، اور پھر نچے چلا گیا اور رات کو اپنی عمارت کی سیڑھیوں کی چوٹی پر کھڑا رہا۔ چند منٹ بعد سادہ کپڑوں میں ملبوس

پولیس افسران کا ایک گروپ آہستہ آہستہ وہیلر ایونیو کی طرف مڑ گیا۔ ان میں سے چار سفید فام تھے، سبھی نے جیز اور سویٹ شرٹس، بیس بال ٹوپیاں اور بلٹ پروف جیکٹیں پہن رکھی تھیں اور سبھی کے پاس پولیس کی 9 ملی میٹر نیم خود کار ہینڈ گنیں تھیں۔ وہ اسٹریٹ کرام یونٹ کا حصہ تھے، جو نیویارک پولیس ڈپارٹمنٹ کا ایک خصوصی ڈویژن ہے، جو شہر کے غریب ترین علاقوں میں جرائم کے "ہات اسپاؤس" پر گشت کرنے کے لئے وقف ہے۔ برج چلانے والا کیم بس تھا۔ ان کی عمر ستائیں سال تھی۔ ان کے بغل میں پینتیس سالہ شان کیروں تھے اور پچھلی نشست پر چھبیس سالہ ایڈورڈ میک میلن اور چھبیس سالہ رچرڈ مرنی تھے۔

یہ کیروں ہی تھا جس نے سب سے پہلے ڈیالو کو دیکھا تھا۔ اس نے گاڑی میں موجود دیگر لوگوں سے کہا، "کھڑے رہو، کھڑے رہو۔" وہ آدمی وہاں کیا کر رہا ہے؟" بعد میں کیروں نے دعویٰ کیا کہ اس کے پاس دو خیالات تھے۔ ایک یہ تھا کہ ڈیالو ایک "پش ان" ڈاکو کی تلاش میں ہو سکتا ہے۔ یعنی ایک چور جو مہماں ہونے کا بہانہ کرتا ہے اور لوگوں کے اپارٹمنٹس میں داخل ہوتا ہے۔ دوسرا یہ تھا کہ ڈیالو نے ایک سیریل ریپسٹ کی تفصیلات کو فٹ کیا جو تقریباً ایک سال پہلے محلے میں سرگرم تھا۔ کیروں نے یاد کرتے ہوئے کہا، "وہ بس وہاں کھڑا تھا۔" وہ صرف اسٹوپ پر کھڑا تھا، بلاک کے اوپر اور نیچے دیکھ رہا تھا، اپنا سر باہر جھانک رہا تھا اور پھر اپنا سر دیوار سے لگا رہا تھا۔ سینکڑوں کے اندر، وہ وہی کام کرتا ہے، نیچے دیکھتا ہے، صحیح نظر آتا ہے۔ اور ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے ہی ہم قریب آ رہے تھے، وہ پیچھے کی طرف قدم رکھ رہا تھا، جیسے وہ دیکھنا ہی نہیں چاہتا تھا۔ اور پھر ہم وہاں سے گزرے، اور میں اسے دیکھ رہا ہوں، اور میں یہ جاننے کی کوشش کر رہا ہوں کہ کیا ہو رہا ہے۔ یہ آدمی کیا کر رہا ہے؟"

باس نے گاڑی روکی اور اس وقت تک بیک اپ کیا جب تک کہ ٹورس 1157 وہیلر کے بالکل سامنے نہیں تھا۔ ڈیالو اب بھی وہاں موجود تھا، جسے بعد میں کیروں نے "جیران" کہا۔ "مجھے لگتا ہے، ٹھیک ہے، یقینی طور پر یہاں کچھ ہو رہا ہے۔" کیروں اور میک میلن گاڑی سے باہر نکل آئے۔ "پولیس،" میک میلن نے فون کیا۔

باہر، اس کا نقج تھا مے ہوئے۔ "کیا ہم ایک لفظ کہہ سکتے ہیں؟" ڈیالو نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بعد میں، یہ سامنے آیا کہ ڈیالو کو ہچکچاہٹ تھی، لہذا اس نے کچھ کہنے کی کوشش کی ہو گی لیکن ایسا نہیں ہو سکا۔ اس کے علاوہ، اس کی انگریزی کامل نہیں تھی، اور یہ بھی افواہ تھی کہ

جس شخص کو وہ جانتا تھا اسے حال ہی میں مسلح افراد کے ایک گروپ نے لوٹ لیا تھا، اس لیے وہ خوفزدہ ہو گیا ہو گا؛ یہاں وہ آدمی رات کے بعد ایک خراب محلے میں بیس بال ٹوپیوں میں ملبوس دو بہت بڑے آدمیوں کے ساتھ تھا، جن کے سینے بلٹ پروف جیکٹوں سے پھولے ہوئے تھے اور ان کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ڈیالورک گیا اور پھر ویسٹیبل میں بھاگ گیا۔ کیرول اور میک میلن نے تعاقب کیا۔ ڈیالو اندر کے دروازے پر پہنچا اور اپنے بائیں ہاتھ سے دروازے کی نوب پکڑی، جیسا کہ بعد میں افسران گواہی دیں گے، اس کے جسم کو ایک طرف موڑ دیا اور دوسرے ہاتھ سے اپنی جیب میں "کھدائی" کی۔ "مجھے اپنے ہاتھ دکھائیں!" کیرول نے پکارا۔ میک میلن بھی چیخ رہا تھا: "اپنے ہاتھوں کو اپنی جیبوں سے نکالو۔ مجھے قتل کرنے پر مجبور نہ کرو!" لیکن ڈیالو زیادہ سے زیادہ مشتعل ہوتا جا رہا تھا، اور کیرول بھی گھبرا نے لگا تھا، کیونکہ اسے لگتا تھا کہ ڈیالو اپنے جسم کو ایک طرف موڑ رہا تھا کیونکہ وہ اپنے دائیں ہاتھ سے جو کچھ بھی کر رہا تھا اسے چھپانا چاہتا تھا۔ آدمی رات کے بعد وہ باہر ایک خراب محلے میں بیس بال ٹوپیاں پہنے ہوئے دو بہت بڑے آدمیوں کے ساتھ تھا، ان کے سینے بلٹ پروف جیکٹوں سے پھولے ہوئے تھے اور ان کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ڈیالورک گیا اور پھر ویسٹیبل میں بھاگ گیا۔ کیرول اور میک میلن نے تعاقب کیا۔ ڈیالو اندر کے دروازے پر پہنچا اور اپنے بائیں ہاتھ سے دروازے کی نوب پکڑی، جیسا کہ بعد میں افسران گواہی دیں گے، اس کے جسم کو ایک طرف موڑ دیا اور دوسرے ہاتھ سے اپنی جیب میں "کھدائی" کی۔ "مجھے اپنے ہاتھ دکھائیں!" کیرول نے پکارا۔ میک میلن بھی چیخ رہا تھا: "اپنے ہاتھوں کو اپنی جیبوں سے نکالو۔ مجھے قتل کرنے پر مجبور نہ کرو!" لیکن ڈیالو زیادہ سے زیادہ مشتعل ہوتا جا رہا تھا، اور کیرول بھی گھبرا نے لگا تھا، اور کیرول بھی گھبرا نے لگا تھا، کیونکہ اسے لگتا تھا کہ

ڈیالو اپنے جسم کو ایک طرف موڑ رہا تھا کیونکہ وہ اپنے دائیں ہاتھ سے جو کچھ بھی کر رہا تھا اسے چھپانا چاہتا تھا۔

کیرول نے یاد کرتے ہوئے کہا کہ "ہم شاید ویسٹیبل کی چوٹی کی سیڑھیوں پر تھے اور اس دروازے سے گزرنے سے پہلے اس تک پہنچنے کی کوشش کر رہے تھے۔" اس شخص نے مر کر ہماری طرف دیکھا۔ اس کا ہاتھ اب بھی دروازے کی نوک پر تھا۔ اور وہ اپنے دائیں طرف سے ایک سیاہ چیز کو ہٹانا شروع کر دیتا ہے۔ اور جیسے ہی اس نے اس چیز کو کھینچا، میں صرف ایک اوپر کی طرف دیکھ سکتا تھا۔ یہ ایک سیاہ بندوق کی سلائیڈ کی طرح لگ رہا تھا۔ میرے پہلے کے تجربے اور تربیت، میری سابقہ گرفتاریوں نے مجھے حکم دیا کہ یہ شخص بندوق کھینچ رہا ہے۔

کیرول نے چیخ کر کہا، "بندوق! اس کے پاس بندوق ہے!"

ڈیالو نہیں رکا۔ وہ اپنی جیب میں کسی چیز کو کھینچتا رہا اور اب اس نے افسروں کی سمت میں کالی چیز اٹھانا شروع کر دی۔ کیرول نے فائرنگ کی۔ میک میلن نے آہستہ آہستہ سیڑھی سے پیچھے چھلانگ لگائی اور ہوا میں پرواز کرتے ہوئے فائرنگ کرتے ہوئے اپنی پشت پر اتر گیا۔ جیسے ہی اس کی گولیاں ویسٹیبل کے ارد گرد گھوم رہی تھیں، کیرول نے سوچا کہ وہ ڈیالو کی بندوق سے آئی ہیں، اور جب اس نے میک میلن کو پیچھے اڑتے ہوئے دیکھا، تو اس نے فرض کیا کہ میک میلن کو ڈیالو نے گولی ماری ہے، لہذا وہ گولی چلاتا رہا، جیسا کہ پولیس کو "سینٹر ماس" کے لئے سکھایا گیا ہے۔ ہر سمت میں سینٹ کے ٹکڑے اور لکڑی کے ٹکڑے اڑ رہے تھے، اور بندوق والی کی چمک اور گولیوں کی چنگاریوں کے ساتھ ہوا برقی تھی۔

باس اور مری بھی اب گاڑی سے باہر نکل کر عمارت کی طرف دوڑ رہے تھے۔ "میں نے ایڈ میک میلن کو دیکھا تھا،" بس نے بعد میں گواہی دی، جب چاروں افسران پر فرست ڈگری قتل اور سینکنڈ ڈگری قتل کے الزامات کے تحت مقدمہ چلایا گیا۔ "وہ ویسٹیبل کے بائیں طرف تھا اور اس سیڑھی سے نیچے اترتا ہوا آیا تھا۔ اور اسی وقت، شان کیرول دائیں طرف ہے، اور وہ سیڑھیوں سے نیچے آ رہا ہے۔ یہ پریشان تھا۔ وہ سیڑھیوں سے نیچے بھاگ رہا

تھا، اور یہ صرف شدید تھا۔ وہ صرف ان سیر ہیوں سے پیچے ہٹنے کے لئے ہر ممکن کوشش کر رہا تھا۔ اور ایڈز میں پر تھا۔ گولیاں اب بھی چل رہی ہیں۔ میں دوڑ رہا ہوں۔ میں حرکت کر رہا ہوں۔ اور ایڈ کو گولی مار دی گئی۔

میں بس یہی دیکھ سکتا تھا۔ ایڈ اپنے ہتھیار سے فائر نگ کر رہا تھا۔ شان اپنا اسلج و پیسٹیبل میں چلا رہا تھا... اور پھر میں مسٹر ڈیالو کو دیکھتا ہوں۔ وہ پیسٹیبل کے عقبی حصے میں، پیچھے، پچھلی دیوار کی طرف ہے، جہاں وہ اندر ونی دروازہ ہے۔ وہ تھوڑا سا اس دروازے کے کنارے ہے اور وہ جھک گیا ہے۔ وہ جھک گیا ہے اور اس کا ہاتھ باہر ہے اور میں نے ایک بندوق دیکھی ہے۔ میں نے کہا، 'میرے خدا، میں مرنے جا رہا ہوں۔ میں نے اپنا ہتھیار فائر کیا۔ میں نے اس وقت فائر کیا جب میں خود کو پیچھے دھکیل رہا تھا اور پھر میں باہمیں طرف کو دیکھا۔ میں آگ کی لکیر سے باہر تھا... اس کے گھٹنے جھکے ہوئے تھے۔ اس کی پیٹھ سیدھی تھی۔ اور یہ کیسا لگ رہا تھا کہ کوئی چھوٹا ہدف بنانے کی کوشش کر رہا تھا۔ یہ ایک جنگی موقف کی طرح لگ رہا تھا، وہی جو مجھے پولیس آکیڈمی میں پڑھایا گیا تھا۔

اس موقع پر بارس سے پوچھ گچھ کرنے والے وکیل نے روکا: "اور اس کا ہاتھ کیسا تھا؟" یہ باہر تھا۔"

"سید ہے باہر؟" "سید ہے

باہر۔"

"اور اس کے ہاتھ میں تم نے ایک چیز دیکھی۔ کیا یہ صحیح ہے؟"

"ہاں، میں نے سوچا کہ میں نے اس کے ہاتھ میں بندوق دیکھی ہے... میں نے جو دیکھا وہ ایک پورا ہتھیار تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک مرینج ہتھیار۔ میرے ارد گرد تمام گولیوں کی آوازوں اور بندوق کے دھونیں اور ایڈ میک میلن کے نیچے گرنے کے بعد مجھے اس لمحے میں محسوس ہوا کہ اس نے بندوق پکڑی ہوئی ہے اور اس نے ابھی ایڈ کو گولی ماری ہے اور میں اگلا ہوں۔"

کیرول اور میک میلن نے سولہ گولیاں چلائیں: ایک پورا کلب۔ بس نے پانچ گولیاں چلائیں۔ مرفنی نے چار گولیاں چلائیں۔ وہاں خاموشی چھا گئی۔ بندوقیں کھینچ کر وہ سیر ھیاں چڑھ کر ڈیالو کے قریب پہنچ گئے۔ "میں نے اس کا دایاں ہاتھ دیکھا ہے،" بس نے بعد میں کہا۔ "یہ اس کے جسم سے باہر تھا۔ اس کی ہتھیلی کھلی ہوئی تھی۔ اور جہاں بندوق ہونی چاہیے تھی، وہاں ایک پرس تھا۔ میں نے کہا، 'بندوق کہاں ہے؟'

باس سڑک پر ولیسٹ چیسٹر ایونیو کی طرف بھاگ کیونکہ وہ چینچ و پکار اور فائر نگ میں ٹریک کھو چکا تھا جہاں وہ تھے۔ بعد میں، جب ایمبولینس میں آئیں، تو وہ اتنے پریشان تھے کہ بول بھی نہیں سکتے تھے۔

کیرول ڈیالو کی گولیوں سے چھلنی لاش کے پاس سیر ھیوں پر بیٹھ گئی اور رونے لگی۔

۱. تین مہلک غلطیاں شاید تیزی سے ادراک کی سب سے عام اور سب سے اہم شکلیں وہ فیصلے ہیں جو ہم کرتے ہیں اور وہ تاثرات جو ہم دوسرے لوگوں کے بارے میں تشكیل دیتے ہیں۔ ہر جائے منٹ میں جب ہم کسی کی موجودگی میں ہوتے ہیں، تو ہم پیشگوئیوں اور تجھینوں کا ایک مستقل سلسلہ لے کر آتے ہیں کہ وہ شخص کیا سوچ رہا ہے اور کیا محسوس کر رہا ہے۔ جب کوئی کہتا ہے کہ "میں تم سے محبت کرتا ہوں"، تو ہم اس شخص کی آنکھوں میں دیکھتے ہیں تاکہ اس کے خلوص کا اندازہ لگایا جاسکے۔ جب ہم کسی نئے شخص سے ملتے ہیں، تو ہم اکثر باریک اشارے اٹھاتے ہیں، تاکہ بعد میں، اگرچہ اس نے عام اور دوستانہ انداز میں بات کی ہو، ہم کہہ سکتے ہیں، "مجھے نہیں لگتا کہ وہ مجھے پسند کرتا ہے" یا "مجھے نہیں لگتا کہ وہ بہت خوش ہے"۔ ہم آسانی سے چہرے کے اظہار میں پیچیدہ امتیازات کا تجزیہ کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر، اگر آپ مجھے مسکراتے ہوئے دیکھیں، مثال کے طور پر، میری آنکھیں چمک رہی ہیں، تو آپ کہیں گے کہ میں خوش تھا۔ لیکن اگر آپ مجھے سر ہلاتے اور مبالغہ آمیز انداز میں مسکراتے ہوئے دیکھیں، میرے ہونٹوں کے کونوں کو تنگ کرتے ہوئے دیکھیں، تو آپ سمجھ لیں گے کہ مجھے تنگ کیا گیا تھا اور طنزیہ انداز میں جواب دے رہا تھا۔ اگر میں کسی کے ساتھ آنکھ ملاوں، ایک چھوٹی سی مسکراہٹ دوں، اور پھر نیچے

دیکھوں اور اپنی نظروں کو ٹال دوں، تو آپ سوچیں گے کہ میں چھیڑ چھاڑ کر رہا ہوں۔ اگر میں فوری مسکراہٹ کے ساتھ کسی تبصرے پر عمل کروں اور پھر سر ہلاوں یا اپنا سر ایک طرف جھکاؤں تو آپ یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ میں نے ابھی کچھ سخت بات کی تھی اور کنارے کو ہٹانا چاہتا تھا۔

یہ ان نتائج تک پہنچنے کے لئے آپ کو میری بات سننے کی ضرورت نہیں ہو گی۔ وہ صرف پلک جھپکتے ہوئے آپ کے پاس آئیں گے۔ اگر آپ ایک سال کے بچے کے پاس جائیں جو فرش پر کھیل رہا ہے اور تھوڑا سا پریشان کن کام کرتا ہے، جیسے اس کے اوپر اپنے ہاتھوں کو دبانا، تو بچہ فوری طور پر آپ کی آنکھوں میں دیکھے گا۔ کیوں؟ کیونکہ آپ نے جو کچھ کیا ہے اس کی وضاحت کی ضرورت ہے، اور بچہ جانتا ہے کہ وہ آپ کے چہرے پر جواب تلاش کر سکتا ہے۔ دوسروں کے حرکات اور ارادوں کا اندازہ لگانے کا یہ عمل کلاسیکی باریک کاٹنے والا ہے۔ یہ کسی کے ذہن کو پڑھنے کے لئے باریک اور عارضی اشاروں کو اٹھا رہا ہے۔ اور اس کے علاوہ کوئی اور محرک نہیں ہے جو اتنا بنیادی اور اتنا خود کار ہے اور جس پر، زیادہ تر وقت، ہم آسانی سے مہارت حاصل کرتے ہیں۔ تاہم، 4 فروری، 1999 کی علی الصبح، وہیلر ایونیو میں سفر کرنے والے چار افسران اس انتہائی بنیادی کام میں ناکام رہے۔ انہوں نے ڈیالو کے ذہن کو نہیں پڑھا۔

سب سے پہلے، شان کیروں نے ڈیالو کو دیکھا اور گاڑی میں موجود دیگر لوگوں سے کہا، "وہ لڑکا وہاں کیا کر رہا ہے؟" اس کا جواب یہ تھا کہ ڈیالو کو کچھ ہو اُل رہی تھی۔ لیکن کیروں نے اسے بڑا کر دیا اور اس لمحے میں فیصلہ کیا کہ وہ مشکوک لگ رہا ہے۔ یہ غلطی نمبر ایک تھی۔ پھر انہوں نے گاڑی کا بیک اپ لیا، اور ڈیالو آگے نہیں بڑھا۔ بعد ازاں کیروں نے کہا کہ وہ حیران رہ گئے: یہ شخص کتنا بے شرم تھا، جو پولیس کو دیکھ کر نہیں بھاگا؟ ڈیالو بے شرم نہیں تھا۔ وہ متجمس تھا۔ یہ غلطی نمبر دو تھی۔ اس کے بعد کیروں اور مرفنی نے اسٹوپ پر ڈائلو کی طرف قدم بڑھایا اور اسے تھوڑا سا ایک طرف مڑتے ہوئے دیکھا اور اپنی جیب کے لئے حرکت کی۔ اس تقسیم کے سینئڈ میں، انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ خطرناک تھا۔ لیکن وہ نہیں تھا۔ وہ خوفزدہ تھا۔ یہ غلطی نمبر تین تھی۔ عام طور پر، ہمیں پلک جھپکتے ہی کسی ایسے شخص کے درمیان فرق کرنے میں کوئی دقت نہیں ہوتی جو مشکوک ہے اور جو نہیں ہے، کسی بے شرم اور کسی متجمس کے درمیان، اور سب سے زیادہ آسانی سے، کسی خوف زدہ اور کسی خطرناک کے

درمیان فرق کرنے میں کوئی دقت نہیں ہے۔ کوئی بھی شخص جورات دیر سے شہر کی کسی سڑک پر چلتا ہے وہ اس طرح کے فوری حساب لگاتار کرتا ہے۔ پھر بھی، کسی وجہ سے، اس سب سے بنیادی انسانی صلاحیت نے اس رات ان افسروں کو چھوڑ دیا۔ کیوں؟

اس طرح کی غلطیاں غیر معمولی واقعات نہیں تھیں۔ ذہن پڑھنے کی ناکامیاں ہم سب کے ساتھ ہوتی ہیں۔ وہ بے شمار دلائل، اختلافات، غلط فہمیوں اور جذبات کو ٹھیک پہنچانے کی جڑ میں ہیں۔ اور پھر بھی، کیونکہ یہ ناکامیاں اتنی فوری اور اتنی پراسرار ہیں، ہم واقعی نہیں جانتے کہ انہیں کیسے سمجھا جائے۔ مثال کے طور پر ڈیالو شوٹنگ کے بعد کے ہفتوں اور مہینوں میں، جب یہ معاملہ دنیا بھر میں شہ سرخیوں میں آیا، اس رات جو کچھ ہوا اس پر بحث دو انتہاؤں کے درمیان آگے پیچھے چلی گئی۔ ایسے لوگ بھی تھے جنہوں نے کہا کہ یہ صرف ایک خوفناک حادثہ تھا، اس حقیقت کا ایک ناگزیر ضمنی نتیجہ ہے کہ پولیس افسران کو بعض اوقات غیر یقینی حالات میں زندگی یا موت کے فیصلے کرنے پڑتے ہیں۔ ڈیالو ڈیالو میں جیوری نے یہی نتیجہ اخذ کیا، اور بس، کیروں، میک میلین، اور مرفنی سبھی کو قتل کے اذمات سے بری کر دیا گیا۔ دوسری طرف وہ لوگ تھے جنہوں نے جو کچھ ہوا اسے نسل پرستی کے کھلے اور بند کیس کے طور پر دیکھا۔ شہر بھر میں مظاہرے اور مظاہرے ہوئے۔ ڈیالو کو ایک شہید کے طور پر رکھا گیا تھا۔ وہیلر ایونیو کا نام بدل کر اماڈو ڈیالو پلیس رکھ دیا گیا۔ بروں اسپرنگ سٹین نے اپنے اعزاز میں "41 شاٹس" کے نام سے ایک گانا لکھا اور پیش کیا جس میں کہا گیا تھا کہ "آپ صرف اپنی امریکی جلد میں رہنے کی وجہ سے مارے جا سکتے ہیں۔

تاہم، ان میں سے کوئی بھی وضاحت خاص طور پر اطمینان بخش نہیں ہے۔ اس بات کا کوئی ثبوت نہیں تھا کہ ڈیالو کیس میں چار افسران برے لوگ تھے، یا نسل پرست تھے، یا ڈیالو کو حاصل کرنے کے لئے نکلے تھے۔ دوسری طرف، فائز نگ کو ایک سادہ حادثہ کہنا غلط لگتا ہے، کیونکہ یہ بالکل مثالی پولیس کام نہیں تھا۔ افسروں نے کئی اہم غلطیاں کیں، جس کی شروعات اس مفروضے سے ہوئی کہ اپنے ہی گھر کے باہر تازہ ہوا کا سانس لینے والا شخص ممکنہ

محرم ہے۔

دوسرے لفظوں میں ڈیالو شوٹنگ ایک طرح کے سرمنی علاقے میں گرتی ہے، جس کے درمیان درمیانی زمین ہوتی ہے۔

دانستہ اور حادثاتی۔ ذہن پڑھنے کی ناکامیاں بعض اوقات ایسی ہی ہوتی ہیں۔ وہ ہمیشہ تیز رفتار ادراک میں دیگر خرابیوں کی طرح واضح اور شاندار نہیں ہوتے ہیں۔ وہ لطیف اور پیچیدہ ہیں اور حیرت انگیز طور پر عام ہیں، اور کس طرح یہ کبھی کبھی بہت خراب ہو جاتا ہے۔ اتفاقی۔ ذہن پڑھنے کی ناکامیاں بعض اوقات ایسی ہی ہوتی ہیں۔ وہ ہمیشہ تیز رفتار ادراک میں دیگر خرابیوں کی طرح واضح اور شاندار نہیں ہوتے ہیں۔ وہ لطیف اور پیچیدہ ہیں اور حیرت انگیز طور پر عام ہیں، اور وہیلر ایونیو پر جو کچھ ہوا وہ اس بات کی ایک طاقتور مثال ہے کہ دماغ کا مطالعہ کس طرح کام کرتا ہے۔ اور کس طرح یہ کبھی کبھی بہت خراب ہو جاتا ہے۔ اور کس طرح یہ کبھی کبھی بہت خراب ہو جاتا ہے۔ اور کس طرح یہ کبھی کبھی بہت خراب ہو جاتا ہے۔ اور کس طرح یہ کبھی کبھی بہت خراب ہو جاتا ہے۔

2. ذہن پڑھنے کے بارے میں ہماری زیادہ تر تفہیم دو قابل ذکر سائنسدانوں، ایک استاد اور اس کے شاگرد: سلوان ٹاکنز اور پال ایکین میں سے آتی ہے۔ ٹاکنز استاد تھے۔ وہ پچھلی صدی کے آغاز پر فلاڈیلفیا میں پیدا ہوا تھا، روس سے تعلق رکھنے والے ایک ڈینسٹ کا بیٹا تھا۔ وہ درمیان میں چھوٹا اور موٹا تھا، سفید بالوں کا ایک جنگلی مانے اور پلاسٹک سے بنے بڑے بڑے شیشے کے ساتھ۔ انہوں نے پرنسپن اور رنگرز میں نفیات کی تعلیم دی اور چار جلدیوں پر مشتمل ایک کتاب 'اپیکٹ، ایمجری، شور' کے مصنف تھے کہ اس کے قارئین ان لوگوں میں برابر تقسیم ہو گئے جنہوں نے اسے سمجھا اور اسے شاندار سمجھا اور جو اسے نہیں سمجھتے تھے اور اسے شاندار سمجھتے تھے اور اسے شاندار سمجھتے تھے۔ وہ ایک افسانوی گفتگو کرنے والے تھے۔ کاک ٹیل پارٹی کے اختتام پر لوگوں کا ایک ہجوم ٹاکنز کے قدموں میں بیٹھ جاتا تھا۔ کوئی کہے گا، "ایک اور سوال!" اور ہر کوئی مزید ڈیڑھ گھنٹے تک ٹھہرے گا جیسا کہ ٹاکنز نے مراحیہ کتابیں، ٹیلی ویژن سیٹ کوم، جذبات کی حیاتیات، کانٹ کے ساتھ ان کا مسئلہ، اور تازہ ترین فضول غذاوں کے لئے ان کا جوش و خروش۔ یہ سب ایک ہی رف میں جکڑے ہوئے تھے۔

ڈپریشن کے دوران، ہار ورڈ میں اپنی ڈاکٹریٹ کی تعلیم کے درمیان، انہوں نے گھوڑوں کی دوڑ کے سنڈیکٹ کے

لئے معدود رکے طور پر کام کیا اور اتنے کامیاب رہے کہ وہ مین ہیٹن کے اپر ایسٹ سائینڈ میں شاندار زندگی بسر کرتے تھے۔ ٹریک پر، جہاں وہ گھنٹوں استینڈ میں بیٹھ کر دور بین کے ذریعے گھوڑوں کو گھورتے رہے، انہیں "پروفیسر" کے نام سے جانا جاتا تھا۔ ایکمان یاد کرتے ہیں کہ ان کے پاس یہ پیش گوئی کرنے کا ایک نظام تھا کہ گھوڑا ان کے دونوں طرف کیا ہے، اس کی بنیاد پر کہ گھوڑا کیسا کرے گا۔ مثال کے طور پر، اگر کوئی نر گھوڑا اپنے پہلے یادو سرے سال میں گھوڑی سے ہار گیا تھا، تو اگر وہ قطار میں گھوڑی کے ساتھ گیٹ پر جاتا تو وہ بر باد ہو جاتا۔ (یا کچھ ایسا ہی ہے۔ کوئی بھی یقینی طور پر نہیں جانتا تھا۔)

ٹائمز کا خیال تھا کہ چہرے، یہاں تک کہ گھوڑوں کے چہرے بھی اندر ونی جذبات اور حرکات کے قیمتی اشارے رکھتے ہیں۔ کہا جاتا تھا کہ وہ ڈاک خانے میں داخل ہو سکتا تھا، مطلوب پوسٹروں کے پاس جا سکتا تھا، اور صرف مگ شاٹس کو دیکھ کر بتا سکتا تھا کہ مختلف مفروروں نے کیا جرام کیے تھے۔ ان کے بیٹھے مارک یاد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ سچ بولنے کے لیے شو دیکھتے تھے اور بغیر کسی ناکامی کے وہ ہمیشہ جھوٹ بولنے والوں کو منتخب کر لیتے تھے۔ انہوں نے ایک موقع پر پروڈیوسر کو لکھا کہ یہ بہت آسان ہے، اور اس شخص نے انہیں نیویارک آنے، بیک اسٹچ پر جانے اور اپنا سامان دکھانے کی دعوت دی۔ ہارورڈ یونیورسٹی میں نفیسیات پڑھانے والی ورجینیا ڈبیوس 1988 کے ڈبیو کریکٹ نیشنل کونوشن کے دوران ٹائمز کے ساتھ طویل گفتگو کو یاد کرتی ہیں۔ "ہم فون پر بیٹھ کر بات کرتے تھے اور وہ اس وقت آواز بند کر دیتے تھے جب جیسی جیکس مائیکل ڈوکاس سے بات کر رہے تھے۔ اور وہ چہروں کو پڑھتا اور اپنی پیشگوئیاں کرتا کہ کیا ہو گا۔ یہ بہت گہرا تھا۔"

پال ایکمین کی پہلی ملاقات ٹائمز سے 1960 کی دہائی کے اوائل میں ہوئی تھی۔ ایکمان اس وقت گریجویٹ اسکول سے باہر ایک نوجوان ماہر نفیسیات تھے، اور وہ چہروں کا مطالعہ کرنے میں دلچسپی رکھتے تھے۔ انہوں نے حیرت کا اظہار کیا کہ کیا کوئی عام اصول تھا، جو انسانوں کے چہرے کے تاثرات کو کنٹرول کرتا تھا؟ سلوان ٹائمز نے کہا کہ وہاں تھا۔ لیکن زیادہ تر ماہرین نفیسیات کا کہنا ہے کہ ایسا نہیں ہے۔ دی

اس وقت روایتی دانش مندی کا خیال تھا کہ اظہار رائے ثقافتی طور پر متعین ہوتے ہیں، یعنی ہم اپنے چہروں کو تعلیم یافتہ سماجی روایات کے مطابق استعمال کرتے تھے۔ ایکمان کو معلوم نہیں تھا کہ کون سا نظریہ درست ہے، لہذا، فیصلہ کرنے میں اس کی مدد کرنے کے لئے، اس نے جاپان، برازیل اور ارجنتائن کا سفر کیا۔ اور یہاں تک کہ مشرق بعید کے جنگلوں میں دور دراز قبائل میں بھی مردوں اور عورتوں کی تصاویر لے کر مختلف قسم کے مخصوص چہرے بنائے۔ اس کی حیرت کی بات یہ تھی کہ وہ جہاں بھی گئے، لوگ اس بات پر متفق تھے کہ ان تاثرات کا کیا مطلب ہے۔ ٹامکنز، اس نے محسوس کیا، صحیح تھا۔

کچھ ہی عرصے بعد، ٹامکنز نے سان فرانسیسکو میں اپنی لیبارٹری میں ایکمان کا دورہ کیا۔ ایکمان نے پاپوانیوگنی کے دور افتادہ جنگلوں میں واڑو لو جست کار لٹن گجد سک کے ذریعہ شوٹ کی گئی ایک لاکھ فٹ کی فلم کا سراغ لگایا تھا۔ کچھ فوٹج ساؤ تھو فور نامی ایک قبیلے کی تھی، جو ایک پر امن اور دوستانہ لوگ تھے۔ باقی کو کو قبیلے کا تھا، جو ایک دشمن اور قاتل قبیلہ تھا جس میں ہم جنس پرستی کی رسم تھی جس میں نو عمر لڑکوں کو قبیلے کے مرد بزرگوں کے لئے درباری کے طور پر خدمات انجام دینے کی ضرورت ہوتی تھی۔ چھ ماہ سے ایکمان اور ان کے ساتھی والس فریزن فوٹج کا جائزہ لے رہے تھے، بیرونی مناظر کو کاٹ رہے تھے، صرف قبائلیوں کے چہروں کے قریب ہونے پر توجہ مرکوز کر رہے تھے تاکہ دونوں گروہوں کے چہرے کے تاثرات کا موازنہ کیا جاسکے۔

جیسے ہی ایکمان نے پرو جیکٹر نصب کیا، ٹامکنز پچھے انتظار کر رہے تھے۔ اسے قبیلوں کے بارے میں کچھ نہیں بتایا گیا تھا

ملوٹ؛ تمام شناختی سیاق و سباق میں ترمیم کی گئی تھی۔ ٹامکنز نے اپنے عینک میں جھانکتے ہوئے غور سے دیکھا۔ فلم کے اختتام پر انہوں نے سکرین کے قریب پہنچ کر ساؤ تھو فور کے چہروں کی طرف اشارہ کیا۔ انہوں نے کہا، "یہ ایک میٹھے، نرم مزاج، بہت مہربان، بہت پر امن لوگ ہیں۔ پھر اس نے کو کو کے چہروں کی طرف اشارہ کیا۔" یہ

دوسرے اگر وہ پر تشدد ہے، اور ہم جنس پرستی کی نشاندہی کرنے کے لئے بہت سارے ثبوت موجود ہیں۔ "آج بھی، ایک تہائی صدی کے بعد، ایکمان ٹائمکنز کے کام سے باہر نہیں نکل سکتا۔" اے میرے خدا! مجھے اچھی طرح یاد ہے، اسلو ان، تم زمین پر یہ کیسے کر رہے ہو؟ ایکمان یاد کرتا ہے۔ "اور وہ اسکرین پر گئے، اور، جب ہم نے سست رفتار میں فلم کو پیچھے کی طرف چلا�ا، تو انہوں نے چہروں میں موجود خاص بلجوں اور جھریوں کی نشاندہی کی جو وہ اپنا فیصلہ کرنے کے لئے استعمال کر رہے تھے۔ تب مجھے احساس ہوا، مجھے چہرہ کھولنا ہو گا۔ یہ معلومات کی سونے کی کان تھی جسے ہر کسی نے نظر انداز کر دیا تھا۔ یہ شخص اسے دیکھ سکتا تھا، اور اگر وہ اسے دیکھ سکتا تھا، تو شاید ہر کوئی بھی دیکھ سکتا تھا۔" عینک فلم کے اختتام پر انہوں نے سکرین کے قریب پہنچ کر ساڑا تھا فور کے چہروں کی طرف اشارہ کیا۔ انہوں نے کہا، "یہ ایک میٹھے، نرم مزاج، بہت مہربان، بہت پر امن لوگ ہیں۔ پھر اس نے کو کو کے چہروں کی طرف اشارہ کیا۔" یہ دوسرا اگر وہ پر تشدد ہے، اور ہم جنس پرستی کی نشاندہی کرنے کے لئے بہت سارے ثبوت موجود ہیں۔ "آج بھی، ایک تہائی صدی کے بعد، ایکمان ٹائمکنز کے کام سے باہر نہیں نکل سکتا۔" اے میرے خدا! مجھے اچھی طرح یاد ہے، اسلو ان، تم زمین پر یہ کیسے کر رہے ہو؟ ایکمان یاد کرتا ہے۔ "اور وہ اسکرین پر گئے، اور، جب ہم نے سست رفتار میں فلم کو پیچھے کی طرف چلا�ا، تو انہوں نے چہروں میں موجود خاص بلجوں اور جھریوں کی نشاندہی کی جو وہ اپنا فیصلہ کرنے کے لئے استعمال کر رہے تھے۔ تب مجھے احساس ہوا، مجھے چہرہ کھولنا ہو گا۔ یہ معلومات کی سونے کی کان تھی جسے ہر کسی نے نظر انداز کر دیا تھا۔ یہ شخص اسے دیکھ سکتا تھا، اور اگر وہ اسے دیکھ سکتا تھا، تو شاید ہر کوئی بھی دیکھ سکتا تھا۔"

ایکمان اور فریسن نے اس وقت اور وہاں، چہرے کے تاثرات کی درجہ بندی بنانے کا فیصلہ کیا۔ انہوں نے طبی درسی کتابوں کا مطالعہ کیا جس میں چہرے کے عضلات کا خاکہ پیش کیا گیا تھا، اور انہوں نے چہرے کی ہر مخصوص پہلوں کی حرکت کی نشاندہی کی۔ اس طرح کی اڑتا لیس تحریکیں تھیں۔ ایکمان اور فریسن نے انہیں ایکشن یونٹ کا نام دیا۔ اس کے بعد وہ کئی دنوں تک ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے رہے اور باری باری ہر ایکشن یونٹ کو جوڑنا شروع

کر دیا، پہلے ان کے دماغ میں پھوٹ کا پتہ لگایا اور پھر اسے الگ تھلک کرنے پر توجہ مرکوز کی، ایک دوسرے کو قریب سے دیکھا، ان کی جانچ پڑتاں کی۔

آئینے میں حرکات کرنا، اس بات پر نوٹ بنانا کہ ہر پھوٹوں کی حرکت کے ساتھ ان کے چھروں پر جھریوں کے نمونے کیسے تبدیل ہوں گے، اور ان کے ریکارڈ کے لئے حرکت کی ویدیو ٹیپنگ کریں۔ کچھ موقع پر جب وہ کوئی خاص حرکت نہیں کر سکتے تھے، تو وہ یوسی ایس ایف اناؤمی ڈپارٹمنٹ میں جاتے تھے، جہاں ایک سرجن انہیں سوئی سے چپکا دیتا تھا اور بر قی طور پر غیر فعال پھوٹوں کو متحرک کرتا تھا۔ "یہ بالکل بھی خوشگوار نہیں تھا،" ایکمان یاد کرتے ہیں۔

جب ان ایکشن یونٹوں میں سے ہر ایک میں مہارت حاصل کر لی گئی تو، ایکمان اور فریسن نے مل کر ایکشن یونٹوں پر کام کرنا شروع کیا، جس میں ایک تحریک کو دوسرے کے اوپر رکھا گیا۔ اس سارے عمل میں سات سال لگے۔ "دو پھوٹوں کے تین سو امتزاج ہیں،" ایکمان کہتے ہیں۔ "اگر آپ ایک تھائی کا اضافہ کریں، تو آپ کو چار ہزار سے زیادہ ملیں گے۔ ہم نے اسے پانچ پھوٹوں تک لے جایا، جو دس ہزار سے زیادہ چہرے کی شکل ہے۔ ان دس ہزار چہرے کے تاثرات میں سے زیادہ تر کا کوئی مطلب نہیں ہے۔ یہ اس طرح کے فضول چہرے ہیں جو بچے بناتے ہیں۔ لیکن، ہر ایکشن یونٹ کے امتزاج پر کام کرتے ہوئے، ایکمان اور فریسن نے تقریباً تین ہزار کی نشاندہی کی جو کچھ معنی رکھتے تھے، یہاں تک کہ انہوں نے انسانی چہرے کے جذبات کے لازمی نمونوں کی فہرست تیار نہیں کی تھی۔

پال ایکمین اب سماں کی دہائی میں ہیں۔ وہ صاف سترہ اہے، جس کی آنکھیں گہری ہیں اور موٹی، نمایاں بھنوں ہیں، اور اگرچہ وہ درمیانے قد کا ہے، لیکن وہ بہت بڑا لگتا ہے: اس کے طرز عمل میں کچھ ضدی اور ٹھوس ہے۔ وہ نیوارک، نیوجرسی میں پلے بڑھے، ایک ماہر اطفال کے بیٹے، اور پندرہ سال کی عمر میں شکا گو یونیورسٹی میں داخلہ لیا۔ وہ جان بوجھ کر بولتا ہے۔ ہنسنے سے پہلے، وہ تھوڑا سارک جاتا ہے، جیسے اجازت کا انتظار کر رہا ہو۔ وہ وہ شخص ہے جو اپنے دلائل کی فہرستیں بناتا ہے اور نمبر دیتا ہے۔ ان کی علمی تحریر میں ایک منظم منطق ہے۔ ایکمان مضمون کے

اختتام تک، ہرگمراہ کن اعتراض اور مسئلے کو جمع کیا گیا ہے اور اس کی فہرست تیار کی گئی ہے۔ 1960 کی دہائی کے وسط سے وہ سان فرانسیسکو میں یونیورسٹی آف کیلیفورنیا کے وکٹورین ٹاؤن ہاؤس سے باہر کام کر رہے ہیں، جہاں وہ پروفیسر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جب میں ایکمان سے ملا، تو وہ اپنے دفتر میں بیٹھ گئے اور ایکشن یونٹ کی تشکیل کے ذریعے دوڑنا شروع کر دیا جوانہوں نے، بہت پہلے سیکھا تھا۔ وہ اپنے گھنٹوں پر ہاتھ رکھ کر تھوڑا سا آگے جھکا۔ ان کے پیچھے دیوار پر ان کے دو ہیروز، ٹائمز اور چارلس ڈارون کی تصاویر تھیں۔ "ہر کوئی ایکشن یونٹ فور کر سکتا ہے،" انہوں نے شروع کیا۔ اس نے اپنے ڈپریشن گلبیسلے، ڈپریشن سپریسلی اور کوروگیٹر کا استعمال کرتے ہوئے اپنا منہ نیچے کر لیا۔ "تقریباً ہر کوئی اے یونائیٹ کر سکتا ہے۔" اس نے اپنی ناک پر جھریاں ڈالیں اور اپنے لیویٹر لابی کے اعلیٰ حکام ایک ناسی کا استعمال کیا۔ "ہر کوئی پانچ کام کر سکتا ہے۔" اس نے اپنی اوپری پلک کو بلند کرتے ہوئے اپنے لیویٹر پاپسبری کے اوپری حصے کو متاثر کیا۔

میں اس کے ساتھ چلنے کی کوشش کر رہا تھا، اور اس نے میری طرف دیکھا۔ "آپ کے پاس ایک بہت اچھا پانچ ہے،" انہوں نے فراغدی سے کہا۔ "آپ کی آنکھیں جتنی گھری ہوں گی، ان پانچوں کو دیکھنا اتنا ہی مشکل ہو گا۔ اس کے بعد سات ہیں۔" اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ "بارہ۔" اس نے ایک مسکراہٹ دکھائی، جس نے زانگو میٹک میجر کو متحرک کیا۔ اس کی بھنوؤں کے اندر ورنی حصے بلند ہو گئے۔ "یہ امریکہ کی ایک پریشانی، تکلیف ہے۔" اس کے بعد اس نے اپنی آنکھوں کے بیرونی آدھے حصے کو اوپر اٹھانے کے لیے اپنے فر نٹس، پارس لیٹر لس کا استعمال کیا۔ "یہ اے یوٹو ہے۔ یہ بھی بہت مشکل ہے، لیکن یہ بیکار ہے۔ یہ کابوکی تھیٹر کے علاوہ کسی اور چیز کا حصہ نہیں ہے۔ تیس میرے پسندیدہ میں سے ایک ہے۔ یہ ہونٹوں کے سرخ حصے کی تنگی ہے۔ بہت قابل اعتماد غصے کی علامت۔ رضا کارانہ طور پر ایسا کرنا بہت مشکل ہے۔ اس نے اپنے ہونٹوں کو تنگ کر لیا۔" ایک وقت میں ایک کان ہلانا اب بھی سب سے مشکل کاموں میں سے ایک ہے۔ مجھے واقعی توجہ مرکوز کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ وہ سب کچھ لیتا ہے جو میرے پاس ہے۔ "وہ نہس پڑا۔" یہ ایک ایسی چیز ہے جو میری بیٹی ہمیشہ چاہتی تھی کہ میں اپنے

دوستوں کے لئے کرو۔ یہاں ہم جاتے ہیں۔ "اس نے اپنے بائیس کان کو ہلایا، پھر اپنے دائیس کان کو۔ ایسا لگتا ہے کہ ایکمان کا چہرہ خاص طور پر واضح نہیں ہے۔ وہ ایک ماہر نفسیات، محتاط اور غیر فعال شخصیت کا مالک ہے، اور اس کے چہرے کو اتنی آسانی سے اور تیزی سے تبدیل کرنے کی صلاحیت حیرت انگیز تھی۔" ایک ایسا ہے جو میں نہیں کر سکتا، "انہوں نے آگے کہا۔" یہ انتیس سال ہے۔ خوش قسمتی سے، میرے پوسٹ ڈاک میں سے ایک یہ کر سکتا ہے۔ اڑ تیس سال کی عمر میں نہنچوں کو ہلا رہی ہیں۔ تیس۔

نواس کے برعکس ہے۔ یہ عضلات ہیں جو انہیں نیچے کھینختے ہیں۔ اس نے سر ہلا�ا اور پھر میری طرف دیکھا۔ "اوہ! آپ کے پاس ایک شاندار انتیس ہے۔ یہ سب سے بہترین میں سے ایک ہے جو میں نے کبھی دیکھا ہے۔ یہ جینیاتی ہے۔ آپ کے خاندان کے دوسرے ارکان بھی ہونے چاہئیں جن کے پاس یہ نامعلوم ٹیلنٹ ہو۔

آپ کے پاس یہ ہے، آپ کے پاس ہے

یہ سمجھ گیا۔ "وہ ایک بار پھر ہنس نے لگا۔" آپ اسے لوگوں پر فلیش کرنے کی پوزیشن میں ہیں۔ دیکھو، آپ کو اسے سنگل بار میں آزمانا چاہئے!" وہ اسے لوگوں پر فلیش کرنے کی پوزیشن میں ہیں۔ دیکھو، آپ کو اسے سنگل بار میں آزمانا چاہئے!"

اس کے بعد ایکمان نے ایک ایکشن یونٹ کو دوسرے کے اوپر پرت کرنا شروع کیا، تاکہ چہرے کے زیادہ پیچیدہ تاثرات کو ترتیب دیا جاسکے جسے ہم عام طور پر جذبات کے طور پر پہچانتے ہیں۔ مثال کے طور پر خوشی بنیادی طور پر چھ اور بارہ سال کے عضلات کو جوڑتی ہے جو گال کو بلند کرتے ہیں (اور سیکیولس اور کولی، پارس آربیٹلس) زانگو میٹک میجر کے ساتھ مل کر، جو ہونٹوں کے کونوں کو کھینختا ہے۔ خوف ایک، دو اور چار ہے، یا، زیادہ مکمل طور پر، ایک، دو، چار، پانچ، اور بیس، ایکشن یونٹس پچیس، چھیس، یا تائیس کے ساتھ یا اس کے بغیر۔ یعنی: اندر ونی براؤ ریزر (فرنٹلس، پارس میڈیٹیلیس) کے علاوہ بیرونی بروریزر (فرنٹلس، پارس لیٹر لس) کے علاوہ بروکم کرنے والا ڈپریشن سپر سیلی پلس لیوٹر پالپیسری سپر سیلیس (جو اپری ڈھلن کو بلند کرتا ہے) پلس ریسوریس (جو ہونٹوں کو پھیلاتا ہے) اور ہونٹوں کا الگ ہونا (ڈپریشن لیپی) اور مسانج کرنے والا (جو جبڑے کو گرا تا ہے)۔ گھرنا؟ یہ زیادہ تر اے یونائٹ ہے، ناک کا جھٹننا (لیوٹر لابی سپریزر زالیک ناسی)، لیکن بعض اوقات یہ دس ہو سکتا ہے، اور کسی بھی صورت میں اسے اے یو پندرہ یا سولہ یا سترہ کے ساتھ ملایا جا سکتا ہے۔

ایکمان اور فریسن نے آخر کار ان تمام امتزاج اور ان کو پڑھنے اور ان کی تشریح کرنے کے قواعد کو فیشنل ایکشن کوڈنگ سسٹم یا ایف اے سی ایس میں جمع کیا اور انہیں پانچ سو صفحات پر مشتمل دستاویز میں لکھا۔ یہ ایک حیرت انگیز دلچسپ کام ہے، جو ہونٹوں کی ممکنہ حرکات (لمبا، لمبا، تنگ، چوڑا، چپٹا، پھیلا ہوا، تنگ اور کھینچنا) جیسی تفصیلات سے بھرا ہوا ہے۔ آنکھوں اور گالوں کے درمیان جلد کی چار مختلف تبدیلیاں (بلج، بیگ، تھیلیاں، اور لکیریں)؛ اور انفراء آر بیٹل فروز اور ناسولا بیٹل فرو کے درمیان اہم فرق۔ جان گوٹ مین، جن کی شادی پر تحقیق کے بارے میں میں نے باب 1 میں لکھا ہے، نے سالوں سے ایکمان کے ساتھ تعاون کیا ہے اور جوڑوں کی جذباتی حالتوں کا تجزیہ کرنے میں ایف اے سی ایس کے اصولوں کا استعمال کیا ہے۔ دوسرے محققین نے شیزو فرینیا سے لے کر دل کی یماری تک ہر چیز کا مطالعہ کرنے کے لئے ایکمان کے نظام کو استعمال کیا ہے۔ یہاں تک کہ اسے پکسر (کھلونا کہانی) اور ڈریم ورکس (شریک) میں کمپیوٹر ینسیمیٹر ز کے ذریعہ بھی استعمال کیا گیا ہے۔ ایف اے سی ایس کو مکمل طور پر مہارت حاصل کرنے میں ہفتتوں لگتے ہیں، اور دنیا بھر میں صرف پانچ سو افراد کو تحقیق میں اسے استعمال کرنے کی تصدیق کی گئی ہے۔ لیکن جن لوگوں نے اس میں مہارت حاصل کی ہے وہ ایک غیر معمولی سطح کی بصیرت حاصل کرتے ہیں جب ہم ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھتے ہیں تو ہم ایک دوسرے کو بھیجتے ہیں۔

ایکمین نے 1992 کے ڈیمو کریٹک پر انگری انتخابات کے دوران پہلی بار بل کلنٹن کو دیکھا تھا۔ "میں اس کے چہرے کے تاثرات دیکھ رہا تھا، اور میں نے اپنی بیوی سے کہا، 'یہ پیک کا بیڈ بوانے ہے،' ایکمان نے کہا۔" یہ ایک ایسا لڑکا ہے جو کوکی جار میں ہاتھ ڈال کر پکڑا جانا چاہتا ہے اور ہمیں ویسے بھی اس کے لئے اس سے محبت کرنا چاہتا ہے۔ یہ اظہار تھا جو ان کے پسندیدہ میں سے ایک ہے۔ یہ وہ ہینڈ ان دی کوکی جار ہے، لوگی ماں ہے کیونکہ میں ایک بد معاش نظر آتا ہوں۔ یہ بارہ، پندرہ، سترہ اور چوبیس سال کے ہیں، جن کی آنکھوں میں ایک جھلک ہے۔ ایکمان رک گیا، پھر اپنے چہرے پر تاثرات کی اس خاص ترتیب کو دوبارہ ترتیب دیا۔ انہوں نے کلاسیکی مسکراہٹ کے ساتھ اپنے زانگو میٹک میجر اے یو بارہ کو شکست دی اور پھر اپنے ہونٹوں کے کونوں کو اپنی سہ رخی یعنی اے یو پندرہ سے جھکا لیا۔

اس نے ذہنیت یعنی اے یو سیونٹ کو جھکایا، جو ٹھوڑی کو بلند کرتا ہے، چو میں سال کی عمر میں اپنے ہونٹوں کو تھوڑا سادبایا اور آخر کار اپنی آنکھیں گھما لیں اور ایسا لگا جیسے سلیک ولی خود اچانک کمرے میں آگئے ہوں۔

"میں ایک ایسے شخص کو جانتا تھا جو کلنٹن کے کمپنیکیشن اسٹاف میں تھا۔ تو میں نے اس سے رابطہ کیا۔ میں نے کہا: دیکھو،

ہلری کلنٹن کے پاس ایک خاص اظہار کے ساتھ اپنی آنکھیں گھمانے کا یہ طریقہ ہے، اور اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ "میں ایک برا لڑکا ہوں۔ مجھے نہیں لگتا کہ یہ ایک اچھی چیز ہے۔ میں اسے سکھا سکتا تھا کہ دوسرے تین گھنٹے میں ایسا کیسے نہ کیا جائے۔ اور اس نے کہا، اٹھیک ہے، ہم یہ خطرہ مول نہیں لے سکتے کہ وہ جھوٹ بولنے کے ماہر کو دیکھ رہا ہے۔ ایکمان کی آواز ٹھنڈی ہو گئی۔ یہ واضح تھا کہ وہ کلنٹن کو پسند کرتے تھے اور وہ چاہتے تھے کہ کلنٹن کا اظہار ایک بے معنی چہرے کے ٹک سے زیادہ نہ ہو۔ ایکمان نے کندھے جھکائے۔ "بد قسمتی سے، مجھے لگتا ہے، اسے پکڑنے کی ضرورت تھی۔ اور وہ پکڑا گیا۔"

3. نگا چہرہ ایکمان جو کہہ رہا ہے وہ یہ ہے کہ چہرہ جذبات کے بارے میں معلومات کا ایک بہت امیر ذریعہ ہے۔ در حقیقت، وہ اس سے بھی زیادہ جرأت منداہ دعویٰ کرتا ہے۔ یہ سمجھنے کے لئے کہ دماغ پڑھنا کس طرح کام کرتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ہمارے چہرے پر موجود معلومات صرف اس بات کا اشارہ نہیں ہے کہ ہمارے دماغ کے اندر کیا چل رہا ہے۔ ایک خاص معنی میں، یہ وہی ہے جو ہمارے دماغ کے اندر چل رہا ہے۔

اس بصیرت کا آغاز اس وقت ہوا جب ایکمان اور فریزن پہلی بار ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھ کر غصے اور پریشانی کے اظہار پر کام کر رہے تھے۔ فریزن کا کہنا ہے کہ "ہم میں سے ایک نے آخر کار ایک سیشن کے بعد خوفناک محسوس کرنے کا اعتراف کیا جہاں ہم سارا دن ان چہروں میں سے ایک کو بناتے رہے۔" پھر دوسرے کو احساس ہوا کہ وہ بھی خراب محسوس کر رہا ہے، اس لیے ہم نے ٹریک رکھنا شروع کر دیا۔ اس کے بعد وہ واپس چلے گئے اور چہرے کی مخصوص حرکات کے دوران اپنے جسم کی نگرانی شروع کر دی۔ "کہو کہ تم اے یو کر رہے ہو، اندر کی بھنوں بلند کر رہے ہو، اور چھ، اوپر اٹھا رہے ہو۔

گال، اور پندرہ، ہونٹوں کے کونے کو نیچے کرنا،" ایکمان نے کہا، اور پھر یہ تینوں کام کیے۔ "ہم نے جو دریافت کیا وہ یہ ہے کہ صرف یہ اظہار خود مختار اعصابی نظام میں نمایاں تبدیلیاں پیدا کرنے کے لئے کافی ہے۔ جب یہ پہلی بار

ہوا، تو ہم دنگ رہ گئے۔ ہم اس کی بالکل توقع نہیں کر رہے تھے۔ اور یہ ہم دونوں کے ساتھ ہوا۔ ہم خوفناک محسوس کر رہے تھے۔ ہم جو کچھ پیدا کر رہے تھے وہ اداسی، تکلیف تھی۔ اور جب میں اپنی بھنوؤں کو نیچے کرتا ہوں، جو چار ہے، اور اوپری پلک، جو پانچ ہے، کو اوپر اٹھاتا ہوں، اور پلکوں کو تنگ کرتا ہوں، جو سات ہے، اور ہونٹوں کو ایک ساتھ دباتا ہوں، جو چوبیس ہے، تو مجھے غصہ پیدا ہوتا ہے۔ میرے دل کی دھڑکن دس سے بارہ دھڑکنوں تک بڑھ جائے گی۔ میرے ہاتھ گرم ہو جائیں گے۔ جیسا کہ میں یہ کرتا ہوں، میں سسٹم سے منقطع نہیں کر سکتا۔ یہ بہت ناخوشنگوار ہے، بہت ناخوشنگوار ہے۔ "ہم نے جو دریافت کیا وہ یہ ہے کہ صرف یہ اظہار خود مختار اعصابی نظام میں نمایاں تبدیلیاں پیدا کرنے کے لئے کافی ہے۔ جب یہ پہلی بار ہوا، تو ہم دنگ رہ گئے۔ ہم اس کی بالکل توقع نہیں کر رہے تھے۔ اور یہ ہم دونوں کے ساتھ ہوا۔ ہم خوفناک محسوس کر رہے تھے۔ ہم جو کچھ پیدا کر رہے تھے وہ اداسی، تکلیف تھی۔ اور جب میں اپنی بھنوؤں کو نیچے کرتا ہوں، جو چار ہے، اور اوپری پلک، جو پانچ ہے، کو اوپر اٹھاتا ہوں، اور پلکوں کو تنگ کرتا ہوں، جو سات ہے، اور ہونٹوں کو ایک ساتھ دباتا ہوں، جو چوبیس ہے، تو مجھے غصہ پیدا ہوتا ہے۔ میرے دل کی دھڑکن دس سے بارہ دھڑکنوں تک بڑھ جائے گی۔ میرے ہاتھ گرم ہو جائیں گے۔ جیسا کہ میں یہ کرتا ہوں، میں سسٹم سے منقطع نہیں کر سکتا۔ یہ بہت ناخوشنگوار ہے، بہت ناخوشنگوار ہے۔"

اکمین، فریسن، اور ایک اور ساتھی، رابرٹ لیونس (جنہوں نے جان گوٹمین کے ساتھ سالوں تک تعاون بھی کیا ہے؛ نفسیات ایک چھوٹی سی دنیا ہے) نے اس اثر کو دستاویزی شکل دینے کی کوشش کرنے کا فیصلہ کیا۔ انہوں نے رضاکاروں کے ایک گروپ کو اکٹھا کیا اور انہیں ان کے دل کی دھڑکن اور جسم کے درجہ حرارت کی پیمائش کرنے والے مانیٹروں سے مسلک کیا۔ غصہ، اداسی اور خوف جیسے جذبات کے جسمانی سُکنل۔ آدھے رضاکاروں سے کہا گیا کہ وہ خاص طور پر تناوہ کے تجربے کو یاد رکھنے اور دوبارہ زندہ کرنے کی کوشش کریں۔ دوسرے آدھے کو صرف یہ دکھایا گیا تھا کہ ان کے چہروں پر ایسے تاثرات کیسے پیدا کیے جائیں جو غصہ، اداسی اور خوف جیسے تناوہ بھرے جذبات سے مطابقت رکھتے ہیں۔ دوسرے گروپ، جو کام کر رہے تھے، نے وہی جسمانی رد عمل ظاہر کیا، وہی

جسمانی رد عمل، دل کی دھڑکن اور جسم کے درجہ حرارت میں اضافہ، جیسا کہ پہلے گروپ نے ظاہر کیا۔

چند سال بعد جرمن ماہرین نفسیات کی ایک ٹیم نے بھی ایسا ہی ایک مطالعہ کیا۔ ان کے مضامین کا ایک گروپ کارٹوں دیکھتا تھا، یا تو اپنے ہونٹوں کے درمیان قلم تھا میں ہوئے۔ ایک ایسا عمل جس کی وجہ سے مسکراہٹ کے دو بڑے عضلات، ریسوریس اور زائکو میٹک میں سے کسی ایک کو سکڑانا ممکن ہو گیا تھا۔

بڑے پیانے پر یا ان کے دانتوں کے درمیان قلم تھامے ہوئے، جس کا الٹا اثر ہوا اور وہ مسکرانے پر مجبور ہو گئے۔ دانتوں کے درمیان قلم رکھنے والے لوگوں کو کارٹون بہت مضمکہ خیز لگے۔ ان نتائج پر یقین کرنا مشکل ہو سکتا ہے، کیونکہ ہم اسے اس بات کے طور پر لیتے ہیں کہ پہلے ہم کسی جذبات کا تجربہ کرتے ہیں، اور پھر ہم اپنے چہرے پر اس جذبات کا اظہار کر سکتے ہیں یا نہیں کر سکتے ہیں۔ ہم چہرے کو جذبات کی باقیات سمجھتے ہیں۔ تاہم، اس تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ یہ عمل مخالف سمت میں بھی کام کرتا ہے۔ چہرے پر جذبات بھی شروع ہو سکتے ہیں۔ چہرہ ہمارے اندر وہی احساسات کے لئے ثانوی بل بورڈ نہیں ہے۔ یہ جذباتی عمل میں ایک مساوی شرائکت دار ہے۔

یہ اہم نکتہ ذہن کو پڑھنے کے عمل کے لئے بہت زیادہ مضرات رکھتا ہے۔ مثال کے طور پر، اپنے کیریئر کے ابتدائی دنوں میں، پال ایکمن نے چالیس نفیسیاتی مریضوں کی فلم بندی کی، جس میں مریم نامی خاتون، ایک بیالیس سالہ گھریلو خاتون بھی شامل تھی۔ اس نے تین بار خود کشی کی کوشش کی تھی، اور وہ آخری کوشش میں بچ گئی تھی۔ گولیوں کی زیادہ مقدار۔ صرف اس وجہ سے کہ کسی نے اسے وقت پر پایا اور اسے اسپتال لے گیا۔ ان کے بڑے بچے گھر چھوڑ چکے تھے، اور ان کے شوہر بے توجہ تھے، اور وہ افسردہ تھیں۔ جب وہ پہلی بار اسپتال گئی تو اس نے بیٹھ کر رونے کے سوا کچھ نہیں کیا، لیکن ایسا لگتا تھا کہ وہ تھراپی کا اچھا جواب دے رہی تھی۔ تین ہفتوں کے بعد، اس نے اپنے ڈاکٹر کو بتایا کہ وہ بہتر محسوس کر رہی ہے اور اپنے اہل خانہ سے ملنے کے لئے ویک اینڈ پاس چاہتی ہے۔ ڈاکٹر راضی ہو گئے، لیکن مریم کے اسپتال چھوڑنے سے ٹھیک پہلے، اس نے اعتراض کیا کہ اصل وجہ یہ تھی کہ وہ ہفتے کے آخر میں خود کشی کی ایک اور کوشش کرنا چاہتی تھی۔ کئی سال بعد، جب نوجوان نفیسیاتی ماہرین کے ایک گروپ نے ایکمان سے پوچھا کہ وہ کیسے بتا سکتے ہیں کہ خود کشی کرنے والے مریض کب جھوٹ بول رہے ہیں، تو اسے مریم کی لی گئی فلم یاد آئی اور اس نے یہ دیکھنے کا فیصلہ کیا کہ آیا اس کا جواب ہے یا نہیں۔ انہوں نے دلیل دی کہ اگر یہ چہرہ واقعی جذبات کے لئے قابل اعتماد رہنا تھا تو کیا انہیں فلم کو دیکھنے کے قابل نہیں ہونا چاہئے اور یہ

نہیں دیکھنا چاہئے کہ مریم جھوٹ بول رہی تھی جب اس نے کہا تھا کہ وہ بہتر محسوس کر رہی ہے؟ ایکمان اور فریسن نے اشارے کے لئے فلم کا تحریک کرنا شروع کیا۔ انہوں نے اسے درجنوں گھنٹوں تک بار بار بجایا، ہر اشارے اور اظہار کو دھیمی حرکت میں جانچا۔ آخر کار، انہوں نے دیکھا کہ وہ کیا تلاش کر رہے تھے: جب مریم کے ڈاکٹر نے اس سے مستقبل کے لئے اس کے منصوبوں کے بارے میں پوچھا، تو اس کے چہرے پر اتنی تیزی سے ماہی سی کی جملک نمودار ہوئی کہ یہ تقریباً ناقابل فہم تھا۔

ایکمان اس طرح کی عارضی شکل کو ایک مائیکرو اظہار کہتے ہیں، جو چہرے کے اظہار کی ایک بہت ہی خاص اور تنقیدی قسم ہے۔ چہرے کے بہت سے تاثرات رضاکارانہ طور پر کیے جاسکتے ہیں۔ اگر میں سخت نظر آنے کی کوشش کر رہا ہوں کیونکہ میں آپ کو زبان کی چوت دیتا ہوں، تو مجھے ایسا کرنے میں کوئی مشکل نہیں ہوگی، اور آپ کو میری چمک کی ترجمانی کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہوگی۔ لیکن ہمارے چہروں پر بھی ایک علیحدہ، غیر رضاکارانہ نظام کے تحت حکمرانی کی جاتی ہے جو ایسے تاثرات پیش کرتا ہے جن پر ہمارا کوئی شعوری کنٹرول نہیں ہے۔ مثال کے طور پر، ہم میں سے بہت کم لوگ رضاکارانہ طور پر اے یو کر سکتے ہیں، جو افسردگی کی علامت ہے۔ (ایکمان بتاتے ہیں کہ ایک قابل ذکر استثناؤوڑی ایلين ہے، جو مراہیہ پریشانی کی اپنی ٹریڈ مارک شکل تخلیق کرنے کے لئے اپنے فرنٹلس، پارس میڈیا لیس کا استعمال کرتا ہے۔ پھر بھی جب ہم ناخوش ہوتے ہیں تو ہم بغیر سوچے سمجھے اپنے اندر وہی بھنویں بلند کرتے ہیں۔ بچ کو اسی طرح دیکھیں جیسے وہ رونا شروع کرتا ہے، اور آپ اکثر فرنٹلس، پارس میڈیا لیس کو اس طرح شوٹ کرتے ہوئے دیکھیں گے جیسے وہ کسی تار پر ہو۔ اسی طرح، ایک اظہار ہے جسے ایکمن نے انیسویں صدی کے فرانسیسی نیورو لو جسٹ گیلوم ڈو چین کے اعزاز میں ڈو چن مسکراہٹ کا نام دیا ہے، جس نے پہلی بار چہرے کے عضلات کے کام کو کیمرے کے ساتھ دستاویزی شکل دینے کی کوشش کی تھی۔ اگر میں آپ سے مسکرانے کے لئے کہوں، تو آپ اپنے زانگو میٹک میجر کو چک دار کریں گے۔ اس کے بر عکس، اگر آپ حقیقی جذبات کی موجودگی میں خود بخود مسکراتے ہیں، تو آپ نہ صرف اپنے زانگو میٹک کو چکدار بنائیں گے بلکہ آر بیکو لیس

او کوئی، پارس آر میٹلس کو بھی مضبوط کریں گے، جو پھوٹھوں کو جو آنکھوں کو گھیرتا ہے۔ مانگ پر آر بیکولس او کوئی کو سخت کرنا تقریباً ممکن ہے، اور جب ہم واقعی خوشگوار چیز پر مسکراتے ہیں تو اسے سخت ہونے سے روکنا بھی اتنا ہی مشکل ہے۔ ڈوچن نے لکھا کہ اس طرح کی مسکراتے "وصیت کی تعمیل نہیں کرتی ہے۔" "یہ ہے

غیر موجودگی جھوٹے دوست کو بے نقاب کرتی ہے۔

جب بھی ہم کسی بنیادی جذبات کا تجربہ کرتے ہیں، تو وہ احساس خود بخود چہرے کے عضلات کے ذریعہ ظاہر ہوتا ہے۔ یہ رد عمل چہرے پر صرف ایک سینڈ کے ایک حصے کے لئے رہ سکتا ہے یا صرف اسی صورت میں پتہ لگایا جاسکتا ہے جب بر قی سینس چہرے سے منسلک ہوں۔ لیکن یہ ہمیشہ موجود ہے۔ سلوان ٹائمز نے ایک بار یونیورسٹی کا آغاز کرتے ہوئے کہا، "چہرہ عضو کی طرح ہے!" اس کا مطلب یہ تھا کہ چہرے کا کافی حد تک اپناز ہن ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہمارا اپنے چہروں پر کوئی کنٹرول نہیں ہے۔ ہم ان غیر رضا کار انہ رد عمل کو دبانے کی کوشش کرنے کے لئے اپنے رضا کار انہ عضلات کے نظام کا استعمال کر سکتے ہیں۔ لیکن، اکثر، اس دبے ہوئے جذبات کا کچھ چھوٹا سا حصہ - جیسے یہ احساس کہ میں واقعی ناخوش ہوں، بھلے ہی میں اس سے انکار کروں۔ مریم کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔ ہمارا رضا کار انہ اظہار کا نظام وہ طریقہ ہے جس سے ہم جان بوجھ کر اپنے جذبات کا اشارہ کرتے ہیں۔ لیکن ہمارا غیر رضا کار انہ اظہار کا نظام کئی لحاظ سے اس سے بھی زیادہ اہم ہے: یہ وہ طریقہ ہے جس سے ہم اپنے مستند احساسات کا اشارہ کرنے کے لئے ارتقاء سے لیس ہوئے ہیں۔

ایکمان کا کہنا ہے کہ 'آپ' کو ایسا تجربہ ضرور ہوا ہو گا جہاں کوئی آپ کے اظہار پر تبصرہ کرتا ہے اور آپ کو معلوم نہیں تھا کہ آپ یہ کر رہے ہیں۔ "کوئی آپ سے پوچھتا ہے، آپ کس بات پر پریشان ہو رہے ہیں؟ یا 'آپ' کیوں مسکرار ہے ہیں؟ آپ اپنی آواز سن سکتے ہیں، لیکن آپ اپنا چہرہ نہیں دیکھ سکتے ہیں۔ اگر ہم جانتے کہ ہمارے چہرے پر کیا ہے، تو ہم اسے چھپانے میں بہتر ہوں گے۔ لیکن ضروری نہیں کہ یہ ایک اچھی چیز ہو۔ ذرا تصور کریں کہ اگر ہم سب کے پاس کوئی سوچ ہوتا تو ہم اپنی مرضی سے اپنے چہرے کے تاثرات کو بند کر دیتے۔ اگر بچوں کے پاس یہ سوچ ہوتا، تو ہم نہیں جانتے کہ وہ کیا محسوس کر رہے تھے۔ وہ مشکل میں ہوں گے۔ اگر آپ چاہیں تو یہ دلیل

دے سکتے ہیں کہ نظام اس طرح تیار ہوا کہ والدین بچوں کی دیکھ بھال کر سکیں۔ یا تصور کریں کہ اگر آپ نے سوچ کے ساتھ کسی سے شادی کی ہے۔ یہ ناممکن ہو جائے گا۔ مجھے نہیں لگتا کہ اگر ہمارے چہرے اس طرح کام نہیں کرتے تو میل جوں اور محبت اور دوستی اور قربت پیدا ہوتی۔

ایکمین نے اوبے سمپسون ٹرائل سے ایک ٹیپ وی سی آر میں ڈال دی۔ رپورٹ میں دکھایا گیا ہے کہ سمپسون کے گھر کے مہمان کاٹو کیلین سے اس کیس کی مرکزی پر اسیکیوٹر مارشیا کلارک پوچھ گچھ کر رہی ہیں۔ کیلین گواہوں کے خانے میں بیٹھا ہے، اس کے چہرے پر ایک خالی نظر ہے۔ کلارک ایک معاندانہ سوال پوچھتا ہے۔ کیلین آگے جھک جاتا ہے اور آہستہ سے اس کا جواب دیتا ہے۔ "کیا تم نے دیکھا؟" ایکمان نے مجھ سے پوچھا۔ میں نے کچھ بھی نہیں دیکھا، صرف کیٹو بے ضرر اور غیر فعال تھا۔ ایکمان نے ٹیپ کو روک دیا، اسے دوبارہ کھڑا کیا، اور اسے آہستہ آہستہ چلا کیا۔ اسکرین پر، کیلین اس سوال کا جواب دینے کے لئے آگے بڑھا، اور ایک سینکڑ کے اس حصے میں، اس کا چہرہ مکمل طور پر تبدیل ہو گیا تھا۔ اس کی ناک جھریلوں سے بھری ہوئی تھی، جب اس نے اپنے لیویٹر لیبی کو اعلیٰ سطحی عالیق ناہی میں جھکایا تھا۔ اس کے دانت ٹوٹے ہوئے تھے، اس کے بھاؤ نیچے تھے۔ یہ تقریباً مکمل طور پر تھا نوسال،" ایکمان نے کہا۔ "یہ نفرت ہے، وہاں غصہ بھی ہے، اور اس کا اشارہ یہ ہے کہ جب آپ کی بھنوں نیچے چلی جاتی ہیں، تو عام طور پر آپ کی آنکھیں اتنی کھلی نہیں ہوتی ہیں جتنی وہ یہاں ہیں۔ اوپنی ہوئی پلک غصے کا ایک جزو ہے، نفرت کا نہیں۔ یہ بہت جلدی ہے۔" ایکمان نے ٹیپ کو روک دیا اور اسکرین کی طرف دیکھتے ہوئے اسے دوبارہ چلا کیا۔ "تم جانتے ہو، وہ ایک کتنے کی طرح لگ رہا ہے۔" ایکمین نے ایک اور کلپ دکھایا، جو 1955 میں ہیرالڈ "کم" فلبی کی طرف سے دی گئی پریس کا نفرنس کا تھا۔ فلبی کو ابھی تک سوویت جاسوس کے طور پر ظاہر نہیں کیا گیا تھا، لیکن اس کے دو ساتھی، ڈونلڈ میکلین اور گائی برگس، حال ہی میں سوویت یونین میں چلے گئے تھے۔ فلبی نے سیاہ سوٹ اور سفید قمیض پہنر کھی ہے۔ اس کے بال سیدھے ہیں اور بائیں طرف بکھرے ہوئے ہیں۔ اس کے چہرے پر استحقاق کی جھلک ہے۔

"مسٹر فلی،" ایک رپورٹر پوچھتا ہے، "مسٹر میکملن، وزیر خارجہ نے کہا کہ اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ آپ نام نہاد تیسرے شخص تھے جس نے میمنہ طور پر برگس اور میکلین کو اطلاع دی تھی۔ کیا آپ اس کلیئرنس سے مطمئن ہیں جو انہوں نے آپ کو دی تھی؟"

فلبی نے پورے اعتماد کے ساتھ جواب دیا، انگریزی اپر کلاس کے لمحے میں۔ "ہاں، میں ہوں۔" اگر کوئی تیسرا

آدمی ہوتا تو کیا تم واقعی تیسرے آدمی ہو؟"

"نہیں،" فلبی نے اتنی ہی طاقت سے کہا۔ "میں نہیں تھا۔"

ایکمان نے ٹیپ کو دوبارہ کھڑا کیا اور اسے آہستہ آہستہ چلایا۔ "یہ دیکھو،" اس نے سکرین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "دوبار، جب ان سے سُنگین سوالات پوچھے گئے کہ کیا انہوں نے غداری کی ہے، تو وہ مسکرانے جا رہے ہیں۔ وہ اس بی کی طرح لگتا ہے جس نے کیسزی کھائی تھی۔ یہ اظہار چند ملی سینڈ سے زیادہ میں نہیں آیا اور چلا گیا۔ لیکن چوتھائی رفتار سے یہ اس کے چہرے پر پینٹ کیا گیا تھا: ہونٹ دوں کو خالص جھنجھلاہٹ کی نظر میں ایک ساتھ دبایا گیا تھا۔ "وہ خود سے لطف اندوڑ ہو رہا ہے، ہے نا؟" ایکمان آگے بڑھا۔ "میں اسے 'دھوکہ دہی کی خوشی' کہتا ہوں، جو آپ دوسرے لوگوں کو بیو قوف بنانے سے حاصل کرتے ہیں۔ ایکمان نے وی سی آر دوبارہ شروع کیا۔ "وہ ایک اور کام کرتا ہے،" انہوں نے کہا۔ اسکرین پر فلبی ایک اور سوال کا جواب دے رہے ہیں: "دوسرے مقام پر، برگس-میکلین کے معاملے نے بہت بڑے مسائل اٹھائے ہیں۔" ایکمان نے توقف پر واپس جا کر ٹیپ منجمند کر دی۔ "یہ یہاں ہے،" انہوں نے کہا۔ "پریشانی یا ناخوشی کا ایک بہت ہی لطیف اظہار۔ یہ صرف بھنوؤں میں ہے۔ در حقیقت، صرف ایک آنکھ میں۔ یقینی طور پر، فلبی کی دائیں اندر ورنی آنکھ ایک واضح اے یو میں بلند ہوئی تھی۔" یہ بہت مختصر ہے،" ایکمان نے کہا۔ "وہ رضا کارانہ طور پر ایسا نہیں کر رہے ہیں۔ اور یہ اس کے تمام اعتماد اور ثابت قدی کے بالکل منافی ہے۔ یہ تب آتا ہے جب وہ برگس اور میکلین کے بارے میں بات کر رہا ہے، جن کو اس نے بتایا تھا۔ یہ ایک گرم جگہ ہے جو تجویز کرتی ہے، آپ کو جو کچھ بھی سننے کو ملتا ہے اس پر بھروسہ نہیں کرنا چاہئے۔"

ایکمان جو کچھ بیان کر رہے ہیں، وہ بہت ہی حقیقی معنوں میں، اس بات کی جسمانی بنیاد ہے کہ ہم دوسرے لوگوں کو کس طرح پتلا کرتے ہیں۔

ہم سب آسانی سے اور خود بخود پڑھ سکتے ہیں کیونکہ کسی کو یا کسی سماجی صورتحال کو سمجھنے کے لئے ہمیں جو اشارے درکار ہوتے ہیں وہ ہمارے سامنے موجود لوگوں کے چہروں پر موجود ہوتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ہم پاں ایکمن یا سلوان ٹائمز جیسے کسی شخص کی طرح چہروں کو اتنی عمدگی سے نہ پڑھ سکیں، یا کیٹو کیلین کے کتنے میں تبدیل ہونے جیسے لطیف لمحات کو اٹھا سکیں۔ لیکن چہرے پر کافی قابل رسائی معلومات موجود ہیں جو روزمرہ کے ذہن کو پڑھنے کو ممکن بناتی ہیں۔ جب کوئی ہمیں کہتا ہے کہ "میں تم سے محبت کرتا ہوں" تو ہم فوری طور پر اور براہ راست اس کی طرف دیکھتے ہیں کیونکہ چہرے کو دیکھ کر، ہم جان سکتے ہیں۔ یا، کم از کم، ہم اس بارے میں بہت کچھ جان سکتے ہیں کہ آیا جذبات حقیقی ہیں یا نہیں۔ کیا ہم نرمی اور خوشی دیکھتے ہیں؟ یا کیا ہم اس کے چہرے پر پریشانی اور ناخوشی کا ایک عارضی اظہار دیکھتے ہیں؟ ایک بچہ آپ کی آنکھوں میں دیکھتا ہے جب آپ اپنے ہاتھوں کو اس کے اوپر پیتے ہیں کیونکہ وہ جانتا ہے کہ وہ آپ کے چہرے پر وضاحت تلاش کر سکتا ہے۔ کیا آپ خوشی کی علامت کے طور پر ایکشن یونٹس چھ اور بارہ (اور سیکیولس اور کولی، پارس آر میٹلس اور زانگو میٹک میجر کے ساتھ مل کر) کا شکار ہو رہے ہیں؟ یا کیا آپ ایکشن یونٹس ایک، دو، چار، پانچ اور بیس (فرنٹلس، پارس میڈیلیس؛ فرنٹلس، پارس لیٹر لس؛ ڈپریشن سپر سیلی؛ لیویٹر پالپسیری سپر سیلریس؛ اور ریسوریس) سے متاثر ہو رہے ہیں جس میں ایک بچہ بھی خوف کے واضح اشارے کے طور پر سمجھتا ہے؟ ہم اس قسم کے پیچیدہ، تیز رفتار حسابات کو بہت اچھی طرح سے بناتے ہیں۔ ہم انہیں ہر روز بناتے ہیں، اور ہم انہیں بغیر سوچ سمجھے بناتے ہیں۔ اور یہ امادو ڈیالو کیس کی پہلی ہے، کیونکہ 4 فروری 1999 کے علی الصبح شان کیروں اور ان کے ساتھی افسران کسی وجہ سے ایسا بالکل نہیں کر سکے۔ ڈیالو معصوم، مجسس اور خوف زدہ تھا اور ان میں سے ہر ایک جذبات اس کے پورے چہرے پر لکھا ہوا ہو گا۔ لیکن انہوں نے اس میں سے کچھ بھی نہیں دیکھا۔ کیوں؟ آسانی سے اور خود بخود پڑھیں کیونکہ کسی کو یا کسی سماجی

صور تھال کو سمجھنے کے لئے ہمیں جو اشارے درکار ہوتے ہیں وہ ہمارے سامنے موجود لوگوں کے چہروں پر موجود ہوتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ہم پاں ایکین یا سلوان ٹائمز جیسے کسی شخص کی طرح چہروں کو اتنی عمدگی سے نہ پڑھ سکیں، یا کیوں کیلئے کئے میں تبدیل ہونے جیسے لطیف لمحات کو اٹھا سکیں۔ لیکن چہرے پر کافی قابل رسائی معلومات موجود ہیں جو روزمرہ کے ذہن کو پڑھنے کو ممکن بناتی ہیں۔

جب کوئی ہمیں کہتا ہے کہ "میں تم سے محبت کرتا ہوں" ، تو ہم فوری طور پر اور براہ راست اس کی طرف دیکھتے ہیں کیونکہ چہرے کو دیکھ کر، ہم جان سکتے ہیں - یا، کم از کم، ہم اس بارے میں بہت کچھ جان سکتے ہیں کہ آیا جذبات حقیقی ہیں یا نہیں۔ کیا ہم نرمی اور خوشی دیکھتے ہیں؟ یا کیا ہم اس کے چہرے پر پریشانی اور ناخوشی کا ایک عارضی اظہار دیکھتے ہیں؟ ایک بچہ آپ کی آنکھوں میں دیکھتا ہے جب آپ اپنے ہاتھوں کو اس کے اوپر پیتے ہیں کیونکہ وہ جانتا ہے کہ وہ آپ کے چہرے پر وضاحت تلاش کر سکتا ہے۔ کیا آپ خوشی کی علامت کے طور پر ایکشن یو نٹس چھ اور بارہ (اور بیکیو لس اور کولی، پارس آر بیٹلس اور زانگو میٹک میجر کے ساتھ مل کر) کا شکار ہو رہے ہیں؟ یا کیا آپ ایکشن یو نٹس ایک، دو، چار، پانچ اور بیس (فرنٹلس، پارس میڈیلیس؛ فرنٹلس، پارس لیٹر لس؛ ڈپریشن سپر سیلی؛ لیوٹر پالپسبری سپر سیلریس؛ اور ریسوریس) سے متاثر ہو رہے ہیں جس میں ایک بچہ بھی خوف کے واضح اشارے کے طور پر سمجھتا ہے؟ ہم اس قسم کے پیچیدہ، تیز رفتار حسابات کو بہت اچھی طرح سے بناتے ہیں۔ ہم انہیں ہر روز بناتے ہیں، اور ہم انہیں بغیر سوچ سمجھے بناتے ہیں۔ اور یہ اما دو ڈیالو کیس کی پہلی ہے، کیونکہ 4 فروری 1999 کے علی الصبح شان کیروں اور ان کے ساتھی افسران کسی وجہ سے ایسا بالکل نہیں کر سکے۔ ڈیالو معصوم، مجسس اور خوف زدہ تھا اور ان میں سے ہر ایک جذبات اس کے پورے چہرے پر لکھا ہوا ہو گا۔ لیکن انہوں نے اس میں سے کچھ بھی نہیں دیکھا۔ کیوں؟

4. ایک مرد، ایک عورت، اور ایک لائٹ سوچ یہ سمجھنے کے لئے کلاسک ماؤل کہ دماغ پڑھنے کی صلاحیت کھونے کا کیا مطلب ہے، آٹزم کی حالت ہے۔ برطانوی ماہر نفسیات سائمن بیرن کو ہن کے الفاظ میں جب کوئی آٹزم کا شکار ہوتا ہے تو وہ 'مسنٹ بلا سنڈ' ہوتا ہے۔ آٹزم میں مبتلا افراد کو ان تمام چیزوں کو کرنا اگر ناممکن نہیں تو مشکل لگتا ہے جو میں اب تک قدرتی اور خود کار انسانی عمل کے طور پر بیان کرتا رہا ہوں۔ انہیں غیر زبانی اشاروں کی ترجمانی کرنے میں دشواری ہوتی ہے، جیسے اشارے اور چہرے کے تاثرات یا خود کو کسی اور کے سر کے اندر رکھانا

یا الفاظ کے لغوی معنی کے علاوہ کسی اور چیز سے تفہیم حاصل کرنا۔ ان کا پہلا تاثر بنیادی طور پر ناکارہ ہے، اور آٹزم میں مبتلا افراد جس طرح دنیا کو دیکھتے ہیں وہ ہمیں بہت اچھی طرح سے احساس دیتا ہے کہ جب ہماری دماغ پڑھنے کی صلاحیتیں ناکام ہو جاتی ہیں تو کیا ہوتا ہے۔

آٹزم کے بارے میں ملک کے معروف ماہرین میں سے ایک امی کلین نامی شخص ہے۔ کلین نیو ہیون میں پہلی یونیورسٹی کے چانسلڈ اسٹڈی سینٹر میں پڑھاتے ہیں، جہاں ان کے پاس ایک مریض ہے جس کا وہ کئی سالوں سے مطالعہ کر رہا ہے جسے میں پیڑ کھوں گا۔ پھر اس چالیس سال کی عمر میں ہے۔ وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہے اور آزادانہ طور پر کام کرتا ہے اور زندگی گزارتا ہے۔ "یہ ایک بہت اعلیٰ کام کرنے والا شخص ہے۔ ہم ہفتہ وار ملتے ہیں، اور ہم بات کرتے ہیں،" کلین بتاتے ہیں۔ "وہ بہت واضح ہے، لیکن اسے چیزوں کے بارے میں کوئی بصیرت نہیں ہے، لہذا اسے میری ضرورت ہے کہ میں اس کے لئے دنیا کی وضاحت کروں۔" کلین، جو اداکار مارٹن شارٹ سے حیرت انگیز مشابہت رکھتے ہیں، آدھے اسرائیلی اور آدھے برازیلی ہیں، اور وہ ایک عجیب لمحہ میں بولتے ہیں۔ وہ برسوں سے پھر س کو دیکھ رہا ہے، اور وہ اس کی حالت کے بارے میں بے چینی یا لا تعلقی کے ساتھ بات نہیں کرتا ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جیسے کسی معمولی کردار کو بیان کر رہا ہو۔ "میں ہر ہفتے ان سے بات کرتا ہوں، اور ان سے بات کرنے میں میرا احساس یہ ہے کہ میں کچھ بھی کر سکتا ہوں۔ میں اپنی ناک اٹھا سکتا تھا۔ میں اپنی پتلوں نیچے اتار سکتا تھا۔ میں یہاں کچھ کام کر سکتا ہوں۔ اگرچہ وہ مجھے دیکھ رہا ہے، لیکن مجھے جانچ پڑتاں یا نگرانی کرنے کا احساس نہیں ہے۔ وہ میری باتوں پر بہت زیادہ توجہ دیتے ہیں۔ الفاظ اس کے لئے بہت معنی رکھتے ہیں۔ لیکن وہ اس بات پر بالکل بھی توجہ نہیں دیتے کہ میرے الفاظ کو چہرے کے تاثرات اور غیر زبانی اشاروں کے ساتھ کس طرح ہم آہنگ کیا جاتا ہے۔ ذہن کے اندر جو کچھ بھی چلتا ہے۔ جس کا وہ براہ راست مشاہدہ نہیں کر سکتا ہے۔ اس کے لئے ایک مسئلہ ہے۔ کیا میں اس کا معانچ ہوں؟ واقعی نہیں۔ عام تھراپی لوگوں کی اپنے حرکات میں بصیرت حاصل کرنے کی صلاحیت پر مبنی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ، بصیرت آپ کو بہت دور نہیں لے جائے گی۔ لہذا یہ مسئلہ حل کرنے کی

طرح ہے۔"

پیٹر سے بات کرتے ہوئے گلین جو چیزیں دریافت کرنا چاہتا تھا، وہ یہ تھا کہ اس کی حالت میں کوئی شخص دنیا کو کس طرح سمجھتا ہے، لہذا اس نے اور اس کے ساتھیوں نے ایک انوکھا تجربہ تیار کیا۔ انہوں نے پیٹر کو ایک فلم دکھانے کا فیصلہ کیا اور پھر اس کی آنکھوں کی سمت کی پیروی کرتے ہوئے اسے دیکھا۔

اسکرین۔ انہوں نے جس فلم کا انتخاب کیا وہ ایڈورڈ البی کے ڈرامے کا 1966 کا فلمی ورثن تھا جو ورجینیا وولف سے ڈرتا ہے؟ رچرڈ برٹن اور الیز بھٹلر نے ایک شوہر اور بیوی کا کردار ادا کیا ہے جو جارج سیگل اور سینڈی ڈنیس کے کردار میں ایک بہت چھوٹے جوڑے کو مددو کرتے ہیں، جو ایک شدید اور سخت شام ثابت ہوتی ہے۔ "یہ میرا پسندیدہ ڈرامہ ہے، اور مجھے فلم پسند ہے۔ میں رچرڈ برٹن سے محبت کرتا ہوں۔ میں الیز بھٹلر سے محبت کرتا ہوں،" کلین وضاحت کرتے ہیں، اور کلین جو کچھ کرنے کی کوشش کر رہے تھے، اس کے لئے فلم بہترین تھی۔ آٹزم میں بنتا افراد میکانی اشیاء کے جنون میں بنتا ہوتے ہیں، لیکن یہ ایک ایسی فلم تھی جس کی پیروی کی گئی تھی۔

اسٹیج کا بہت زیادہ اضافی، اداکار پر مرکوز ڈیزائین۔ کلین کا کہنا ہے کہ "یہ بہت حد تک موجود ہے۔" یہ چار لوگوں اور ان کے دماغ کے بارے میں ہے۔ اس فلم میں بہت کم بے جان تفصیلات ہیں جو آٹزم میں بنتا کسی شخص کی توجہ مبذول کریں گی۔ اگر میں نے ٹرمینیٹر ٹو کا استعمال کیا ہوتا، جہاں مرکزی کردار بندوق ہے، تو مجھے وہ نتائج نہیں ملتے۔ یہ سب معنی، جذبات اور اظہار کی متعدد سطحوں پر گھری، مشغول سماجی تعامل کے بارے میں ہے۔ ہم جو کچھ حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں وہ لوگوں کی معنی کی تلاش ہے۔ تو یہی وجہ ہے کہ میں نے ورجینیا وولف سے کون ڈرتا ہے کا انتخاب کیا؟ مجھے دنیا کو ایک آٹسٹک شخص کی آنکھوں سے دیکھنے میں دلچسپی تھی۔ اس فلم میں بہت کم بے جان تفصیلات ہیں جو آٹزم میں بنتا کسی شخص کی توجہ مبذول کریں گی۔ اگر میں نے ٹرمینیٹر ٹو کا استعمال کیا ہوتا، جہاں مرکزی کردار بندوق ہے، تو مجھے وہ نتائج نہیں ملتے۔ یہ سب معنی، جذبات اور اظہار کی متعدد سطحوں پر گھری، مشغول سماجی تعامل کے بارے میں ہے۔ ہم جو کچھ حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں وہ لوگوں کی معنی کی تلاش ہے۔ تو یہی وجہ ہے کہ میں نے ورجینیا وولف سے کون ڈرتا ہے کا انتخاب کیا؟ مجھے آٹزم کے شکار شخص کی آنکھوں سے دنیا کو دیکھنے میں دلچسپی تھی۔

کلین نے پیٹر کو ایک ٹوپی پہنائی تھی جس میں دو چھوٹے کیمروں پر مشتمل ایک بہت ہی سادہ، لیکن طاقتور،

آنکھوں پر نظر رکھنے والا آہ تھا۔ ایک کیمرے نے پیٹر کی آنکھ کا مرکز فوڈیا کی حرکت کو ریکارڈ کیا۔ دوسرے کیمرے نے وہ سب کچھ ریکارڈ کیا جو پیٹر دیکھ رہا تھا، اور پھر دونوں تصاویر کو سپر امپوز کیا گیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ فلم کے ہر فریم پر، کلین ایک لکیر کھینچ سکتا تھا جس میں دکھایا گیا تھا کہ پیٹر اس وقت کہاں دیکھ رہا تھا۔ اس کے بعد انہوں نے آٹزم کے بغیر لوگوں کو بھی فلم دیکھنے کے لئے کہا، اور انہوں نے پیٹر کی آنکھوں کی حرکات کا موازنہ ان کی آنکھوں کی حرکات سے کیا۔ مثال کے طور پر، ایک منظر میں، نک (جارج سیگل) شائستہ گفتگو کر رہا ہے، اور وہ میزبان جارج (رچرڈ برٹن) کے مطالعے کی دیوار کی طرف اشارہ کرتا ہے اور پوچھتا ہے، "پینٹنگ کس نے کی؟" جس طرح سے آپ اور میں اس منظر کو دیکھیں گے وہ سیدھا ہے: ہماری نظریں اس سمت کی پیروی کریں گی جس کی طرف نک اشارہ کر رہا ہے، پینٹنگ پر روشنی ڈالتے ہیں، جارج کی آنکھوں کی طرف پلتے ہیں تاکہ اس کا جواب حاصل کر سکیں، اور پھر نک کے چہرے پر واپس جائیں، یہ دیکھنے کے لئے کہ وہ جواب پر کس طرح رد عمل ظاہر کرتا ہے۔ یہ سب کچھ ایک سینٹنڈ کے ایک حصے میں ہوتا ہے، اور کلین کی بصری اسکیننگ تصاویر پر، عام ناظرین کی نظروں کی نمائندگی کرنے والی لائن نک سے پینٹنگ سے جارج تک اور پھر نک تک ایک صاف، سیدھی دھاری مشکل تشكیل دیتی ہے۔ تاہم، پطرس کا نمونہ تھوڑا مختلف ہے۔ وہ نک کی گردان کے ارد گرد کہیں سے شروع کرتا ہے۔ لیکن وہ نک کے بازو کی سمت کی پیروی نہیں کرتا ہے، کیونکہ اشارہ کرنے والے اشارے کی تشریح کرنے کے لئے، اگر آپ اس کے بارے میں سوچتے ہیں تو، آپ فوری طور پر اشارہ کرنے والے شخص کے ذہن میں بس جاتے ہیں۔ آپ کو پاؤنٹر کے دماغ کو پڑھنے کی ضرورت ہے، اور، یقیناً، آٹزم والے لوگ ذہن وہ کو نہیں پڑھ سکتے ہیں۔ کلین کا کہنا تھا کہ 'بچے بارہ ماہ کی عمر تک اشاروں کا جواب دیتے ہیں۔' یہ ایک ایسا شخص ہے جس کی عمر بیالیس سال ہے اور وہ بہت ذہین ہے، اور وہ ایسا نہیں کر رہا ہے۔ یہ اس قسم کے اشارے ہیں جو بچے قدرتی طور پر سیکھ رہے ہیں۔ اور وہ ان پر توجہ نہیں دیتا ہے۔

پطرس کیا کرتا ہے؟ وہ "پینٹنگ" اور "دیوار" کے الفاظ سنتا ہے، لہذا وہ دیوار پر پینٹنگ تلاش کرتا ہے۔ لیکن عام

آس پاس کے علاقے میں تین ہیں۔ یہ کون سا ہے؟ کلین کی بصری اسکیننگ کی تصاویر میں پیٹر کی نظریں ایک تصویر سے دوسری تصویر کی طرف گھومتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ دریں اتنا، بات چیت پہلے ہی آگے بڑھ چکی ہے۔

پیٹر کو اس منظر کو سمجھنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ

اگر نک نے مکمل طور پر زبانی طور پر واضح طور پر کہا ہوتا، اگر اس نے کہا ہوتا، "اس آدمی اور کتنے کے بائیں طرف یہ پینٹنگ کس نے کی تھی؟" بالکل لغوی ماحول سے کم کسی بھی چیز میں، آٹرزم کا شکار شخص کھو جاتا ہے۔

اس منظر میں ایک اور اہم سبقت ہے۔ عام ناظرین نے جارج اور نک کی آنکھوں کو دیکھا جب وہ بات کر رہے تھے، اور انہوں نے ایسا کیا کیونکہ جب لوگ بات کرتے ہیں تو ہم ان کی باتیں سنتے ہیں اور ان کی آنکھوں کو دیکھتے ہیں تاکہ ان تمام اظہاری باریکیوں کو اٹھا سکیں جو ایکمان نے بہت احتیاط سے درج کی ہیں۔ لیکن پیڑنے اس منظر میں کسی کی آنکھوں کو نہیں دیکھا۔ فلم کے ایک اور نازک لمحے میں، جب جارج اور مارٹھا (الز بچہ ٹیلر) ایک پر جوش گلے میں بند ہیں، پیڑ نے بو سہ لینے والے جوڑے کی آنکھوں کی طرف نہیں دیکھا۔ جو آپ یا میں کریں گے۔ بلکہ ان کے پیچھے دیوار پر روشنی کے سوچ پر دیکھا۔ اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ پطرس لوگوں پر اعتراض کرتا ہے یا قربت کے تصور کو قابل نفرت سمجھتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر آپ ذہن کو نہیں پڑھ سکتے ہیں۔ اگر آپ اپنے آپ کو کسی اور کے ذہن میں ڈال سکتے ہیں۔ تو آنکھوں اور چہروں کو دیکھنے سے کچھ خاص حاصل نہیں ہوتا ہے۔

بیل یونیورسٹی میں کلین کے ایک ساتھی رابرٹ ٹی شولٹرنے ایک بار ایف ایم آر آئی (فناشنل میگنیٹک ریزو ننس ایمجری) کے ساتھ ایک تجربہ کیا تھا، جو ایک انتہائی نفس دماغی اسکینزر ہے جو یہ دکھاتا ہے کہ کسی بھی وقت دماغ میں خون کھاں بہہ رہا ہے۔ اور اس طرح، دماغ کا کون سا حصہ استعمال میں ہے۔ شولٹرنے لوگوں کو ایف ایم آر آئی مشین میں ڈال دیا اور انہیں ایک بہت ہی آسان کام انجام دیا جس میں انہیں یا تو چہروں کے جوڑے یا اشیاء کے جوڑے (جیسے کریاں یا ہتھوڑے) دیئے گئے اور انہیں ایک بُٹن دبانا پڑا جس سے پتہ چلتا ہے کہ جوڑے ایک جیسے ہیں یا مختلف ہیں۔ عام لوگ، جب وہ چہروں کو دیکھ رہے تھے، تو انہوں نے اپنے دماغ کے ایک حصے کا استعمال کیا جسے فیوسیفارم گارس کہا جاتا ہے، جو دماغ کا ایک ناقابل یقین حد تک نفس ٹکڑا ہے جو ہمیں لفظی طور پر

ہزاروں چہروں میں فرق کرنے کی اجازت دیتا ہے جو ہم جانتے ہیں۔ (اپنے ذہن میں مارلن منزو کے چہرے کی تصویر بنائیں۔ تیار؟ آپ نے صرف اپنے فوسی فارم گارس کا استعمال کیا۔) جب عام شرکاء نے کرسی کو دیکھا تو انہوں نے دماغ کا ایک بالکل مختلف اور کم طاقتور حصہ استعمال کیا۔ کم تر عارضی گارس۔ جو عام طور پر اشیاء کے لئے مخصوص ہوتا ہے۔ (ان دونوں علاقوں کی نفاست میں فرق اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ آپ چالیس سال بعد آٹھویں جماعت سے سیلی کو کیوں پہچان سکتے ہیں لیکن ہوائی اڈے کے سامان پر اپنا بیگ اٹھانے میں دشواری ہوتی ہے۔ جب شولٹر نے آٹسٹک لوگوں کے ساتھ اس تجربے کو دھرا یا تو، تاہم، انہوں نے پایا کہ انہوں نے کر سیوں اور چہروں دونوں کے لئے اپنے آجیکٹ کی شناخت کے علاقے کا استعمال کیا۔ دوسرے الفاظ میں، سب سے بنیادی اعصابی سطح پر، آٹزم والے کسی شخص کے لئے، چہرہ صرف ایک اور شے ہے۔ یہاں میدی یکل میں آٹزم کے مریض کی ابتدائی وضاحتوں میں سے ایک ہے

ادب: "انہوں نے کبھی لوگوں کے چہروں کی طرف نہیں دیکھا۔ جب وہ لوگوں کے ساتھ کوئی لین دین کرتا تھا، تو وہ ان کے ساتھ، یا ان کے کچھ حصوں کے ساتھ، اس طرح بر تاؤ کرتا تھا جیسے وہ اشیاء ہوں۔ وہ اس کی رہنمائی کے لئے ایک ہاتھ کا استعمال کرتا تھا۔ وہ کھلیتے ہوئے اپنا سر اپنی ماں کے اوپر جھکاتا تھا جیسا کہ کبھی کبھی وہ تکیے کے اوپر کرتا تھا۔ اس نے اپنی بورڈنگ ماں کے ہاتھ کو کپڑے پہننے کی اجازت دی اور اس کے چہروں پر ذرا سی بھی توجہ نہیں دی۔ جب وہ لوگوں کے ساتھ کوئی لین دین کرتا تھا، تو وہ ان کے ساتھ، یا ان کے کچھ حصوں کے ساتھ، اس طرح بر تاؤ کرتا تھا جیسے وہ اشیاء ہوں۔ وہ اس کی رہنمائی کے لئے ایک ہاتھ کا استعمال کرتا تھا۔ وہ کھلیتے ہوئے اپنا سر اپنی ماں کے اوپر جھکاتا تھا جیسا کہ کبھی کبھی وہ تکیے کے اوپر کرتا تھا۔ اس نے اپنی بورڈنگ ماں کے ہاتھ کو کپڑے پہننے کی اجازت دی اور اس پر ذرا سی بھی توجہ نہیں دی۔

چنانچہ جب پٹرس نے مار تھا اور جارج کے بو سے لینے کے منظر کو دیکھا تو ان کے دونوں چہروں نے خود بخود اس کی توجہ حاصل نہیں کی۔ اس نے جو دیکھا وہ تین چیزیں تھیں۔ ایک مرد، ایک عورت اور ایک لائٹ سوچ۔ اور اس

نے کیا ترنجیح دی؟ جیسا کہ ہوتا ہے، لائٹ سوچ۔ ملین کا کہنا ہے کہ "میں پیڑ کے لیے جانتا ہوں کہ لائٹ سوچ ان کی زندگی میں اہم رہے ہیں۔" وہ ایک لائٹ سوچ دیکھتا ہے، اور وہ

اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے اگر آپ میٹس کے شو قین تھے، اور آپ بہت ساری تصاویر دیکھتے ہیں، اور پھر آپ جائیں گے، آہ، وہاں میٹس ہے۔ تو وہ جاتا ہے، وہاں لائٹ سوچ ہے۔ وہ معنی، تنظیم کی تلاش میں ہے۔ اسے الجھن پسند نہیں ہے۔ ہم سب ان چیزوں کی طرف راغب ہوتے ہیں جو ہمارے لئے کچھ معنی رکھتی ہیں، اور ہم میں سے زیادہ تر کے لئے، وہ لوگ ہیں۔ لیکن اگر لوگ آپ کے لئے معنی نہیں رکھتے ہیں، تو آپ کچھ ایسا تلاش کرتے ہیں جو کرتا ہے۔"

شاید سب سے زیادہ دردناک منظر جس کا کلین نے مطالعہ کیا وہ فلم کے ایک ایسے موڑ پر آتا ہے جب مار تھانک کے بغل میں پیٹھی ہوئی ہے، بے رحمی سے چھپیر چھاڑ کر رہی ہے، یہاں تک کہ اس کی ران پر ہاتھ بھی رکھ رہی ہے۔ پس منظر میں، اس کی پیٹھ ان کی طرف تھوڑی سی مڑگئی، جس میں غصہ اور حسد کرنے والا جارج چھپا ہوا تھا۔ جیسے ہی یہ منظر سامنے آتا ہے، عام ناظرین کی آنکھیں مار تھا کی آنکھوں سے لے کر نک کی آنکھوں سے جارج کی آنکھوں تک اور پھر مار تھا کی آنکھوں تک تقریباً کامل مشتمل میں حرکت کرتی ہیں، کمرے میں درجہ حرارت بڑھنے کے ساتھ ہی تینوں کی جذباتی حالتوں کی نگرانی کرتی ہیں۔ لیکن پھر س؟ وہ نک کے منہ سے شروع کرتا ہے، اور پھر اس کی نظریں نک کے ہاتھ میں موجود مشروب پر پڑتی ہیں، اور پھر اس کی نظر مار تھا کے سویٹر پر ایک بروچ پر گھومتی ہے۔ وہ کبھی بھی جارج کی طرف بالکل نہیں دیکھتا، لہذا منظر کا پورا جذباتی مطلب اس پر کھو جاتا ہے۔

اس تجربے پر کلین کے ساتھ کام کرنے والے وارن جونز کا کہنا ہے کہ "ایک منظر ایسا ہے جس میں جارج اپنا غصہ کھونے والا ہے۔" وہ الماری میں جاتا ہے اور شیف سے ایک بندوق نیچے کھینچتا ہے، اور اسے براہ راست مار تھا کی طرف اشارہ کرتا ہے اور ٹریگر کھینچتا ہے۔ اور جب وہ ایسا کرتا ہے، تو بیرل کے سامنے سے ایک چھتری نکلتی ہے۔ لیکن ہمیں اس وقت تک کوئی اندازہ نہیں ہے جب تک کہ یہ سامنے نہیں آتا کہ یہ ایک خوف ہے۔ لہذا خوف کا یہ حقیقی لمحہ ہے۔ اور سب سے زیادہ بتانے والی چیزوں میں سے ایک یہ ہے کہ کلاسیکی آٹزم کا فرد اوپنجی آواز میں ہنسے گا

اور اسے حقیقی جسمانی مزاح کا یہ لمحہ محسوس کرے گا۔ وہ اس عمل کی جذباتی بنیاد سے محروم ہو گئے ہیں۔ وہ صرف سلطھی پہلو کو پڑھتے ہیں کہ وہ ٹر یکر کھینچتا ہے، ایک چھتری باہر نکلتی ہے، اور وہ یہ سوچ کر چلے جاتے ہیں کہ وہ لوگ اچھا وقت گزار رہے ہیں۔

پیٹر کا فلم دیکھنے کا تجربہ اس بات کی بہترین مثال ہے کہ جب دماغ پڑھنے میں ناکامی ہوتی ہے تو کیا ہوتا ہے۔ پطرس ایک انتہائی ذہین آدمی ہے۔ انہوں نے ایک معروف یونیورسٹی سے گریجویٹ کی ڈگری حاصل کی ہے۔ ان کا آئی کیوں معمول سے کہیں زیادہ ہے، اور کلین ان کے بارے میں حقیقی احترام کے ساتھ بات کرتے ہیں۔ لیکن چونکہ ان کے پاس ایک بہت ہی بنیادی صلاحیت کی کمی ہے یعنی پڑھنے کی صلاحیت، اس لیے انہیں ورجینیا ولف سے کون ڈرتا ہے، میں اس منظر کے ساتھ پیش کیا جا سکتا ہے؟ اور ایک ایسے نتیجے پر پہنچیں جو سماجی طور پر مکمل اور تباہ کن طور پر غلط ہے۔ پطرس، سمجھ میں آتا ہے، اکثر اس طرح کی غلطی کرتا ہے: اس کی ایک حالت ہے جو اسے مستقل طور پر دماغی انداھا بنادیتی ہے۔ لیکن میں جیران ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ کیا بعض حالات میں ہم میں سے باقی لوگ بھی پطرس کی طرح سوچ سکتے ہیں۔ کیا ہو گا اگر آٹرم یعنی ذہنی انداھے پن کو دامنی حالت کے بجائے عارضی حالت میں تبدیل کرنا ممکن ہوتا؟ کیا یہ اس بات کی وضاحت کر سکتا ہے کہ بعض اوقات عام لوگ ایسے نتائج پر کیوں پہنچتے ہیں جو مکمل طور پر اور تباہ کن طور پر غلط ہوتے ہیں؟

5۔ کتنے کے ساتھ بحث فلموں میں اور ٹیلی ویژن پر جاسوسی شوز میں، لوگ ہر وقت بندوق چلاتے ہیں۔ وہ لوگوں کو گولی مار کر بھاگتے ہیں اور کبھی کبھی انہیں مار دیتے ہیں، اور جب وہ ایسا کرتے ہیں تو وہ جسم کے اوپر کھڑے ہو کر سگریٹ پیتے ہیں اور پھر جا کر اپنے ساتھی کے ساتھ بیسی پیتے ہیں۔ ہالی ووڈ کو یہ کہتے ہوئے سننا، بندوق چلانا کافی عام اور سیدھا عمل ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایسا نہیں ہے۔ 90 فیصد سے زیادہ پولیس افسران اپنے پورے کیریئر کو کسی پر گولی چلائے بغیر گزارتے ہیں، اور جو لوگ اس تجربے کو ناقابل تصور حد تک تناول کا شکار قرار دیتے ہیں وہ یہ پوچھنا مناسب لگتا ہے کہ کیا بندوق چلانا اس قسم کا تجربہ ہو سکتا ہے جو عارضی آٹرم کا سبب بن سکتا

ہے۔

مثال کے طور پر یہاں ان انٹرویو کے اقتباسات پیش کیے جا رہے ہیں جو یونیورسٹی آف مسوری کے کر منولوجسٹ ڈیوڈ کلنگر نے اپنی دلچسپ کتاب انٹوڈی کل زون کے لیے پولیس افسران کے ساتھ کیے تھے۔ سب سے پہلے ایک کے ساتھ ہے

وہ افسر جس نے اپنے ساتھی ڈین کو جان سے مارنے کی دھمکی دیئے والے شخص پر فائز نگ کی:

اس نے اوپر دیکھا، مجھے دیکھا، اور کہا، "اوہ، گندگی۔" ایسا نہیں ہے کہ "اوہ، شیٹ، مجھے ڈر لگتا ہے۔" لیکن جیسے "اوہ، شیٹ، اب یہاں کوئی اور ہے جسے مجھے قتل کرنا ہے" - حقیقی جارحانہ اور معقول بندوق کو دبانا جاری رکھنے کے بجائے

ڈین کا سر، اس نے اسے میرے ارد گردلانے کی کوشش شروع کر دی۔ یہ سب کچھ ملی سینئنڈ میں بہت تیزی سے ہوا اور اسی وقت میں اپنی بندوق اٹھا رہا تھا۔ ڈین ابھی بھی اس کے ساتھ لڑ رہا تھا، اور میرے ذہن میں صرف ایک ہی خیال آیا تھا "اوہ، پیارے خدا، مجھے ڈین کو مارنے نہ دیں۔" میں نے پانچ گولیاں چلائیں۔ جیسے ہی میں نے شوٹنگ شروع کی میری پینائی بدل گئی۔ یہ پوری تصویر دیکھنے سے لے کر صرف مشتبہ شخص کے سرتک چلا گیا۔ باقی سب کچھ غائب ہو گیا۔ میں نے اب ڈین کو نہیں دیکھا، کچھ اور نہیں دیکھا۔ میں صرف مشتبہ شخص کا سر دیکھ سکتا تھا۔

میں نے اپنے پانچ میں سے چار راؤنڈ مارتے ہوئے دیکھے۔ سب سے پہلے اس کی بائیں آنکھ پر مارا۔ اس نے ایک سوراخ کھول دیا اور اس شخص کا سر پیچھے ہٹ گیا اور اس نے کہا، "اوہ، تم نے مجھے پکڑ لیا۔ وہ پھر بھی بندوق کو میری طرف موڑتا رہا اور میں نے اپنا دوسرا راؤنڈ فائر کیا۔ میں نے اس کی بائیں آنکھ کی بنیاد کے بالکل نیچے ایک سرخ نقطہ دیکھا، اور اس کا سر ایک طرف مڑ گیا۔ میں نے ایک اور گولی چلائی۔ یہ اس کی بائیں آنکھ کے بیرونی حصے پر لگا، اور اس کی آنکھ پھٹ گئی، صرف پھٹ گئی اور باہر آگئی۔ میرا چوتھا راؤنڈ اس کے بائیں کان کے بالکل سامنے لگا۔ تیسرا راؤنڈ نے اس کا سر اور بھی آگے میری طرف موڑ دیا تھا، اور جب چوتھا راؤنڈ ٹکرایا، تو میں نے دیکھا کہ اس کے سر کے ایک طرف ایک سرخ نقطہ کھلا ہوا تھا، پھر بند ہو گیا۔ میں نے نہیں دیکھا کہ میرا آخری دور کہاں گیا۔ پھر میں نے سنا کہ وہ شخص پیچھے کی طرف گر گیا اور زمین سے ٹکر آگیا۔

یہاں ایک اور ہے:

جب اس نے ہماری طرف بڑھنا شروع کیا، تو ایسا لگ رہا تھا جیسے یہ ستر فتار میں تھا اور سب کچھ ایک سخت توجہ میں چلا گیا تھا... جب اس نے حرکت کی تو میرا پورا جسم تناول کا شکار ہو گیا۔ مجھے یاد نہیں کہ میرے سینے سے نیچے کوئی احساس ہوا تھا۔ سب کچھ میرے ہدف کو دیکھنے اور رد عمل دینے کے لئے آگے کی طرف مرکوز تھا۔ ایڈرینا لین رش کے بارے میں بات کریں! سب کچھ سخت ہو گیا، اور میرے تمام حواس اس شخص کی طرف بڑھ گئے جو بندوق کے ساتھ ہماری طرف دوڑ رہا تھا۔ میری نظر اس کے دھڑ اور بندوق پر مرکوز تھی۔ میں آپ کو بتا نہیں سکتا تھا کہ اس کا بائیکس ہاتھ کیا کر رہا تھا۔ مجھے کوئی اندازہ نہیں ہے۔ میں بندوق دیکھ رہا تھا۔ بندوق اس کے سینے کے سامنے آ رہی تھی، اور اسی وقت میں نے اپنی پہلی گولی چلانی۔

میں نے کچھ نہیں سنا، ایک بھی بات نہیں سنی۔ جب میں نے اپنی پہلی جوڑی کو گولی ماری تو ایلن نے ایک راؤنڈ فائر کیا تھا، لیکن میں نے اسے گولی مارتے ہوئے نہیں سنا۔ جب میں نے دوسری بار گولی چلانی تو اس نے مزید دو گولیاں چلائیں، لیکن میں نے ان میں سے کوئی بھی گولی نہیں سنی۔ جب وہ فرش سے ٹکرایا اور میرے اندر گھس گیا تو ہم نے شوٹنگ روک دی۔ پھر میں اپنے پیروں پر اس شخص کے اوپر کھڑا تھا۔ مجھے یہ بھی یاد نہیں ہے کہ میں نے خود کو اوپر اٹھایا تھا۔ میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ اگلی چیز جو مجھے معلوم تھی کہ میں دو پیروں پر کھڑا اس شخص کو دیکھ رہا تھا۔ مجھے نہیں معلوم کہ میں وہاں کیسے پہنچا، کیا میں نے اپنے ہاتھوں سے دھکا دیا، یا میں نے اپنے گھٹنوں کو نیچے کھینچ لیا۔ میں نہیں جانتا، لیکن ایک بار جب میں اٹھا، تو میں دوبارہ چیزیں سن رہا تھا کیونکہ میں اب بھی ٹائل کے فرش پر پیتل کی آواز سن سکتا تھا۔ اس وقت تک وقت بھی معمول پر آچکا تھا، کیوں کہ شوٹنگ کے دوران اس کی رفتار سست ہو گئی تھی۔ جیسے ہی اس نے ہماری طرف بڑھنا شروع کیا تو یہ شروع ہو گیا۔ اگرچہ میں جانتا تھا کہ وہ ہماری طرف دوڑ رہا تھا، لیکن ایسا لگ رہا تھا کہ وہ دھیمی رفتار سے چل رہا ہے۔ سب سے خوفناک چیز جو میں نے کبھی دیکھی ہے۔

مجھے لگتا ہے کہ آپ اس بات سے اتفاق کریں گے کہ یہ بہت عجیب کہانیاں ہیں۔ پہلی مثال میں، افسر کچھ ایسا بیان کرتا نظر آتا ہے جو بالکل ناممکن ہے۔ کوئی اس کی گولیوں کو کسی کو کیسے دیکھ سکتا ہے؟ دوسرے آدمی کا یہ دعویٰ بھی اتنا ہی عجیب ہے کہ اس نے اپنی بندوق پھٹنے کی آواز نہیں سنی۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ پھر بھی، فائرنگ میں ملوث پولیس افسران کے انٹرویو میں، یہ وہی تفصیلات بار بار ظاہر ہوتی ہیں: انتہائی بصری وضاحت، سرگ کا نظارہ،

آواز میں کمی، اور احساس کہ وقت سست ہو رہا ہے۔ اس طرح انسانی جسم انہائی تناوٰ پر رد عمل ظاہر کرتا ہے، اور یہ سمجھ میں آتا ہے۔ ایک جان لیوا صورت حال کا سامنا کرنے والا ہمارا دماغ معلومات کی حد اور مقدار کو بہت حد تک محدود کر دیتا ہے جس سے ہمیں نہیں پڑتا ہے۔ ہمارے سامنے براہ راست خطرے کے بارے میں بڑھتی ہوئی آگہی کے حق میں آواز اور یادداشت اور وسیع تر معاشرتی تفہیم کی قربانی دی جاتی ہے۔ ایک تنقیدی معنی میں، جن پولیس افسران کو کلنگر بیان کرتے ہیں انہوں نے بہتر کار کر دگی کا مظاہرہ کیا کیونکہ ان کے حواس تنگ ہو گئے تھے: اس تنگی نے انہیں اپنے سامنے موجود خطرے پر توجہ مرکوز کرنے کی اجازت دی۔

لیکن کیا ہوتا ہے جب اس تناوٰ کے رد عمل کو انہائی حد تک لے جایا جاتا ہے؟ فوج کے سابق یفٹینٹ کرنل اور 'آن کلنگ' کے مصنف ڈیو گرا سمین کا کہنا ہے کہ 'جو شوخ و خوش' کی بہترین حالت یعنی وہ حد جس میں تناوٰ کار کر دگی کو بہتر بناتا ہے، اس وقت ہوتا ہے جب ہمارے دل کی دھڑکن درمیان میں ہوتی ہے۔

115 اور 145 بیس فی منٹ۔ گرا سمین کا کہنا ہے کہ جب انہوں نے چیمپیئن مارکس میں رون ایوری کے دل کی دھڑکن کی پیمائش کی تو جب وہ میدان میں پرفارم کر رہے تھے تو ایوری کی نبض اس رتبخ میں سب سے اوپر تھی۔ باسکٹ بال کے سپر اسٹار لیری برڈ کہا کرتے تھے کہ کھیل کے نازک لمحات میں کورٹ خاموش ہو جاتا تھا اور کھلاڑی سست رفتاری سے حرکت کرتے دکھائی دیتے تھے۔ وہ واضح طور پر باسکٹ بال کھیلتا تھا جس میں رون ایوری نے کار کر دگی کا مظاہرہ کیا تھا۔ لیکن باسکٹ بال کے بہت کم کھلاڑی لیری برڈ کی طرح کورٹ کو واضح طور پر دیکھتے ہیں، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ بہت کم لوگ اس بہترین رتبخ میں کھیلتے ہیں۔ ہم میں سے زیادہ تر، دباؤ میں، بہت زیادہ متحرک ہو جاتے ہیں، اور ایک خاص مقام کو عبور کرتے ہوئے، ہمارے جسم بند ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔

معلومات کے اتنے سارے ذرائع کو نیچے پھینک دیا جاتا ہے کہ ہم بیکار ہونے لگتے ہیں۔

گروسمین کہتے ہیں کہ 145 کے بعد بری چیزیں ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔ پیچیدہ موڑ کی مہار تیں ٹوٹنا شروع ہو جاتی ہیں۔ ایک ہاتھ سے کچھ کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے اور دوسرے سے نہیں۔ 175 سال کی عمر میں، ہم علمی پروسینگ کا مطلق ٹوٹ پھوٹ دیکھنا شروع کریں۔ دماغ بند ہو جاتا ہے، اور وسط دماغ۔ آپ کے دماغ کا وہ حصہ جو آپ کے کتنے کی طرح ہے (تمام ممالیہ جانوروں کے دماغ کا وہ حصہ ہوتا ہے)۔ اور پہنچ جاتا ہے اور دماغ کو ہائی جیک کرتا ہے۔ کیا آپ نے کبھی کسی ناراض یا خوفزدہ انسان کے ساتھ بات چیت کرنے کی کوشش کی ہے؟ تم یہ نہیں کر سکتے... آپ اپنے کتنے کے ساتھ بحث کرنے کی بھی کوشش کر سکتے ہیں۔ "بصارت اور بھی محدود ہو جاتی ہے۔ رویہ نامناسب طور پر جارحانہ ہو جاتا ہے۔ غیر معمولی تعداد میں، جن لوگوں کو ان کی آنتوں پر گولی ماری جا رہی ہے کیونکہ 175 یا اس سے زیادہ کی دل کی دھڑکن کی وجہ سے خطرے کی بڑھتی ہوئی سطح پر، جسم اس قسم کے جسمانی کنٹرول کو غیر ضروری سرگرمی سمجھتا ہے۔ خون ہمارے بیروفی پھلوں کی پرت سے نکال لیا جاتا ہے اور بنیادی پھلوں کی کمیت میں مرکوز ہوتا ہے۔ اس کا ارتقائی نقطہ یہ ہے کہ پھلوں کو ہر ممکن حد تک سخت بنایا جائے۔ نہیں ایک قسم کے ہتھیار میں تبدیل کیا جائے اور چوٹ لگنے کی صورت میں خون بہنے کو محدود کیا جائے۔ لیکن اس سے ہم بے بس اور بے بس ہو جاتے ہیں۔ گروسمین کا کہنا ہے کہ ہر کسی کو اسی وجہ سے 911 پر ڈائل کرنے کی مشق کرنی چاہیے کیونکہ انہوں نے بہت سے ایسے حالات کے بارے میں سنائے جہاں ایمر جنسی میں لوگ فون اٹھاتے ہیں اور یہ سب سے بنیادی کام انجام نہیں دے پاتے۔ ان کے دل کی دھڑکن بڑھنے اور ان کی موڑ کو آرڈینیشن خراب ہونے کی وجہ سے، وہ 911 نہیں بلکہ 411 ڈائل کرتے ہیں کیونکہ یہ واحد نمبر ہے جو انہیں یاد ہے، یا وہ اپنے سیل فون پر "بھیجننا" دبانا بھول جاتے ہیں، یا وہ انفرادی نمبروں کو بالکل بھی منتخب نہیں کر سکتے ہیں۔ گروسمین کہتے ہیں، "آپ کو اس کی مشق ضرور کرنی چاہیے، کیوں کہ اگر آپ نے اس کی مشق کی ہے تو ہی یہ وہاں ہو سکے گی۔

یہی وجہ ہے کہ حالیہ برسوں میں پولیس کے بہت سے مکموں نے تیز رفتار پیچھا کرنے پر پابندی عائد کر دی ہے۔

اس کی وجہ صرف تعاقب کے دوران کسی معصوم راہ گیر کو نشانہ بنانے کے خطرات نہیں ہیں، اگرچہ یہ واضح طور پر تشویش کا حصہ ہے، کیونکہ ہر سال تقریباً تین سو امریکی تعاقب کے دوران حادثاتی طور پر ہلاک ہو جاتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ تعاقب کے بعد کیا ہوتا ہے، کیونکہ تیز رفتاری سے مشتبہ شخص کا تعاقب کرنا بالکل اسی طرح کی سرگرمی ہے جو پولیس افسران کو مجبور کرتی ہے۔

اعلیٰ جوش و خروش کی یہ خطرناک حالت۔ نیو یارک پولیس کے تربیتی سربراہ جیمز فیف کا کہنا ہے کہ 'ایل اے فسادات' اس وقت شروع ہوئے جب پولیس نے روڈنی کنگ کے ساتھ تیز رفتاری سے تعاقب کیا۔ 1980 میں میامی میں لبرٹی سٹی فسادات کا آغاز اس بات سے ہوا تھا کہ پولیس نے پیچھا کرنے کے بعد کیا کیا تھا۔ انہوں نے ایک آدمی کو پیٹ پیٹ کر ہلاک کر دیا۔ سنہ 1986 میں میامی میں ایک اور فساد ہوا جس کی بنیاد پولیس نے پیچھا کرنے کے بعد کیا۔ پچھلی چوتھائی صدی کے دوران اس مک میں تین بڑے نسلی فسادات اس وجہ سے ہوئے ہیں کہ پولیس نے پیچھا کرنے کے بعد کیا کیا۔

ایل اے پی ڈی کے ایک سابق اعلیٰ افسر باب مارٹن کا کہنا ہے کہ 'جب آپ تیز رفتاری سے چلتے ہیں، خاص طور پر رہائشی علاقوں میں، تو یہ خوفناک ہوتا ہے۔' بھلے ہی یہ صرف پچاس میل فی گھنٹہ کی رفتار سے ہو۔ آپ کا ایڈرینالین اور دل پاگلوں کی طرح پمپ کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ تقریباً ایک رنگ کی بلندی کی طرح ہے۔ یہ ایک بہت ہی خوشنگوار قسم کی چیز ہے۔ آپ نقطہ نظر کھو دیتے ہیں۔ آپ تعاقب میں لپٹ جاتے ہیں۔ ایک پرانی کہاوت ہے کہ 'شکار کرنے والا کتنا اپنے پسون کو کھرچنے کے لیے نہیں رکتا۔' اگر آپ نے کبھی کسی افسر کی ٹیپ سنی ہے جو تعاقب کے دوران نشر ہو رہا ہے تو، آپ اسے آواز میں سن سکتے ہیں۔ وہ تقریباً چیختے ہیں۔ نئے افسران کے لیے تقریباً جنون پایا جاتا ہے۔ مجھے اپنا پہلا تعاقب یاد ہے۔ میں اکیڈمی سے صرف چند ماہ باہر تھا۔ یہ ایک رہائشی محلے سے گزر رہا تھا۔ ایک دوبار ہم ہوائی جہاز میں بھی گئے۔ آخر کار ہم نے اسے پکڑ لیا۔ میں ریڈیو کے لیے گاڑی میں واپس گیا اور کہا کہ ہم ٹھیک ہیں، اور میں ریڈیو بھی نہیں اٹھا سکتا تھا، میں بہت بری طرح کانپ رہا تھا۔ مارٹن کا کہنا ہے کہ بادشاہ کی پٹائی بالکل وہی تھی جس کی توقع کی جا سکتی تھی جب دو پارٹیاں جن کے دل کی دھڑکنیں تیز ہوتی ہیں اور دل کی شریانوں پر حملے ہوتے ہیں، پیچھا کرنے کے بعد ایک دوسرے کا سامنا کرتے ہیں۔ مارٹن کا کہنا ہے کہ 'ایک اہم موقع پر، گرفتاری کے مقام پر موجود سینئر افسران میں سے ایک سٹیسی کون نے افسروں کو پیچھے ہٹنے

کے لیے کہا۔ "لیکن انہوں نے اسے نظر انداز کر دیا۔ کیوں؟ کیونکہ انہوں نے اس کی بات نہیں سنی۔ وہ بند ہو گئے۔"

Fyfe says that he recently gave a deposition in a case in Chicago in which police officers shot and killed a young man at the end of a chase, and unlike Rodney King, he wasn't resisting arrest. He was just sitting in his car. "He was a football player from Northwestern. His name was Robert Russ. It happened the same night the cops there shot another kid, a girl, at the end of a vehicle pursuit, in a case that Johnnie Cochran took and got over a \$20 million settlement. The cops said he was driving erratically. He led them on a chase, but it wasn't even that high-speed. They never got above seventy miles per hour. After a while, they ran him off the road. They spun his car out on the Dan Ryan Expressway. The instructions on vehicle stops like that are very detailed. You are not supposed to approach the car. You are supposed to ask the driver to get out. Well, two of the cops ran up ahead and opened the passenger side door. The other asshole was on the other side, yelling at Russ to open the door. But Russ just sat there. I don't know what was going through his head. But he didn't respond. So this cop smashes the left rear window of the car and fires a single shot, and it hits Russ in the hand and chest. The cop says that he said, 'Show me your hands, show me your

hands,' and he's claiming now that Russ was trying to grab his gun. I don't know if that was the case. I have to accept the cop's claim. But it's beside the point. It's still an unjustified shooting because he shouldn't have been anywhere near the car, and he shouldn't have broken the window." t have been anywhere near the car, and he shouldn't have broken the window."

Was this officer mind-reading? Not at all. Mind-reading allows us to adjust and update our perceptions of the intentions of others. In the scene in Who's Afraid of Virginia Woolf? where Martha is flirting with Nick while George lurks jealously in the background, our eyes bounce from Martha's eyes to George's to Nick's and around and around again because we don't know

what George is going to do. We keep gathering information on him because we want to find out. But Ami Klin's autistic patient looked at Nick's mouth and then at his drink and then at Martha's brooch. In his mind he processed human beings and objects in the same way. He didn't see individuals, with their own emotions and thoughts. He saw a collection of inanimate objects in the room and constructed a system to explain them—a system that he interpreted with such rigid and impoverished logic that when George fires his shotgun at Martha and an umbrella pops out, he laughed out loud. This, in a way, is what that officer on the Dan Ryan Expressway did as well. In the extreme excitement of the chase, he stopped reading Russ's mind. His vision and his thinking narrowed. He constructed a rigid system that said that a young black man in a car running from the police had to be a dangerous criminal, and all evidence to the contrary that would ordinarily have been factored into his thinking—the fact that Russ was just sitting in his car and that he had never gone above seventy miles per hour—did not register at all. Arousal leaves us mind-blind.

6. Running Out of White Space Have you ever seen the videotape of the assassination attempt on Ronald Reagan? It's the afternoon of March 30,

1981. Reagan has just given a speech at the Washington Hilton Hotel and is walking out a side door toward his limousine. He waves to the crowd. Voices cry out: "President Reagan! President Reagan!" Then a young man named John Hinckley lunges forward with a .22-caliber pistol in his hand and fires six bullets at Reagan's entourage at point-blank range before being wrestled to the ground. One of the bullets hits Reagan's press secretary, James Brady, in the head. A second bullet hits a police officer, Thomas Delahanty, in the back. A third hits Secret Service agent Timothy McCarthy in the chest, and a fourth ricochets off the limousine and pierces Reagan's lung, missing his heart by inches. The puzzle of the Hinckley shooting, of course, is how he managed to get at Reagan so easily. Presidents are surrounded by bodyguards, and bodyguards are supposed to be on the lookout for people like John Hinckley. The kind of people who typically stand outside a hotel on a cold spring day waiting for a glimpse of their President are well-wishers, and the job of the bodyguard is to scan the crowd and look for the person who doesn't fit, the one who doesn't wish well at all. Part of what bodyguards have to do is read faces. They have to mind-read. So why didn't they read Hinckley's mind? The answer is obvious if you watch the video—and it's the second critical cause of mind-blindness:

there is no time.

Gavin de Becker, who runs a security firm in Los Angeles and is the author of the book *The Gift of Fear*, says that the central fact in protection is the amount of “white space,” which is what he calls the distance between the target and any potential assailant. The more white space there is, the more time the bodyguard has to react. And the more time the bodyguard has, the better his ability to read the mind of any potential assailant. But in the Hinckley shooting, there was no white space. Hinckley was in a knot of reporters who were standing within a few feet of the President. The Secret Service agents became aware of him only when he starting firing. From the first instance when Reagan’s bodyguards realized that an attack was under way—what is known in the security business as the moment of recognition—to the point when no further harm was done was 1.8 seconds. “The Reagan attack involves heroic reactions by several people,” de Becker says. “Nonetheless, every round was still discharged by Hinckley. In other words, those reactions didn’t make one single difference, because he was too close. In the videotape you see one bodyguard. He gets a machine gun out of his briefcase and stands there. Another has his gun out, too. What are they going to shoot at? It’s over.” In those 1.8 seconds, all the bodyguards could do was

fall back on their most primitive, automatic (and, in this case, useless)

impulse—to draw their weapons. They had no chance at all to understand or anticipate what was happening. “When you remove time,” de Becker says, “you are subject to the lowest-quality intuitive reaction.”

We don’t often think about the role of time in life-or-death situations, perhaps because Hollywood has distorted our sense of what happens in a violent encounter. In the movies, gun battles are drawn-out affairs, where one cop has time to whisper dramatically to his partner, and the villain has time to call out a challenge,

and the gunfight builds slowly to a devastating conclusion. Just telling the story of a gun battle makes what happened seem to have taken much longer than it did. Listen to de Becker describe the attempted assassination a few years ago of the president of South Korea: “The assassin stands up, and he shoots himself in the leg. That’s how it starts. He’s nervous out of his mind. Then he shoots at the president and he misses. Instead he hits the president’s wife in the head. Kills the wife. The bodyguard gets up and shoots back. He misses. He hits an eight-year-old boy. It was a screw-up on all sides. Everything went wrong.” How long do you think that whole sequence took? Fifteen seconds? Twenty seconds? No, three-point-five seconds. happened

seem to have taken much longer than it did. Listen to de Becker describe the attempted assassination a few years ago of the president of South Korea: “The assassin stands up, and he shoots himself in the leg. That’s how it starts. He’s nervous out of his mind. Then he shoots at the president and he misses. Instead he hits the president’s wife in the head. Kills the wife. The bodyguard gets up and shoots back. He misses. He hits an eight-year-old boy. It was a screw-up on all sides. Everything went wrong.” How long do you think that whole sequence took? Fifteen seconds? Twenty seconds? No, three-point-five seconds.

I think that we become temporarily autistic also in situations when we run out of time. The psychologist Keith Payne, for instance, once sat people down in front of a computer and primed them—just like John Bargh did in the experiments described in chapter 2—by flashing either a black face or a white face on a computer screen. Then Payne showed his subjects either a picture of a gun or a picture of a wrench. The image was on the screen for 200 milliseconds, and everyone was supposed to identify what he or she had just seen on the screen. It was an experiment inspired by the Diallo case. The results were what you might expect. If you are primed with a black face first, you’ll identify the gun as a gun a little more quickly than if you are primed

with a white face first. Then Payne redid his experiment, only this time he sped it up. Instead of letting people respond at their own pace, he forced them to make a decision within 500 milliseconds—half a second. Now people began to make errors. They were quicker to call a gun a gun when they saw a black face first. But when they saw a black face first, they were also quicker to call a wrench a gun. Under time pressure, they began to behave just as people do when they are highly aroused. They stopped relying on the actual evidence of their senses and fell back on a rigid and unyielding system, a stereotype.

“When we make a split-second decision,” Payne says, “we are really vulnerable to being guided by our stereotypes and prejudices, even ones we may not necessarily endorse or believe.” Payne has tried all kinds of techniques to reduce this bias. To try to put them on their best behavior, he told his subjects that their performance would be scrutinized later by a classmate. It made them even more biased. He told some people precisely what the experiment was about and told them explicitly to avoid stereotypes based on race. It didn’t matter. The only thing that

made a difference, Payne found, was slowing the experiment down and forcing people to wait a beat before identifying the object on the screen. Our powers of thin-slicing and snap judgments are extraordinary. But even the giant computer in our unconscious needs a moment to do its work. The art experts who judged the Getty kouros needed to see the kouros before they could tell whether it was a fake. If they had merely glimpsed the statue through a car window at sixty miles per hour, they could only have made a wild guess at its authenticity.

For this very reason, many police departments have moved, in recent years, toward one-officer squad cars instead of two-. That may sound like a bad idea, because surely having two officers work together makes more sense. Can't they provide backup for each other? Can't they more easily and safely deal with problematic situations? The answer in both cases is no. An officer with a partner is no safer than an officer on his own. Just as important, two-officer teams are more likely to have complaints filed against them. With two officers, encounters with citizens are far more likely to end in an arrest or an injury to whomever they are arresting or a charge of assaulting a police officer. Why? Because when police officers are by themselves, they slow

things down, and when they are with someone else, they speed things up. “All cops want two-man cars,” says de Becker. “You have a buddy, someone to talk to. But one-man cars get into less trouble because you reduce bravado. A cop by himself makes an approach that is entirely different. He is not as prone to ambush. He doesn’t charge in. He says, ‘I’m going to wait for the other cops to arrive.’ He acts more kindly. He allows more time.”

Would Russ, the young man in the car in Chicago, have ended up dead if he had been confronted by just one officer? It’s hard to imagine that he would have. A single officer—even a single officer in the heat of the chase—would have had to pause and wait for backup. It was the false safety of numbers that gave the three officers the bravado to rush the car. “You’ve got to slow the situation down,” Fyfe says. “We train people that time is on their side. In the Russ case, the lawyers for the other side were saying that this was a fast-breaking situation. But it was only fast-breaking because the cops let it become one. He was stopped. He wasn’t going anywhere.”

What police training does, at its best, is teach officers how to keep themselves out of this kind of trouble; to avoid the risk of momentary autism. In a traffic stop, for instance, the officer is trained to park behind

the car. If it's at night, he shines his brights directly into the car. He walks toward the car on the driver's side, then stops and stands just behind the driver, shining his flashlight over the shoulder onto his or her lap. I've had this

happen to me, and I always feel a bit like I'm being disrespected. Why can't the officer stand and talk to me face-to-face, like a normal human being?

The reason is that it would be virtually impossible for me to pull a gun on the officer if he's standing behind me. First of all, the officer is shining his flashlight on my lap, so he can see where my hands are and whether I'm going for a gun. And even if I get my hands on the gun, I have to twist almost entirely around in my seat, lean out the window, and fire around the door pillar at the officer (and remember, I'm blinded by his brights)—and all this in his full view. The police procedure, in other words, is for my benefit: it means that the only way the officer will ever draw his gun on me is if I engage in a drawn-out and utterly unambiguous sequence of actions. t the officer stand and talk to me face-to-face, like a normal human being? The reason is that it would be virtually impossible for me to pull a gun on the officer if he's standing behind me. First of all, the officer is shining his flashlight on my

lap, so he can see where my hands are and whether I'm going for a gun. And even if I get my hands on the gun, I have to twist almost entirely around in my seat, lean out the window, and fire around the door pillar at the officer (and remember, I'm blinded by his brights)—and all this in his full view. The police procedure, in other words, is for my benefit: it means that the only way the officer will ever draw his gun on me is if I engage in a drawn-out and utterly unambiguous sequence of actions.

Fyfe once ran a project in Dade County, Florida, where there was an unusually high number of violent incidents between police officers and civilians. You can imagine the kind of tension that violence caused. Community groups accused the police of being insensitive and racist. The police responded with anger and defensiveness; violence, they said, was a tragic but inevitable part of police work. It was an all-too-familiar script. Fyfe's response, though, was to sidestep that controversy and conduct a study. He put observers in squad cars and had them keep a running score of how the officers' behavior matched up with proper training techniques. "It was things like, did the officer take advantage of available cover?" he said. "We train officers to make themselves the smallest possible target, so you

leave it to the bad guy to decide whether they'll be shooting or not. So we were looking at things like, did the officer take advantage of available cover or did he just walk in the front door? Did he keep his gun away from the individual at all times? Did he keep his flashlight in his weak hand? In a burglary call, did they call back for more information or did they just say ten-four? Did they ask for backup? Did they coordinate their approach?—you know, you be the shooter, I'll cover you. Did they take a look around the neighborhood? Did they position another car at the back of the building? When they were inside the place, did they hold their flashlights off to the side?—because if the guy happens to be armed, he's going to shoot at the flashlight. On a traffic stop, did they look at the back of the car before approaching the driver? These kind of things.”

What Fyfe found was that the officers were really good when they were face-to-face with a suspect and when they had the suspect in custody. In those situations, they did the “right” thing 92 percent of the time. But in their approach to the scene they were terrible, scoring just 15 percent. That was the problem. They didn't take the necessary steps to steer clear of temporary autism. And when Dade County zeroed in on improving what officers did before they encountered the suspect, the number of complaints against

officers and the number of injuries to officers and civilians plummeted. “You don’t want to put yourself in a position where the only way you have to defend yourself is to shoot someone,” Fyfe says. “If you have to rely on your reflexes, someone is going to get hurt—and get hurt unnecessarily. If you take advantage of intelligence and cover, you will almost never have to make an instinctive decision.”

7. “Something in My Mind Just Told Me I Didn’t Have to Shoot Yet”

What is valuable about Fyfe’s diagnosis is how it turns the usual discussion of police shootings on its head. The critics of police conduct invariably focus on the intentions of individual officers. They talk about racism and conscious bias. The defenders of the police, on the other hand, invariably take refuge in what Fyfe calls the split-second syndrome: An officer goes to the scene as quickly as possible. He sees the bad guy. There is no time for thought. He acts. That scenario requires that mistakes be accepted as unavoidable. In the end, both of these perspectives are defeatist. They accept as a given the fact that once any critical incident is in motion, there is nothing that can be done to stop or control it. And when our instinctive reactions are involved, that view is all too common. But that assumption is wrong. Our unconscious thinking is, in one critical respect, no different

from our conscious thinking: in both, we are able to develop our rapid decision making with training and experience.

Are extreme arousal and mind-blindness inevitable under conditions of stress? Of course not. De Becker, whose firm provides security for public figures, puts his bodyguards through a program of what he calls stress inoculation. “In our test, the principal [the person being guarded] says, ‘Come here, I hear a noise,’ and as you come around the corner—boom!—you get shot. It’s not with a real gun. The round is a plastic marking capsule, but you feel it. And then you have to continue to function. Then we say, ‘You’ve got to do it again,’ and this

time, we shoot you as you are coming into the house. By the fourth or fifth time you get shot in simulation, you’re okay.” De Becker does a similar exercise where his trainees are required to repeatedly confront a ferocious dog. “In the beginning, their heart rate is 175. They can’t see straight. Then the second or third time, it’s 120, and then it’s 110, and they can function.”

That kind of training, conducted over and over again, in combination with real-world experience, fundamentally changes the way a police officer reacts to a violent encounter. You’re okay.” De Becker does a similar

exercise where his trainees are required to repeatedly confront a ferocious dog. “In the beginning, their heart rate is 175. They can’t see straight. Then the second or third time, it’s 120, and then it’s 110, and they can function.” That kind of training, conducted over and over again, in combination with real-world experience, fundamentally changes the way a police officer reacts to a violent encounter.

Mind reading, as well, is an ability that improves with practice. Silvan Tomkins, maybe the greatest mind reader of them all, was compulsive about practicing. He took a sabbatical from Princeton when his son Mark was born and stayed in his house at the Jersey Shore, staring into his son’s face long and hard, picking up the patterns of emotion—the cycles of interest, joy, sadness, and anger—that flash across an infant’s face in the first few months of life. He put together a library of thousands of photographs of human faces in every conceivable expression and taught himself the logic of the furrows and the wrinkles and the creases, the subtle differences between the pre-smile and the pre-cry face.

Paul Ekman has developed a number of simple tests of people’s mind-reading abilities; in one, he plays a short clip of a dozen or so people claiming to have done something that they either have or haven’t actually

done, and the test taker's task is to figure out who is lying. The tests are surprisingly difficult. Most people come out right at the level of chance. But who does well? People who have practiced. Stroke victims who have lost the ability to speak, for example, are virtuosos, because their infirmity has forced them to become far more sensitive to the information written on people's faces. People who have had highly abusive childhoods also do well; like stroke victims, they've had to practice the difficult art of reading minds, in their case the minds of alcoholic or violent parents. Ekman actually runs seminars for law-enforcement agencies in which he teaches people how to improve their mind-reading skills. With even half an hour of practice, he says, people can become adept at picking up micro-expressions. "I have a training tape, and people love it," Ekman says. "They start it, and they can't see any of these expressions. Thirty-five minutes later, they can see them all. What that says is that this is an accessible skill."

In one of David Klinger's interviews, he talks to a veteran police officer who had been in violent situations many times in his career and who had on many occasions been forced to read the

minds of others in moments of stress. The officer's account is a beautiful example of how a high- stress moment—in the right hands—can be utterly transformed: It was dusk. He was chasing a group of three teenaged gang members. One jumped the fence, the second ran in front of the car, and the third stood stock-still before him, frozen in the light, no more than ten feet away. "As I was getting out of the passenger side," the officer remembers, the kid:

started digging in his waistband with his right hand. Then I could see that he was reaching into his crotch area, then that he was trying to reach toward his left thigh area, as if he was trying to grab something that was falling down his pants leg.

He was starting to turn around toward me as he was fishing around in his pants. He was looking right at me and I was telling him not to move: "Stop! Don't move! Don't move! Don't move!" My partner was yelling at him too: "Stop! Stop! Stop!" As I was giving him commands, I drew my revolver. When I got about five feet from the guy, he came up with a chrome .25 auto. Then, as soon as his hand reached his center stomach area, he dropped the gun right on the sidewalk. We took him into custody, and that was that.

I think the only reason I didn't shoot him was his age. He was fourteen, looked like he was nine. If he was an adult I think I probably would have shot him. I sure perceived the threat of that gun. I could see it clearly, that it was chrome and that it had pearl grips on it. But I knew that I had the drop on him, and I wanted to give him just a little more benefit of a doubt because he was so young looking. I think the fact that I was an experienced officer had a lot to do with my decision. I could see a lot of fear in his face, which I also perceived in other situations, and that led me to believe that if I would just give him just a little bit more time that he might give me an option to not shoot him. The bottom line was that I was looking at him, looking at what was coming out of his pants leg, identifying it as a gun, seeing where that muzzle was gonna go when it came up. If his hand would've come out a little higher from his waistband, if the gun had just cleared his stomach area a little bit more, to where I would have seen that muzzle walk my way, it would've been over with. But the barrel never came up, and something in my mind just told me I didn't have to shoot yet.

How long was this encounter? Two seconds? One and a half seconds? But look at how the officer's experience and skill allowed him to stretch out that fraction of time, to slow the situation down, to keep gathering information

until the last possible moment. He watches the gun come out. He sees the pearly grip. He tracks the direction of the muzzle. He waits for the kid to decide whether to pull the gun up or simply to drop it—and all the while, even as he tracks the progress of the gun, he is also watching the kid's face, to see whether he is dangerous or simply frightened. Is there a more beautiful example of a snap judgment? This is the gift of training and expertise—the ability to extract an enormous amount of meaningful information from the very thinnest slice of experience. To a novice, that incident would have gone by in a blur. But it wasn't a blur at all. Every moment—every blink—is composed of a series of discrete moving parts, and every one of those parts offers an opportunity for intervention, for reform, and for correction. His experience and skill allowed him to stretch out that fraction of time, to slow the situation down, to keep gathering information until the last possible moment. He watches the gun come out. He sees the pearly grip. He tracks the direction of the muzzle. He waits for the kid to decide whether to pull the gun up or simply to drop it—and all the while, even as he tracks the progress of the gun, he is also watching the kid's face, to see whether he is dangerous or

simply frightened. Is there a more beautiful example of a snap judgment? This is the gift of training and expertise—the ability to extract an enormous amount of meaningful information from the very thinnest slice of experience. To a novice, that incident would have gone by in a blur. But it wasn't a blur at all. Every moment—every blink—is composed of a series of discrete moving parts, and every one of those parts offers an opportunity for intervention, for reform, and for correction.

8. Tragedy on Wheeler Avenue So there they were: Sean Carroll, Ed McMellan, Richard Murphy, and Ken Boss. It was late. They were in the South Bronx. They saw a young black man, and he seemed to be behaving oddly. They were driving past, so they couldn't see him well, but right away they began to construct a system to explain his behavior. He's not a big man, for instance. He's quite small. "What does small mean? It means he's got a gun," says de Becker, imagining what flashed through their minds. "He's out there alone. At twelve-thirty in the morning. In this lousy neighborhood. Alone. A black guy. He's got a gun; otherwise he wouldn't be there. And he's little, to boot. Where's he getting the balls to stand out there in the middle of the night? He's got a gun. That's the story you tell yourself."

They back the car up. Carroll said later he was “amazed” that Diallo was still standing there. Don’t bad guys run at the sight of a car full of police officers? Carroll and McMellan get out of the car. McMellan calls out, “Police. Can we have a word?” Diallo pauses. He is terrified, of course, and his terror is written all over his face. Two towering white men, utterly out of place in that neighborhood and at that time of night, have confronted him. But the mind-reading moment is lost because Diallo turns and runs back into the building. Now it’s a pursuit, and Carroll and McMellan are not experienced officers like the officer who watched the pearl-handled revolver rise toward him. They are raw. They are new to the Bronx and new to the Street Crime Unit and new to the unimaginable stresses of chasing what they think is an armed man down a darkened hallway. Their heart rates soar. Their attention narrows. Wheeler Avenue is an old part of the Bronx. The sidewalk is flush with the curb, and Diallo’s apartment building is flush with the sidewalk, separated by just a four-step stoop. There is no white space here. When they step out of the squad car and stand on the street, McMellan and Carroll are no more than ten or fifteen feet from Diallo. Now Diallo runs. It’s a chase! Carroll and McMellan were just a little aroused before. What is their heart rate now? 175? 200? Diallo is now inside the vestibule,

up against the inner door of his building. He twists his body sideways and digs at something in his pocket. Carroll and McMellan have neither cover nor concealment: there is no car door pillar to shield them, to allow them to slow the moment down. They are in the line of fire, and what Carroll sees is Diallo's hand and the tip of something black. As it happens, it is a wallet. But Diallo is black, and it's late, and it's the South Bronx, and time is being measured now in milliseconds, and under those circumstances we know that wallets invariably look like guns. Diallo's face might tell him something different, but Carroll isn't looking at Diallo's face—and even if he were, it isn't clear that he would understand what he saw there. He's not mind-reading now. He's effectively autistic. He's locked in on whatever it is coming out of Diallo's pocket, just as Peter was locked in on the light switch in George and Martha's kissing scene. Carroll yells out, "He's got a gun!" And he starts firing. McMellan falls backward and starts firing—and a man falling backward in combination with the report of a gun seems like it can mean only one thing. He's been shot. So Carroll keeps firing, and McMellan sees Carroll firing, so he keeps firing, and Boss and Murphy see Carroll and McMellan firing, so they jump out of the car and start firing, too. The papers the next day will make much of the fact that forty-one bullets were

fired, but the truth is that four

people with semiautomatic pistols can fire forty-one bullets in about two and a half seconds. The entire incident, in fact, from start to finish, was probably over in less time than it has taken you to read this paragraph. But packed inside those few seconds were enough steps and decisions to fill a lifetime. Carroll and McMellon call out to Diallo. One thousand and one. He turns back into the house. One thousand and two. They run after him, across the sidewalk and up the steps.

One thousand and three. Diallo is

in the hallway, tugging at something in his pocket. One thousand and four. Carroll yells out, “He’s got a gun!” The shooting starts. One thousand and five. One thousand and six. Bang! Bang! Bang! One thousand and seven. Silence. Boss runs up to Diallo, looks down at the floor, and yells out, “Where’s the fucking gun?” and then runs up the street toward Westchester Avenue, because he has lost track in the shouting and the shooting of where he is. Carroll sits down on the steps next to Diallo’s bullet-ridden body and starts to cry. . Silence. Boss runs up to Diallo, looks down at the floor, and yells out, “Where’s the fucking gun?” and then runs up the street toward Westchester Avenue, because he has lost track in the shouting and the

shooting of where he is. Carroll sits down on the steps next to Diallo's bullet-ridden body and starts to cry.

Conclusion Listening with Your Eyes: The Lessons of Blink

At the beginning of her career as a professional musician, Abbie Conant was in Italy, playing trombone for the Royal Opera of Turin. This was in 1980. That summer, she applied for eleven openings for various orchestra jobs throughout Europe. She got one response: The Munich Philharmonic Orchestra. "Dear Herr Abbie Conant," the letter began. In retrospect, that mistake should have tripped every alarm bell in Conant's mind.

The audition was held in the Deutsches Museum in Munich, since the orchestra's cultural center was still under construction. There were thirty-three candidates, and each played behind a screen, making them invisible to the selection committee. Screened auditions were rare in Europe at that time. But one of the applicants was the son of someone in one of the Munich orchestras, so, for the sake of fairness, the Philharmonic decided to make the first round of auditions blind. Conant was number sixteen. She played Ferdinand David's Konzertino for Trombone, which is the warhorse audition piece in Germany, and missed one note (she cracked a G). She said to herself,

“That’s it,” and went backstage and started packing up her belongings to go home. But the committee thought otherwise. They were floored. Auditions are classic thin-slicing moments. Trained classical musicians say that they can tell whether a player is good or not almost instantly—sometimes in just the first few bars, sometimes even with just the first note—and with Conant they knew. After she left the audition room, the Philharmonic’s music director, Sergiu Celibidache, cried out, “That’s who we want!” The remaining seventeen players, waiting their turn to audition, were sent home. Somebody went backstage to find Conant. She came back into the audition room, and when she stepped out from behind the screen, she heard the Bavarian equivalent of whoa. “Was ist’n des? Sacra di! Meine Goetter! Um Gottes willen!” They were expecting Herr Conant. This was Frau Conant.

It was an awkward situation, to say the least. Celibidache was a conductor from the old school, an imperious and strong-willed man with very definite ideas about how music ought to be played—and about who ought to play music. What’s more, this was Germany, the land where classical music was born. Once, just after the Second World War, the Vienna Philharmonic experimented with an audition screen and ended up with what the orchestra’s former chairman, Otto Strasser,

described in his memoir as a “grotesque situation”: “An applicant qualified himself as the best, and as the screen was raised, there stood a Japanese before the stunned jury.” To Strasser, someone who was Japanese simply could not play with any soul or fidelity music that was composed by a European. To Celibidache, likewise, a woman could not play the trombone. The Munich Philharmonic had one or two women on the violin and the oboe. But those were “feminine” instruments. The trombone is masculine. It is the instrument that men played in military marching bands. Composers of operas used it to symbolize the underworld. In the Fifth and Ninth symphonies, Beethoven used the trombone as a noisemaker. “Even now if you talk to your typical professional trombonist,” Conant says, “they will ask, ‘What kind of equipment do you play?’ Can you imagine a violinist saying, ‘I play a Black and Decker?’”

There were two more rounds of auditions. Conant passed both with flying colors. But once Celibidache and the rest of the committee saw her in the flesh, all those long-held prejudices began to compete with the winning first impression they had of her performance. She joined the orchestra, and Celibidache stewed. A year passed. In May of 1981, Conant was called to a

meeting. She was to be demoted to second trombone, she was told. No reason was given. Conant went on probation for a year, to prove herself again. It made no difference. “You know the problem,” Celibidache told her. “We need a man for the solo trombone.”

Conant had no choice but to take the case to court. In its brief, the orchestra argued, “The plaintiff does not possess the necessary physical strength to be a leader of the trombone section.” Conant was sent to the Gautinger Lung Clinic for extensive testing. She blew through special machines, had a blood sample taken to

measure her capacity for absorbing oxygen, and underwent a chest exam. She scored well above average. The nurse even asked if she was an athlete. The case dragged on. The orchestra claimed that Conant’s “shortness of breath was overbearable” in her performance of the famous trombone solo in Mozart’s Requiem, even though the guest conductor of those performances had singled out Conant for praise. A special audition in front of a trombone expert was set up. Conant played seven of the most difficult passages in the trombone repertoire. The expert was effusive. The orchestra claimed that she was unreliable and unprofessional. It was a lie. After eight years, she was reinstated as first trombone. The nurse even asked if she was

an athlete. The case dragged on. The orchestra claimed that Conant's "shortness of breath was overhearable" in her performance of the famous trombone solo in Mozart's Requiem, even though the guest conductor of those performances had singled out Conant for praise. A special audition in front of a trombone expert was set up. Conant played seven of the most difficult passages in the trombone repertoire. The expert was effusive. The orchestra claimed that she was unreliable and unprofessional. It was a lie. After eight years, she was reinstated as first trombone.

But then another round of battles began—that would last another five years—because the orchestra refused to pay her on par with her male colleagues. She won, again. She prevailed on every charge, and she prevailed because she could mount an argument that the Munich Philharmonic could not rebut. Sergiu Celibidache, the man complaining about her ability, had listened to her play Ferdinand David's Konzertino for Trombone under conditions of perfect objectivity, and in that unbiased moment, he had said, "That's who we want!" and sent the remaining trombonists packing. Abbie Conant was saved by the screen.

1. A Revolution in Classical Music The world of classical music—particularly in its European home—was until very recently the preserve of white men. Women, it was believed, simply could not play like men. They didn't have the strength, the attitude, or the resilience for certain kinds of pieces. Their lips were different. Their lungs were less powerful. Their hands were smaller. That did not seem like a prejudice. It seemed like a fact, because when conductors and music directors and maestros held auditions, the men always seemed to sound better than the women. No one paid much attention to how auditions were held, because it was an article of faith that one of the things that made a music expert a music expert was that he could listen to music played under any circumstances and gauge, instantly and objectively, the quality of the performance. Auditions for major orchestras were sometimes held in the conductor's dressing room, or in his hotel room if he was passing through town. Performers played for five minutes or two minutes or ten minutes. What did it matter? Music was music. Rainer Kuchl, the concertmaster of the Vienna Philharmonic, once said he could instantly tell the difference with his eyes closed between, say, a male and female violinist. The trained ear, he believed, could pick up the softness and

flexibility of the female style.

But over the past few decades, the classical music world has undergone a revolution. In the United States, orchestra musicians began to organize themselves politically. They formed a union and fought for proper contracts, health benefits, and protections against arbitrary firing, and along with that came a push for fairness in hiring. Many musicians thought that conductors were abusing their power and playing favorites. They wanted the audition process to be formalized. That meant an official audition committee was established instead of a conductor making the decision all by himself. In some places, rules were put in place forbidding the judges from speaking among themselves during auditions, so that one person's opinion would not cloud the view of another. Musicians were identified not by name but by number. Screens were erected between the committee and the auditioner, and if the person auditioning cleared his or her throat or made any kind of identifiable sound—if they were wearing heels, for example, and stepped on a part of the floor that wasn't carpeted—they were ushered out and given a new number. And as these new rules were put in place around the country, an extraordinary thing happened: orchestras began to hire women.

In the past thirty years, since screens became commonplace, the number of

women in the top

U.S. orchestras has increased fivefold. “The very first time the new rules for auditions were used, we were looking for four new violinists,” remembers Herb Weksleblatt, a tuba player for the Metropolitan Opera in New York, who led the fight for blind auditions at the Met in the mid-1960s. “And all of the winners were women. That would simply never have happened before. Up until that point, we had maybe three women in the whole orchestra. I remember that after it was announced that the four women had won, one guy was absolutely furious at me. He said, ‘You’re going to be remembered as the SOB who brought women into this orchestra.’”

What the classical music world realized was that what they had thought was a pure and powerful first impression—listening to someone play—was in fact hopelessly corrupted. “Some people look like they sound better than they actually sound, because they look confident and have good posture,” one musician, a veteran of

many auditions, says. “Other people look awful when they play but sound great. Other people have that belabored look when they play, but you can’t hear it in the sound. There is always this

dissonance between what you see and hear. The audition begins the first second the person is in view. You think, Who is this nerd? Or, Who does this guy think he is?-just by the way they walk out with their instrument.” Other people look awful when they play but sound great. Other people have that belabored look when they play, but you can’t hear it in the sound. There is always this dissonance between what you see and hear. The audition begins the first second the person is in view. You think, Who is this nerd? Or, Who does this guy think he is?-just by the way they walk out with their instrument.” Julie Landsman, who plays principal French horn for the Metropolitan Opera in New York, says that she’s found herself distracted by the position of someone’s mouth. “If they put their mouthpiece in an unusual position, you might immediately think, Oh my God, it can’t possibly work. There are so many possibilities. Some horn players use a brass instrument, and some use nickel-silver, and the kind of horn the person is playing tells you something about what city they come from, their teacher, and their school, and that pedigree is something that influences your opinion. I’ve been in auditions without screens, and I can assure you that I was prejudiced. I began to listen with my eyes, and there is no way that your eyes don’t affect

your judgment. The only true way to listen is with your ears and your heart.”

In Washington, D.C., the National Symphony Orchestra hired Sylvia Alimena to play the French horn. Would she have been hired before the advent of screens? Of course not. The French horn—like the trombone—is a “male” instrument. More to the point, Alimena is tiny. She’s five feet tall. In truth, that’s an irrelevant fact. As another prominent horn player says, “Sylvia can blow a house down.” But if you were to look at her before you really listened to her, you would not be able to hear that power, because what you saw would so contradict what you heard. There is only one way to make a proper snap judgment of Sylvia Alimena, and that’s from behind a screen.

2. A Small Miracle There is a powerful lesson in classical music’s revolution. Why, for so many years, were conductors so oblivious to the corruption of their snap judgments? Because we are often careless with our powers of rapid cognition. We don’t know where our first impressions come from or precisely what they mean, so we don’t always appreciate their fragility. Taking our powers of rapid cognition seriously means we have to acknowledge the subtle influences that can alter or undermine or bias the products of our unconscious. Judging music sounds like the simplest of tasks. It is not, any more than sipping cola or rating chairs or tasting jam is

easy. Without a screen, Abbie Conant would have been dismissed before she played a note. With a screen, she was suddenly good enough for the Munich Philharmonic.

And what did orchestras do when confronted with their prejudice? They solved the problem, and that's the second lesson of Blink. Too often we are resigned to what happens in the blink of an eye. It doesn't seem like we have much control over whatever bubbles to the surface from our unconscious. But we do, and if we can control the environment in which rapid cognition takes place, then we can control rapid cognition. We can prevent the people fighting wars or staffing emergency rooms or policing the streets from making mistakes.

“If I was coming to see a work of art, I used to ask dealers to put a black cloth over it, and then whip it off when I walked in, and blam, so I could have total concentration on that particular thing,” says Thomas Hoving. “At the Met, I’d have my secretary or another curator take a new thing we were thinking of buying and stick it somewhere where I’d be surprised to see it, like a

coat closet, so I'd open the door and there it would be. And I'd either feel good about it or suddenly I'd see something that I hadn't noticed before."

Hoving valued the fruits of spontaneous thinking so much that he took special steps to make sure his early impressions were as good as possible. He did not look at the power of his unconscious as a magical force. He looked at it as something he could protect and control and educate—and when he caught his first glimpse of the kouros, Hoving was ready.

The fact that there are now women playing for symphony orchestras is not a trivial change. It matters because it has opened up a world of possibility for a group that had been locked out of opportunity. It also matters because by fixing the first impression at the heart of the audition—by judging purely on the basis of ability—orchestras now hire better musicians, and better musicians mean better music. And how did we get better music? Not by rethinking the entire classical music enterprise or building new concert halls or pumping in millions of new dollars, but by paying attention to the tiniest detail, the first two seconds of the audition.

When Julie Landsman auditioned for the role of principal French horn at the Met, the screens had just gone

up in the practice hall. At the time, there were no women in the brass section of the orchestra, because everyone “knew” that women could not play the horn as well as men. But Landsman came and sat down and played—and she played well. “I knew in my last round that I had won before they told me,” she says. “It was because of the way I performed the last piece. I held on to the last high C for a very long time, just to leave no doubt in their minds. And they started to laugh, because it was above and beyond the call of duty.” But when they declared her the winner and she stepped out from behind the screen, there was a gasp. It wasn’t just that she was a woman, and female horn players were rare, as had been the case with Conant. And it wasn’t just that bold, extended high C, which was the kind of macho sound that they expected from a man only. It was because they knew her. Landsman had played for the Met before as a substitute. Until they listened to her with just their ears, however, they had no idea she was so good. When the screen created a pure Blink moment, a small miracle happened, the kind of small miracle that is always possible when we take charge of the first two seconds: they saw her for who she truly was. everyone “knew” that women could not play the horn as well as men. But Landsman came and sat down and played—and she played well. “I knew in my last round that I had won before they told

me,” she says. “It was because of the way I performed the last piece. I held on to the last high C for a very long time, just to leave no doubt in their minds. And they started to laugh, because it was above and beyond the call of duty.” But when they declared her the winner and she stepped out from behind the screen, there was a gasp. It wasn’t just that she was a woman, and female horn players were rare, as had been the case with Conant. And it wasn’t just that bold, extended high C, which was the kind of macho sound that they expected from a man only. It was because they knew her. Landsman had played for the Met before as a substitute. Until they listened to her with just their ears, however, they had no idea she was so good. When the screen created a pure Blink moment, a small miracle happened, the kind of small miracle that is always possible when we take charge of the first two seconds: they saw her for who she truly was.

Notes

INTRODUCTION. THE STATUE THAT DIDN'T LOOK RIGHT

Margolis published his findings in a triumphant article in *Scientific American*: Stanley V. Margolis, “Authenticating Ancient Marble Sculpture,” *Scientific American* 260, no. 6 (June 1989): 104–110.

The kouros story has been told in a number of places. The best account is by Thomas Hoving, in chapter 18 of *False Impressions: The Hunt for Big Time Art Fakes* (London: Andre Deutsch, 1996). The accounts of the art experts who saw the kouros in Athens are collected in *The Getty Kouros Colloquium: Athens, 25–27 May 1992* (Malibu: J. Paul Getty Museum and Athens: Nicholas P. Goulandris Foundation, Museum of Cycladic Art, 1993). See also Michael Kimmelman, “Absolutely Real? Absolutely Fake?” *New York Times*, August 4, 1991; Marion True, “A Kouros at the Getty Museum,” *Burlington Magazine* 119, no. 1006 (January 1987): 3–11; George Ortiz, *Connoisseurship and Antiquity: Small Bronze Sculpture from the Ancient World* (Malibu: J. Paul Getty Museum, 1990), 275–278; and

Robert Steven Bianchi, “Saga of the Getty Kouros,” *Archaeology* 47, no. 3 (May/June 1994): 22–25.

The gambling experiment with the red and blue decks is described in Antoine Bechara, Hanna Damasio, Daniel Tranel, and Antonio R. Damasio, “Deciding Advantageously Before Knowing the Advantageous Strategy,” *Science* 275 (February 1997): 1293–1295. This experiment is actually a wonderful way into a variety of fascinating topics. For more, see Antonio Damasio’s *Descartes’ Error* (New York: HarperCollins, 1994), 212. The ideas behind “fast and frugal” can be found in Gerd Gigerenzer, Peter M. Todd, and the ABC Research Group, *Simple Heuristics That Make Us Smart* (New York: Oxford University Press, 1999). The person who has thought extensively about the adaptive unconscious and has written the most accessible account of the “computer” inside our mind is the psychologist Timothy Wilson. I am greatly indebted to his wonderful book *Strangers to Ourselves: Discovering the Adaptive Unconscious* (Cambridge, Mass.: Harvard University Press, 2002). Wilson also discusses, at some length, the Iowa gambling experiment.

On Ambady’s research on professors, see Nalini Ambady and Robert Rosenthal, “Half a Minute: Predicting Teacher Evaluations from Thin Slices

of Nonverbal Behavior and Physical Attractiveness,” *Journal of Personality and Social Psychology* 64, no. 3 (1993): 431–441. CHAPTER ONE. THE THEORY OF THIN SLICES: HOW A LITTLE BIT OF KNOWLEDGE GOES A LONG WAY

John Gottman has written widely on marriage and relationships. For a summary, see www.gottman.com. For the thinnest slice, see Sybil Carrère and John Gottman, “Predicting Divorce Among Newlyweds from the First Three Minutes of a Marital Conflict Discussion,” *Family Process* 38, no. 3 (1999): 293–301.

You can find more information on Nigel West at www.nigelwest.com.

On whether marriage counselors and psychologists can accurately judge the future of a marriage, see Rachel Ebling and Robert W. Levenson, “Who Are the Marital Experts?” *Journal of Marriage and Family* 65, no. 1 (February 2003): 130–142.

On the bedroom study, see Samuel D. Gosling, Sei Jin Ko, et al., “A Room with a Cue: Personality Judgments Based on Offices and Bedrooms,” *Journal of Personality and Social Psychology* 82, no. 3 (2002): 379–398.

On the issue of malpractice lawsuits and physicians, see an interview with Jeffrey Allen and Alice Burkin by Berkeley Rice: “How Plaintiffs’ Lawyers Pick Their Targets,” *Medical Economics* (April 24, 2000); Wendy Levinson et al., “Physician–Patient Communication: The Relationship with Malpractice Claims Among Primary Care Physicians and Surgeons,” *Journal of the American Medical Association* 277, no. 7 (1997): 553–559; and

Nalini Ambady et al., “Surgeons’ Tone of Voice: A Clue to Malpractice History,” *Surgery* 132, no. 1 (2002): 5–9.

CHAPTER TWO. THE LOCKED DOOR: THE SECRET LIFE OF SNAP DECISIONS

For Hoving on Berenson etc., see *False Impressions: The Hunt for Big Time Art Fakes* (London: Andre Deutsch, 1996), 19–20.

On the scrambled-sentence test, see Thomas K. Srull and Robert S. Wyer, “The Role of Category Accessibility in the Interpretation of Information About Persons: Some Determinants and Implications,” *Journal of Personality and Social Psychology* 37 (1979): 1660–1672.

John Bargh’s fascinating research can be found in John A. Bargh, Mark Chen, and Lara Burrows, “Automaticity of Social Behavior: Direct Effects of Trait Construct and Stereotype Activation on Action,” *Journal of Personality and Social Psychology* 71, no. 2 (1996): 230–244.

On the Trivial Pursuit study, see Ap Dijksterhuis and Ad van Knippenberg, “The Relation Between Perception and Behavior, or How to Win a Game of Trivial Pursuit,” *Journal of Personality and Social Psychology* 74, no. 4 (1998): 865–877.

The study on black and white test performance and race priming is presented in Claude Steele and Joshua Aronson’s “Stereotype Threat and Intellectual Test Performance of African Americans,” *Journal of Personality and Social Psychology* 69, no. 5 (1995): 797–811.

The gambling studies are included in Antonio Damasio's wonderful book *Descartes' Error: Emotion, Reason, and the Human Brain* (New York: HarperCollins, 1994), 193.

The human need to explain the inexplicable was described, most famously, by Richard Nisbett and Timothy Wilson in the 1970s. They concluded: "It is naturally preferable, from the standpoint of prediction and subjective feelings of control, to believe that we have such access. It is frightening to believe that no one has no more certain knowledge of the workings of one's own mind than would an outsider with intimate knowledge of one's history and of the stimuli present at the time the cognitive process occurred." See Richard E. Nisbett and Timothy D. Wilson, "Telling More Than We Can Know: Verbal Reports on Mental Processes," *Psychological Review* 84, no. 3 (1977): 231–259.

On the swinging rope experiment, see Norman R. F. Maier. "Reasoning in Humans: II. The Solution of a Problem and Its Appearance in Consciousness," *Journal of Comparative Psychology* 12 (1931): 181-194.

CHAPTER THREE. THE WARREN HARDING ERROR: WHY WE FALL FOR TALL, DARK, AND HANDSOME MEN

There are many excellent books on Warren Harding, including the following: Francis Russell, *The Shadow of Blooming Grove: Warren G. Harding in His Times* (New York: McGraw-Hill, 1968); Mark Sullivan, *Our Times: The United States 1900-1925*, vol. 6, *The Twenties* (New York: Charles Scribner's Sons, 1935), 16; Harry M. Daugherty, *The Inside Story of the Harding Tragedy* (New York: Ayer, 1960); and Andrew Sinclair, *The Available Man: The Life Behind the Masks of Warren Gamaliel Harding* (New York: Macmillan, 1965).

For more on the IAT, see Anthony G. Greenwald, Debbie E. McGhee, and Jordan L. K. Schwartz, "Measuring Individual Differences in Implicit Cognition: The Implicit Association Test," *Journal of Personality and Social Psychology* 74, no. 6 (1998): 1464-1480.

For an excellent treatment of the height issue, see Nancy Etcoff, *Survival of the Prettiest: The Science of Beauty* (New York: Random House, 1999), 172.

The height-salary study can be found in Timothy A. Judge and Daniel M. Cable, “The Effect of Physical Height on Workplace Success and Income: Preliminary Test of a Theoretical Model,” *Journal of Applied Psychology* 89, no. 3 (June 2004): 428-441.

A description of the Chicago car dealerships study is found in Ian Ayres, *Pervasive Prejudice? Unconventional Evidence of Race and Gender Discrimination* (Chicago: University of Chicago Press, 2001).

For proof that you can combat prejudice, see Nilanjana Dasgupta and Anthony G. Greenwald, “On the Malleability of Automatic Attitudes: Combating Automatic Prejudice with Images of Admired and Disliked Individuals,” *Journal of Personality and Social Psychology* 81, no. 5 (2001): 800-814. A number of other studies have shown similar effects. Among them: Irene V. Blair et al., “Imagining Stereotypes Away: The Moderation of Implicit Stereotypes Through Mental Imagery,” *Journal of Personality and Social Psychology* 81, no. 5 (2001): 828-841; and Brian S. Lowery and Curtis D. Hardin, “Social Influence Effects on Automatic Racial Prejudice,”

Journal of Personality and Social Psychology 81, no. 5 (2001): 842–855.

CHAPTER FOUR. PAUL VAN RIPER'S BIG VICTORY: CREATING STRUCTURE FOR SPONTANEITY

A good account of Blue Team's philosophy toward war fighting can be found in William A. Owens, *Lifting the*

Fog of War (New York: Farrar, Straus, 2000), 11.

Klein's classic work on decision making is *Sources of Power* (Cambridge, Mass.: MIT Press, 1998).

On the rules of improv, see Keith Johnstone, *Impro: Improvisation and the Theatre* (New York:

Theatre Arts Books, 1979).

On logic puzzles, see Chad S. Dodson, Marcia K. Johnson, and Jonathan W. Schooler, “The Verbal Overshadowing Effect: Why Descriptions Impair Face Recognition,” *Memory & Cognition* 25, no. 2 (1997): 129–139.

On verbal overshadowing, see Jonathan W. Schooler, Stellan Ohlsson, and Kevin Brooks, “Thoughts Beyond Words: When Language Overshadows Insight,” *Journal of Experimental Psychology* 122, no. 2 (1993): 166–183.

The firefighter story and others are discussed in “The Power of Intuition,” chap. 4 in Gary Klein’s *Sources of Power* (Cambridge, Mass.: MIT Press, 1998).

For Reilly’s research, see Brendan M. Reilly, Arthur T. Evans, Jeffrey J. Schaider, and Yue Wang, “Triage of Patients with Chest Pain in the Emergency Department: A Comparative Study of Physicians’ Decisions,” *American Journal of Medicine* 112 (2002): 95–103; and Brendan Reilly et al., “Impact of a Clinical Decision Rule on Hospital Triage of Patients with Suspected Acute Cardiac Ischemia in the Emergency Department,” *Journal of the American Medical Association* 288 (2002): 342–350.

Goldman has written several papers on his algorithm. Among them are Lee Goldman et al., “A Computer-Derived Protocol to Aid in the Diagnosis of Emergency Room Patients with Acute Chest Pain,” *New England Journal of Medicine* 307, no. 10 (1982): 588-596; and Lee Goldman et al., “Prediction of the Need for Intensive Care in Patients Who Come to Emergency Departments with Acute Chest Pain,” *New England Journal of Medicine* 334, no.23 (1996): 1498-1504.

On the consideration of gender and race, see Kevin Schulman et al., “Effect of Race and Sex on Physicians’ Recommendations for Cardiac Catheterization,” *New England Journal of Medicine* 340, no. 8 (1999): 618-626.

Oskamp’s famous study is described in Stuart Oskamp, “Overconfidence in Case Study Judgments,” *Journal of Consulting Psychology* 29, no. 3 (1965): 261-265.

CHAPTER FIVE. KENNA’S DILEMMA: THE RIGHT-AND WRONG-WAY TO ASK PEOPLE WHAT THEY WANT

A lot has been written about the changing music industry. This article was helpful: Laura M. Holson, “With Bythe-Numbers Radio, Requests Are a

Dying Breed," New York Times, July 11, 2002.

Dick Morris's memoir is Behind the Oval Office: Getting Reelected Against All Odds (Los Angeles: Renaissance Books, 1999).

For the best telling of the Coke story, see Thomas Oliver, The Real Coke, the Real Story (New York: Random House, 1986).

For more on Cheskin, see Thomas Hine, The Total Package: The Secret History and Hidden Meanings of Boxes, Bottles, Cans, and Other Persuasive Containers (New York: Little, Brown, 1995); and Louis Cheskin and L. B. Ward, "Indirect Approach to Market Reactions," Harvard

Business Review (September 1948).

Sally Bedell [Smith]'s biography of Silverman is Up the Tube: Prime-Time TV in the Silverman Years (New York: Viking, 1981).

Civille and Heylmun's ways of tasting are further explained in Gail Vance Civille and Brenda G. Lyon, Aroma and Flavor Lexicon for Sensory Evaluation (West Conshohocken, Pa.: American Society for Testing and Materials, 1996); and Morten Meilgaard, Gail Vance Civille, and B. Thomas Carr, Sensory Evaluation Techniques, 3rd ed. (Boca Raton, Fla.: CRC Press, 1999).

For more on jam tasting, see Timothy Wilson and Jonathan Schooler, "Thinking Too Much: Introspection Can Reduce the Quality of Preferences and Decisions," *Journal of Personality and Social Psychology* 60, no. 2 (1991): 181-192; and "Strawberry Jams and Preserves," *Consumer Reports*, August 1985, 487-489.

CHAPTER SIX. SEVEN SECONDS IN THE BRONX: THE DELICATE ART OF MIND READING

For more on the mind readers, see Paul Ekman, *Telling Lies: Clues to Deceit in the Marketplace, Politics, and Marriage* (New York: Norton, 1995); Fritz Strack, “Inhibiting and Facilitating Conditions of the Human Smile: A Nonobtrusive Test of the Facial Feedback Hypothesis,” *Journal of Personality and Social Psychology* 54, no. 5 (1988): 768–777; and Paul Ekman and Wallace V. Friesen, *Facial Action Coding System*, parts 1 and 2 (San Francisco: Human Interaction Laboratory, Dept. of Psychiatry, University of California, 1978). 54, no. 5 (1988): 768–777; and Paul Ekman and Wallace V. Friesen, *Facial Action Coding System*, parts 1 and 2 (San Francisco: Human Interaction Laboratory, Dept. of Psychiatry, University of California, 1978).

Klin has written a number of accounts of his research using Who’s Afraid of Virginia Woolf? The most comprehensive is probably Ami Klin, Warren Jones, Robert Schultz, Fred Volkmar, and Donald Cohen, “Defining and Quantifying the Social Phenotype in Autism,” *American Journal of Psychiatry* 159 (2002): 895

908. On mind reading, see also Robert T. Schultz et al., “Abnormal Ventral Temporal Cortical Activity During Face Discrimination Among Individuals with Autism and Asperger’s Syndrome,” *Archives of General Psychiatry* 57

(April 2000).

Dave Grossman's wonderful video series is called *The Bulletproof Mind: Prevailing in Violent Encounters . . . and After.*

The stories of police officers firing their guns are taken from David Klinger's extraordinary book *Into the Kill Zone: A Cop's Eye View of Deadly Force* (San Francisco: Jossey-Bass, 2004).

A number of studies have explored racial bias and guns, including the following: B. Keith Payne, Alan J. Lambert, and Larry L. Jacoby, "Best-Laid Plans: Effects of Goals on Accessibility Bias and Cognitive Control in Race-Based Misperceptions of Weapons," *Journal of Experimental Social Psychology* 38 (2002): 384-396; Alan J. Lambert, B. Keith Payne, Larry L. Jacoby, Lara

M. Shaffer, et al., "Stereotypes as Dominant Responses: On the 'Social Facilitation' of Prejudice in Anticipated Public Contexts," *Journal of Personality and Social Psychology* 84, no. 2 (2003):

277–295; Keith Payne, “Prejudice and Perception: The Role of Automatic and Controlled Processes in Misperceiving a Weapon,” *Journal of Personality and Social Psychology* 81, no. 2 (2001): 181–192; Anthony Greenwald, “Targets of Discrimination: Effects of Race on Responses to Weapons Holders,” *Journal of Experimental Social Psychology* 39 (2003): 399–405; and Joshua Correll, Bernadette Park, Charles Judd, and Bernd Wittenbrink, “The Police Officer’s Dilemma: Using Ethnicity to Disambiguate Potentially Hostile Individuals,” *Journal of Personality and Social Psychology* 83 (2002): 1314–1329. This study is a videogame in which whites and blacks are presented in ambiguous positions and the player has to decide whether to shoot or not. Go to <http://psych.colorado.edu/%7ejcorrell/tpod.html> and try it. It’s quite sobering.

On learning how to mind-read, see Nancy L. Etcoff, Paul Ekman, et al., “Lie Detection and Language Comprehension,” *Nature* 405 (May 11, 2000).

On two-person patrols, see Carlene Wilson, *Research on One-and Two-Person Patrols: Distinguishing Fact from Fiction* (South Australia: Australasian Centre for Policing Research, 1991); and Scott H. Decker and

Allen E. Wagner, “The Impact of Patrol Staffing on Police- Citizen Injuries and Dispositions,” *Journal of Criminal Justice* 10 (1982): 375–382.

CONCLUSION. LISTENING WITH YOUR EYES: THE LESSONS OF BLINK

The best account of the Conant story is by Conant’s husband, William Osborne, “You Sound like a Ladies Orchestra.” It is available on their Website, www.osborne-conant.org/ladies.htm.

The following articles were particularly helpful on changes in the world of classical music: Evelyn Chadwick, “Of Music and Men,” *The Strad* (December 1997): 1324–1329; Claudia Goldin and Cecilia Rouse, “Orchestrating Impartiality: The Impact of ‘Blind’ Auditions on Female Musicians,” *American Economic Review* 90, no. 4 (September 2000): 715–741; and Bernard Holland, “The Fair, New World of Orchestra Auditions,” *New York Times*, January 11, 1981.

Acknowledgments

A few years ago, before I began Blink, I grew my hair long. It used to be cut

very short and conservatively. But I decided, on a whim, to let it grow wild, as it had been when I was a teenager. Immediately, in very small but significant ways, my life changed. I started getting speeding tickets—and I had never gotten any before. I started getting pulled out of airport security lines for special attention. And one day, while walking along Fourteenth Street in downtown Manhattan, a police van pulled up on the sidewalk, and three officers jumped out. They were looking, it turned out, for a rapist, and the rapist, they said, looked a lot like me. They pulled out the sketch and the description. I looked at it and pointed out to them as nicely as I could that, in fact, the rapist looked nothing at all like me. He was much taller and much heavier and about fifteen years younger (and, I added in a largely futile attempt at humor, not nearly as good-looking). All we had in common was a large head of curly hair. After twenty minutes or so, the officers finally agreed with me and let me go. On the grand scale of things, I realize, this was a trivial misunderstanding. African Americans in the United States suffer indignities far worse than

this all the time. But what struck me was how even more subtle and absurd the stereotyping was in my case: this wasn't about something really obvious, such as skin color or age or height or weight. It was just about hair. Something about the first impression created by my hair derailed every other consideration in the hunt for the rapist. That episode on the street got me thinking about the weird power of first impressions. And that thinking led to Blink—so I suppose, before I thank anyone else, I should thank those three police officers.

Now come the real thanks. David Remnick, the editor of the New Yorker, very graciously and patiently let me disappear for a year while I was working on Blink. Everyone should have a boss as good and generous as David. Little, Brown, the publishing house that treated me like a prince with *The Tipping Point*, did the same this time around. Thank you, Michael Pietsch, Geoff Shandler, Heather Fain, and, most of all, Bill Phillips, who deftly and thoughtfully and cheerfully guided this manuscript from nonsense to sense. I am now leaning toward calling my firstborn Bill. A very long list of friends read the manuscript in various stages and gave me invaluable advice—Sarah Lyall, Robert McCrum, Bruce Headlam, Deborah Needleman,

Jacob Weisberg, Zoe Rosenfeld, Charles Randolph, Jennifer Wachtell, Josh Liberson, Elaine Blair, and Tanya Simon. Emily Kroll did the CEO height study for me. Joshua Aronson and Jonathan Schooler generously gave me the benefit of their academic expertise. The wonderful staff at Savoy tolerated my long afternoons in the table by the window. Kathleen Lyon kept me happy and healthy. My favorite photographer in the world, Brooke Williams, took my author photo. Several people, though, deserve special thanks. Terry Martin and Henry Finder—as they did with *The Tipping Point*—wrote long and extraordinary critiques of the early drafts. I am blessed to have two friends of such brilliance. Suzy Hansen and the incomparable Pamela Marshall brought focus and clarity to the text and rescued me from embarrassment and error. As for Tina Bennett, I would suggest that she be appointed CEO of Microsoft or run for President or otherwise be assigned to bring her wit and intelligence and graciousness to bear on the world’s problems—but then I wouldn’t have an agent anymore. Finally, my mother and father, Joyce and Graham Gladwell, read this book as only parents can: with devotion, honesty, and love. Thank you.

Malcolm Gladwell is the author of the international bestseller *The Tipping Point*. Formerly a business and science reporter at the Washington Post, he

is now a staff writer for the New Yorker. He was born in England, raised in Canada, and now lives in New York City. Formerly a business and science reporter at the Washington Post, he is now a staff writer for the New Yorker. He was born in England, raised in Canada, and now lives in New York City.